بسم اللہ الرحمن الرحیم

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ○

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی

تفسیر کشف القلوب

۱۳۱۹ھ

از

امام المفسرین حافظ کلام مبین ابو الوفا حضرت سید الشیوخ مولٰنا سید شاہ محمد عمر حسینی قادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ

تکملہ

از

مرشدنا و مولٰنا حضرت سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم　　جلد پنجم

[۷۸] نبا　　[۹۲] لیل

تفسیر قادری کی ویب سائیٹ

www.ata-e-habeeb.org

تفسیرِ قادری حصہ اول جلد پنجم کے ساتھ فہرست معجم (ضمنی عنوانات)

منسلک ہے جو سید غوث محی الدین حسینی صاحب قادری نصرالحق کی مرتبہ ہے

اس فہرست کی مدد سے کسی معین و مخصوص مضمون کے مباحث کی فہرست جو مختلف مقامات پر

پھیلے ہوئے ہیں ایک ہی جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری (تفسیر کشف القلوب)

حصہ اول کے مؤلف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسمِ شریف : مولانا مولوی میر پرورش علی رفعت پناہ قدس سرہ المعروف سید محمد پادشاہ حسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت و وفات : ۱۲۸۲ھ ۱۳۳۰ھ

مقامِ ولادت وفات : حیدر آباد دکن

دیگر تصانیف : فرائض قادری، (منظوم جس میں چاروں مذاہب کے وراثت کے مسائل جمع ہیں۔ رہبرِ طریقت، مصطلحاتِ تصوف، صحیفۂ معرف، تحفہ فاروقیہ وغیرہ وغیرہ۔ پٹنہ کے رسالہ تحفہ حنیفہ میں بھی اکثر آپ کے مسلسل مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن میں بعض مشاہیر کی کتابوں کے ترجمہ بھی شامل ہیں۔ کلامِ خلیقؔ رح کے نام سے آپ کا مختصر کلام بھی شائع ہوا ہے۔

حصہ دوم اور حصہ سوم کے مؤلف:

شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسم شریف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت وفات : ۱۳۱۷ھ ۱۳۸۴ھ

مقام ولادت و وفات : حیدر آباد۔

دیگر تصانیف : تصریفِ قادری، جس میں عربی کے مصادر اوران کا اُردو اور فارسی میں ترجمہ ہے۔ ماثورہ دعاؤں کی کئی کتابیں، ماہنامہ نور، ماہنامہ خلیق اور مختلف روزناموں میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ کلامِ لئیقؔ کے نام سے آپ کا کلام بھی شائع ہوا ہے۔ صدر مجلس علماءِ دکن کے معتمد کی حیثیت سے آپ کے خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

دیگر تفصیلات حصہ اول جلد اول میں مختصر تعارف میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری الموسوم تفسیرِ کشف القلوب (۱۳۱۹ھ)

پہلا حصہ	۱۷۔ سورہ بنی اسرائیل تا ۴۸۔ سورہ فتح ۱ تا ۲۰۲۵	از سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی القادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ
دوسرا حصہ تیسرا حصہ	۴۹۔ سورہ حجرات تا ۱۱۴۔ سورہ ناس ۱۔ سورہ فاتحہ تا ۲ سورہ بقرہ (صرف ابتدائی [۳۶] آیتیں)	شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی القادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

اس طرح یہ تفسیر (۱۵) ویں پارہ سے آخر سورہ ناس تک جملہ (۱۳) جلدوں میں سولہ پارہ + سورہ فاتحہ + سورہ بقرہ کی ۳۶ آیتوں پر مشتمل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر قادری

سنہ ۱۳۱۹ ھ

الموسوم بہ اسم تاریخی تفسیر کشف القلوب

کتاب :- حصّہ دوم جلد پنجم

تفسیر سورۃ .... [۷۸] نبا .... تا سورۃ [۹۲] لیل

پارہ .... پارہ

تصنیف :-

(۱) حصّہ اول :- سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الفتح

پارہ ۱۵ تا پارہ ۲۶ تین جلدوں میں

از الشیوخ حافظ سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہ العزیز

(سنہ ۱۲۸۲ ھ سنہ ۱۳۳۰ ھ)

(۲) حصّہ دوم اور سورۃ الحجرات تا سورۃ الناس سات جلدوں میں

(۳) حصّہ سوم سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرہ ایک جلد

(صرف ابتدائی ۳۶ آیتیں)

تکملہ از شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی لیئق رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۱۳۱۷ ھ - سنہ ۱۳۸۴ ھ)

سالِ اشاعت :- حصّہ اول - سنہ ۱۳۱۹ ھ سے سنہ ۱۳۳۰ ھ تک (سنہ ۱۹۰۰ ء تا سنہ ۱۹۱۱ ء)

(ماہانہ پرچوں کی شکل میں ہر ماہ دو جز یعنی (۳۲) صفحات)

حصّہ دوم و حصّہ سوم - سنہ ۱۳۷۲ ھ تا سنہ ۱۳۸۴ ھ (سنہ ۱۹۵۲ ء تا سنہ ۱۹۶۴ ء)

مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری مدظلہ العالی کے حکم سے مولوی سید علی حسینی علی مرحوم و مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے

فہرستِ مضامین میں آیتوں اور سورتوں کے نمبروں کے اضافہ کیساتھ ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کر کے اسے کتابی شکل دی۔ جو پرچے دستیاب نہ ہوسکے ان کی زیراکس کاپیاں حاصل کر لی گئیں ہیں۔

نوٹ :۔ تفسیرِ قادری اور الشیوخ قدس سرہٗ العزیز کی دوسری کتابوں کے متعلق تفصیلات سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سے حاصل کی جاسکتی ہیں

پتہ

مکان نمبر : 19-3-1086/1

بند گلی روبرو فلک نما بس ڈپو،

انجن باولی، فلک نما، حیدر آباد 56۔

فون : 24460038

سل : 9490748463

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ النبی الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین ؕ

الحمد للہ تفسیر قادری کے ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کرکے اسے کتابی شکل دی گئی ہے تاکہ اسکے نسخے مختلف کتب خانوں اور ریسرچ سنٹرس میں عام استفادہ کیلئے رکھوا دیئے جاسکے۔

تفسیرِ قادری تین حصّوں میں ہے۔

پہلا حصّہ :۔	سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ)	تا سورۃ الفتح (۲۶ واں پارہ)
دوسرا حصّہ :۔	سورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ)	تا سورۃ الناس (۳۰ واں پارہ)
تیسرا حصّہ :۔	سورۃ الفاتحہ	و سورۃ البقرۃ (صرف ابتدائی ۳۶ آیاتِ کریمہ)

حضرت سید الشیوخ حافظ کلام مبین ابو الوفا سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہٗ العزیز نے ۱۳۱۹ھ میں سورہ بنی اسرائیل سے تفسیر قادری کی اشاعت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس تفسیر کا تاریخی نام "تفسیر کشف القلوب" ہے آپ ہر نمازِ جمعہ کے بعد مکہ مسجد میں تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی تفسیر سے ہزاروں افراد ظاہری باطنی فیض پاتے رہے۔ ساتھ ہی شائقین نے تفسیر کی اشاعت کا تقاضہ بھی شروع کردیا۔ اس وقت تک چودہ پاروں کی تفسیر تقریباً مکمل ہوچکی تھی۔ اور پندرہواں پارہ شروع ہونے والا تھا۔ چنانچہ اسی سے اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا۔ اسطرح تفسیر قادری ہر ماہ (۳۲) صفحات پر شائع ہوتی رہی یہاں تک کہ یہ سلسلہ ۱۳۳۰ھ میں حضرت سید الشیوخ (رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال کی وجہ سے سورۃ فتح کی تفسیر تک پہنچکر رک گیا۔

سیدیؒ نے ۱۳۲۴ھ میں تفسیر قادری کا مقدمہ تحریر فرمایا۔ جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے جسمیں اُن اصولوں کا ذکر ہے جو جنکا خیال ایک مفسر کو رکھنا ہے۔ جن کتابوں اور تفسیروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انکا اور انکے مصنفین کا بھی ذکر ہے۔ اور بہت سی مفید باتیں ہیں جنکا جاننا ہر ایسے شخص کیلئے ضروری ہے جو قرآنِ کریم

سے ظاہری و باطنی فیض پانے کا متمنی ہو۔

اہمیت کے پیشِ نظر مقدمہ کی کاپیاں دوسرے حصہ کیساتھ بھی ملسک کردی گئی ہیں

سید الشیوخ رحؒ کے انتقال کے بعد آپکے صاحبزادے اور جانشین شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی لئیق قدس سرہ العزیز نے مکہ مسجد میں تفسیر کے سلسلے کو جاری رکھا لیکن تفسیر کی اشاعت چاہنے کے باوجود ایک طویل عرصے تک ممکن نہو سکی۔ ۱۳۷۲ھ میں تقریباً اکتالیس سال بعد آپنے سورۃ فتح کی دوبارہ اشاعت سے اس مقدس کام کی دوبارہ ابتداء کی اور سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تفسیر کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے پہلے پارہ سے چودہ پاروں تک تفسیر کی تکمیل کا ارادہ فرمایا تھا لیکن آپنے ابھی سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کی ابتدائی (۳۶) آیتوں ہی کی تفسیر فرمائی تھی کہ ۱۳۸۴ھ میں آپ کے انتقال سے یہ سلسلہ بھی یہیں رک گیا۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرتؒ ہی کے اہلِ خاندان میں اسی نہج پر اس اہم کام کی تکمیل فرمائیں۔ اور اس تشنگی کو کم کریں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فہرست مضامین کو ایک جگہ کرتے ہوئے اسمیں سورتوں اور آیاتِ کریمہ کے نمبروں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ اضافہ محض اسلئے کیا گیا ہے دورانِ تلاوت یا پھر کسی اور وقت کسی آیت کی تفسیر دیکھنے کا خیال ہو تو اسے فوری آیت کے نمبر کے حوالے سے نکال لیا جا سکے۔

فہرستِ مضامین کے ساتھ فہرست معجم بھی تیار کر لی گئی ہے۔ جس پر نظرِ ثانی ہونی ہے۔ اِن شاءاللہ تعالیٰ اس کی کاپیاں بعد میں سورۃ الفتح اور سورۃ الناس کے بعد منسلک کر دی جائینگی۔ سہولت کیلئے تفسیر قادری کی حسبِ ذیل جلدیں تیار کی گئی ہیں۔ جو پرچے نہیں مل سکے اُن کی زیراکس کاپیاں لگادی گئیں ہیں تاکہ سٹ مکمل ہو۔

پہلا حصہ جلد اوّل } مقدمہ تفسیر قادری تفسیر سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الحج
(۱۵ واں پارہ) (۱۷ واں پارہ)

جلد دوم :- تفسیر سورۃ" المومنون تا سورۃ الفاطر
(۱۸ واں پارہ) (۲۲ واں پارہ)

جلد سوم :- تفسیر سورۃ یٰسٓ تا سورۃ فتح
(۲۲ واں پارہ) (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصہ جلد اوّل } تفسیر سورۃ الحجرات تا سورۃ النجم
(۲۶ واں پارہ) (۲۷ واں پارہ)

جلد دوم تفسیر سورۃ القمر تا سورۃ الحدید
(۲۷ واں پارہ)

جلد سوم تفسیر سورۃ مجادلہ تا سورۃ تحریم
(۲۸ واں پارہ مکمل)

جلد چہارم :- تفسیر سورہ ملک تا سورہ المرسلات
(۲۹ واں پارہ مکمل)

جلد پنجم :- تفسیر سورہ نباء تا سورۃ اللیل
(۳۰ واں پارہ)

جلد ششم :- تفسیر سورۃ الضحیٰ تا سورۃ الھمزہ
(۳۰ واں پارہ)

جلد ہفتم :- تفسیر سورۃ تا سورۃ الناس
(۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصہ :- مقدمہ، تفسیر سورۃ فاتحہ، سورہ البقر کی ابتدائی (۳۶) آیتوں کی تفسیر

بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
۳ جولائی ۱۹۹۲ء
بروز جمعہ

حق تعالیٰ ان تمام حضرات کو جنہوں نے اس سلسلے میں کوشش کیں ہیں جزائے خیر عطاء فرمائیں اور خوش رکھیں۔

میری خاص دعائیں برادر طریقت مولوی سید علی حسینی مرحوم و مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سلمہ کے لئے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش رکھیں اور اُن کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب امت کیلئے کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں! اسے قبول کریں۔

آمین

والحمد للہ رب العالمین

مولانا
حبیب محمد عمر حسینی قادری
مدظلہ العالی

قادری چمن، حیدر آباد

کلامِ صوفیہ

کلام صوفیہ جو قرآن میں ہے۔ وہ اشارات اُن باریکیوں کے طرف ہیں جو سالکوں کیلئے کشف ہوتے ہیں اور ظاہر معنی سے اسکی تطبیق ممکن ہوتی ہے اور یہ کمالِ ایمان اور محض عرفان ہے۔ اور جو شخص یہ اعتقاد کرے کہ ظاہر معنی ہرگز نہیں اور صاف باطنی معنی ہی مقصود ہیں تو یہ اُن ملحدون کا اعتقاد ہے۔ جو شریعت کی بالکل نفی کرتے ہیں۔ صوفیۂ کرام کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ احکامِ تفسیر ظاہر کو حاصل کر کے اسرارِ قرآنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ ورنہ بغیر دروازے میں داخل ہوئے گھر کے اندر پہونچنا ممکن نہیں۔

مقدمہ تفسیر قادری ص ۱۱، ص ۱۲

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر و تاویل میں جو فرق ہے اسمیں اختلاف ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور ماتریدی نے فرمایا کہ تفسیر قطعی طور سے ظاہر کرنا ہے۔ کہ اللہ کی مراد یہی ہے۔ اور تاویل احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو غیر قطعی طور پر ترجیح دینا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جو روایت کے متعلق ہو وہ تفسیر ہے۔ اور جو روایت کے متعلق ہو وہ تاویل ہے۔ اور بعض نے اس کے سوا کچھ اور کہا۔ لیکن اب عرف میں تاویل اس اشارۂ قدسیہ اور معارفِ سبحانیہ کو کہتے ہیں کہ جو سالکین کیلئے پردہ عبارات سے منکشف ہو اور قلوبِ عارفین پر ابرِ غیب سے باراں ہو۔ اور تفسیر اس کے سوائے ہے۔

مقدمہ تفسیر قادری ص ۱۳

اہلبیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم

اگر اہل بیت نجات کی کشتی ہیں تو صحابہ آسمانِ ہدایت کے تارے ہیں۔ جیسے بحرِ سلوک سے پار ہونا ہو تو اس کشتی میں سوار ہو کر اُن تاروں سے راہ کی معرفت حاصل کر کے ساحلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ کشتی بغیر تاروں کے اور تارے بے کشتی کے نافع نہیں اگر اس راہ کو جلد طئے کرنا منظور ہو تو پیران کبار و اولیاءِ عظام کی توجہ بھی ضرور ہے۔

مور مسکیں ہوس داشت کہ در کعبہ رسد ⁂ دست در پای کبوتر زد و ناگاہ رسید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری المعروف تفسیرِ کشف القلوب ۱۳۱۹ھ

تفسیر[۷۸]سورہ نباء تا [۹۲]سورہ لیل

از شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۷۔۱۳۸۴ھ

[۷۹]سورۃ نازعات[مکی]

آیات[۴۶] رکوع [۲]

[۸۱]سورۃ التکویر[مکی]

آیتیں[۲۹] ۲۷۹۱

[۸۲]سورہ انفطار[مکی] آیتیں [۱۹]

[۸۳]سورہ تطفیف[مکی] آیتیں[۳۶]

[۸۴] سورہ انشقاق [مکی] آیتیں [۲۵]

[۸۵] سورہ بروج [مکی] آیتیں [۲۲]

[۸۷] سورہ اعلیٰ [مکی] آیتیں[۱۹]

[۸۹]سورہ فجر [مکی] آیتیں [۳۰]

78 Nabaa Makky Aayaath 40

(۷۸)

سورۂ نبأ

(مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس کی چالیس آیتیں ہیں)

سورۂ نبأ کے دوسرے نام اس سورت شریفہ کے یہ نام بھی ہیں: ۔ سورۂ عمّ، سورۂ عمّ یتساءلون، سورۂ تساؤل، اور سورۂ والمعصرات ۔ پہلے دو نام اس کے کلمۂ آغاز کے اعتبار سے ہیں اور تساؤل تو یتساءلون کا مصدر ہی ہے ۔ اور معصرات جس کا بیان آگے آرہا ہے یہ کلمہ پورے قرآن کریم میں صرف یہیں ایک جگہ آیا ہے ۔ چونکہ کسی چیز کا نام محض اس کی شناخت کے لئے رکھا جاتا ہے اور یہ کلمہ پورے قرآن کریم میں کہیں اور جگہ استعمال نہیں فرمایا گیا لہٰذا سورے کو یہ نام دینے سے شناخت کا مقصد اچھی طرح حاصل ہو جاتا ہے ۔ پھر یہ بات تو بیشتر کئی جگہ بتلا دی گئی ہے کہ کسی چیز کے ایک سے زیادہ اسماء ہوں تو یہ اس کے شرف اور عظمت کی دلیل ہے ۔ جب اس سورت شریفہ کے بھی یہ پانچ نام ہیں تو اس سے اس سورے کا شرف ظاہر ہے ۔

ماقبل سے ربط سورۂ ماقبل سے اس کا ربط کئی وجوہ سے ہے ۔ ایک یہ کہ بعث بعد الموت پر اللہ سبحانہ کے قادر ہونے کا بیان، سورۂ ماقبل میں تھا، یہاں بھی دوسرے

اندازمیں ہورہا ہے۔ دوسرا یہ ہر دو سورتوں کے مضامین اور طرزِ بیان ایک دوسرے سے
ملتا جلتا ہے۔ مثلاً سورۂ ماقبل میں الم نہلک الاوّلین' الم نخلقکم من ماء
مهین' الم نجعل الارض کفاتا ارشاد ہوا تھا اور یہاں الم نجعل الارض
مھادا سے اسی بیان کو شروع کرکے چلتا کا سلسلہ آغاز فرمایا گیا ہے۔ پھر سورۂ والمرسلات
میں لای یوم اجلت' لیوم الفصل' وما ادرٰك ما یوم الفصل ارشاد
ہوا تھا اور یہاں ان یوم الفصل کان میقاتا اسی **یوم الفصل کی تفصیل بیان**
فرمائی جا رہی ہے۔ اس کے سوا اور بھی مناسبات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۚ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ۙ الَّذِي هُمْ فِيهِ 78-1
مُخْتَلِفُونَ ۞ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۞ کیا بات پوچھتے 78-2
78-3
ہیں یہ آپس میں اس بڑی خبر سے؛ جس میں وہ مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ ہاں ہاں 78-4
یہ اب جان لیں گے، پھر ہاں ہاں یہ عنقریب جان لیں گے۔ 78-5

طلبہ علوم عربیہ سے خطاب | عَمَّ " دراصل عَنْ مَا تھا یعنی کس چیز سے یا
کس چیز کی بابت؟ کلمۂ مَا موصول بھی ہوتا ہے اور استفہامیہ بھی۔ جب اس حرف جار

سورہ ۷۸ (آیت ۱-۵)

داخل ہوتا ہے تو مَا موصولہ اور مَا استفہامیہ میں فرق کرنے کے لئے مَا استفہامیہ کے آخر کا الف حذف کر کے صرف مَ لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ جیسے لِمَ، بِمَ، فِیمَ وغیرہ۔ لیکن عَنْ مَ میں چونکہ ن اور م قریب المخرج ہیں اس لئے نون کا میم میں ادغام کر دیا گیا۔ اسی طرح مصحف میں بھی یہی طریقہ ملحوظ رہا ہے۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے: عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ۔ یہ لوگ یعنی کفار مکہ کیا بات آپس میں پوچھتے رہتے ہیں؟ یعنی کیا بات ہے کہ کفار کی محفلیں منعقد ہو رہی ہیں، دعوتیں دی جا رہی ہیں، دعوت نامے تقسیم ہو رہے ہیں۔ آدمیوں کو بھیج بھیج کر ایک دوسرے کو بلایا جا رہا ہے۔ آخر بات کیا ہے جو اس قدر اہتمام و انتظام کیا جا رہا ہے؟ ان پر کونسی آفت آئی اور کیا مصیبت درپیش ہوئی اور کونسا آسمان ان پر ٹوٹ پڑا جو ایسی گرم جوشی دکھائی جا رہی ہے؟

عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ۔ اسی زبردست، عظیم الشان خبر اور اسی مہتم بالشان واقعہ کی نسبت یہ پوچھا پاچھی ہو رہی ہے جس کی بابت یہ شروع سے مختلف الرائے ہیں۔

ایک توہم کا جواب اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حقیقت میں باری تعالیٰ شانہ کو کسی سے کچھ دریافت کرنا منظور ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ سے

کوئی چیز مخفی نہیں۔ ان اللہ لا یخفی علیہ شیئ فی الارض ولا فی السماء "اللہ سبحانہ تعالیٰ پر کوئی چیز نہ زمین کی اور نہ آسمان کی پوشیدہ ہے" بلکہ کفار کے یہ اجتماعات جس خبر یا واقعہ پر غور کرنے کے لئے ہو رہے ہیں اس کی اہمیت جتانی مقصود ہے کہ یہ امر مہتم بالشان تو ہے مگر اس میں ان کا اختلاف رائے کیوں ہے؟ اور اس میں کسی خلاف کی گنجائش ہی کہاں ہے؟ اگر ضد اور ہٹ یا تعصب و تنگ نظری کو دل سے نکال دیا جائے اور ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آ سکتی ہے جو بالکل ظاہر ہے۔

نبأ عظیم کی تفسیر اب وہ "نبأ عظیم" یعنی عظیم الشان خبر یا واقعہ کیا ہے اس میں تین اقوال ہیں:—

۱۔ **قیامت** ۔ یعنی مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونا۔ یہ قول قتادہ کا ہے اور یہی جمہور مفسرین کا قول ہے۔ چنانچہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں:—

النبأ العظیم ھو البعث بعد الموت صار الناس فیہ رجلین مصدق و مکذب فاما الموت فاقروا بہ کلھم لمعاینتھم ایاہ واختلفوا فی البعث بعد الموت۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) نبأ عظیم سے مرنے کے بعد جی اٹھنا مراد ہے۔ اس میں ان لوگوں کے دو گروہ ہو گئے۔ کوئی اس کی تصدیق کرنے والا اور کوئی تکذیب کرنے والا۔ رہی موت، اس کا تو سب کو اقرار تھا کیونکہ سب ہی اس کو دیکھتے تھے اور

بعث بعد الموت میں ان کو اختلاف تھا۔" اس میں کفار کے تین گروہ تھے۔ ایک کہتا تھا
کہ یہ امر محال ہے۔ ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر
وما نحن بمبعوثین۔ ہماری اس موجودہ زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں ہے۔
ہم مرتے بھی ہیں اور زندہ بھی رہتے ہیں (ہمارا مارنے اور جلانے والا یہی زمانہ ہے
اور ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔" یہ دہریہ قسم کے لوگ ہیں جو
خدا کے قائل ہی نہیں۔ دوسرا گروہ خدا کا قائل تو ہے اور حساب وکتاب کو بھی مانتا ہے
مگر اس کا یہ زعم باطل ہے کہ بت جن کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں وہ مصیبت کے وقت
اللہ سبحانہ تعالیٰ سے سفارش کر کے ان کو چھڑا لیں گے۔ وہ کہتے تھے:۔ ھٰؤلاء
شفعاؤنا عند اللہ۔ یہ بت اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے۔"
تیسرا گروہ وہ ہے جس کو اس بارے میں شک اور تردد ہے وہ کہتا تھا:۔ ما ندری
ما الساعۃ ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین۔ ہمیں معلوم نہیں کہ قیامت کی
ساعت کی کیا حقیقت ہے ہم کو موہوم سا گمان ہے اور ہم کو اس پر یقین نہیں۔"

دوسری تفسیر ۲۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ "نبأ عظیم" سے قرآن کریم مراد ہے۔ چنانچہ
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ النبأ العظیم قال القرآن۔ (ابن مردویہ) ۔
"نبأ عظیم" قرآن کریم ہے۔" مجاہد بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ تفسیر سورۃ ص کی اس آیۃ کریمۃ

مبنی ہے:۔ قل ھو نبأ عظیم انتم عنه معرضون۔ آپ فرمائے وہ قرآن عظیم الشان خبر ہے تم اس سے روگرداں ہو“ قرآن کریم کی نسبت بھی کفار مختلف باتیں کہا کرتے تھے۔ کوئی کہتا کہ یہ اساطیر الاوّلین ہے یعنی اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں“ لو نشآء لقلنا مثل ھذا۔ اگر ہم چاہیں تو ایسی کہانیاں ہم بھی سنا سکتے ہیں“ کوئی کہتا:۔ ان ھٰذآ الّا اختلاق۔ یہ تو صرف من گھڑت ہے“ کوئی کہتا:۔ انّما یُعلّمهٗ بشرٌ۔ اس قرآن کی تعلیم ان کو ایک شخص روزانہ تھوڑی تھوڑی دیا کرتا ہے“ اگر ایسا نہیں تو لولا نُزّل علیه القرآن جُملة واحدة۔ پورا قرآن یکدم ان پر کیوں نہیں اتار دیا گیا“ غرض ایسی مختلف باتیں قرآن کریم کی نسبت یہ لوگ کہتے تھے۔ ان کے جوابات مذکورہ آیات کریمہ کے ساتھ ساتھ اللہ پاک نے دیدیے ہیں۔

تیسری تفسیر تیسری تفسیر یہ ہے کہ نبأ عظیم سے حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی ذات اقدس مراد ہے۔ یہ اس اعتبار سے کہ آپ کی بعثت شریفہ کی خبر کتب سابقہ میں دی گئی تھی اور صاف وصریح طور پر آپ کی آمد آمد سے اہل کتاب کو مطلع کر دیا گیا تھا جس کا عرصہ سے لوگوں کو انتظار تھا۔ جب آپ اس پیشین گوئی کے مطابق تشریف لائے تو مختلف الرائے ہو گئے۔ کوئی کہتا کہ آپ شاعر ہیں اور کوئی کہتا کہ ساحر ہیں۔ کوئی کہتا کہ کاھن ہیں اور کوئی کہتا کہ دیوانے

کے لئے ہم چند چیزوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان پر سب مل کر اچھی طرح غور کرو اور بتلاؤ کہ یہ کس کی بنائی ہوئی ہیں اور کیوں بنائی ہیں؟ اگر کسی نے نہیں بنائیں تو یہ خود بخود کیسی بن گئیں۔ اور اگر کسی کی بنائی ہوئی ہیں تو ان کا بنانے والا ہمارے سوا اور کون ہے؟ جب یہ ہماری بنائی ہوئی ہیں اور تمھارے جسمانی آرام اور فائدے کیلئے بنائی ہیں جو دو روزہ ہے، تو تمھارے روحانی آرام اور فائدے کا کوئی سامان نہیں کیا ہوگا؟ جس سے تم ابدالآباد آرام پاتے رہو اور ان کے فوائد سے متمتع ہوتے رہو؟ ذرا غور کرو، سوچو اور سمجھو۔ اس سے ہماری توحید، قدرت اور روزِ جزا کی ضرورت ثابت ہوگی۔ اسی طرح ان باتوں کو سمجھانے کے لئے اللہ کی کتاب، اور رسولوں کی بعثت کی ضرورت معلوم ہوجائیگی۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں۔" (۷۸ آیت ۶، ۷)

زمین اور پہاڑوں کی آفرینش

یہ زمین جس پر تم رہتے بستے، چلتے پھرتے، کام کاج کرتے، پھر اس پر بیٹھتے لیٹتے، کروٹیں بدلتے، آرام و سکون حاصل کرتے ہو اور اپنا تکان دفع کرتے ہو اور وہ تمھارے بچھونے کا کام دے رہی ہے۔ یہ کس کی بنائی ہوئی ہے؟ کیا یہ زمین ہم نے نہیں بنائی؟ پھر زمین کو پانی پر رکھا گیا تھا جس کے باعث وہ ہلتی تھی تو ہم نے پہاڑ پیدا کرکے زمین کے اضطراب اور اس کی کپکپی کو دور کر دیا جس کے باعث تم زمین پر سکون سے

کے لئے ہم چند چیزوں کی نشان دہی کرتے ہیں ۔ ان پر سب مل کر اچھی طرح غور کرو
اور بتلاؤ کہ یہ کس کی بنائی ہوئی ہیں اور کیوں بنائی ہیں ؟ اگر کسی نے نہیں بنائیں تو یہ
خود بخود کیسے بن گئیں ۔ اور اگر کسی کی بنائی ہوئی ہیں تو ان کا بنانے والا ہمارے سوا
اور کون ہے ؟ جب یہ ہماری بنائی ہوئی ہیں اور تمھارے جسمانی آرام اور فائدے کیلئے
بنائی ہیں جو دو روزہ ہے تو تمھارے روحانی آرام اور فائدے کا کوئی سامان نہیں کیا ہوگا ؟
جس سے تم ابدالآباد آرام پاتے رہو اور ان کے فوائد سے متمتع ہوتے رہو ؟ ذرا غور کرو سوچو
اور سمجھو ۔ اس سے ہماری توحید، قدرت اور روز جزا کی ضرورت ثابت ہوگی ۔ اسی طرح
ان باتوں کو سمجھانے کے لئے اللہ کی کتاب، اور رسولوں کی بعثت کی ضرورت معلوم ہوجائیگی ۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ کیا ہم نے 78-6
نہیں بنایا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں ۔ 78-7

زمین اور پہاڑوں کی آفرینش | یہ زمین جس پر تم رہتے بستے، چلتے پھرتے، کام کاج
کرتے، پھر اس پر بیٹھتے لیٹتے، کروٹیں بدلتے، آرام و سکون حاصل کرتے ہو اور اپنا تکان دفع
کرتے ہو اور وہ تمھارے بچھونے کا کام دے رہی ہے ۔ یہ کس کی بنائی ہوئی ہے ؟ کیا یہ زمین
ہم نے نہیں بنائی ؟ پھر زمین کو پانی پر رکھا گیا تھا جس کے باعث وہ ہلتی تھی تو ہم نے پہاڑ
پیدا کرکے زمین کے اضطراب اور اس کی کپکپی کو دور کردیا جس کے باعث تم زمین پر سکون سے

رہ سکتے ہوئے یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کفار مکہ خدا کو مانتے تھے۔ منکر خدا اور دہریئے نہ تھے اسی وجہ سے طرز کلام اور طریقۂ خطاب ایسا اختیار فرمایا گیا جو ان کے نزدیک مسلّم اور عام طور پر مشہور و مقبول تھا۔ دہریوں اور منکرین خدا مخاطب نہ تھے ورنہ سلسلہ کلام ان کے لحاظ سے کچھ اور ہی ہوتا۔ کلام الٰہی کی بلاغت اور اس کی بہت بڑی خوبی ایک یہ بھی ہے کہ جس فریق کو مخاطب کیا جائے اسی کے مشہورات و مسلمات سے بحث آغاز کرے تاکہ خطاب کا مقصد بآسانی حاصل ہو۔ اور بات اچھی طرح ذہن نشیں ہو جائے عہ

78-8
وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ وَّجَعَلْنَا 78-9
78-1
اللَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪ اور بنایا ہم نے تم کو جوڑے جوڑے 78-1

عہ حضرت بشرحافی کا واقعہ کہتے ہیں کہ حضرت بشرحافی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن تلاوت فرما رہے تھے جب اس آیہ کریمہ پر پہنچے تو بڑی رقت طاری ہوئی۔ زار و زار رونے لگے۔ بار اس آیہ کریمہ کا اعادہ فرماتے اور توبہ و استغفار کرتے جاتے کہ الٰہی! بشر نے بڑی گستاخی کی اور آج تک گستاخ بنا رہا کہ آپ کے بنائے ہوئے بچھونے پر جوتیاں پہن کر چلتا رہا۔ اس کے بعد سے برہنہ پا چلنے لگے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام حافی (برہنہ پا پھرنے والا) ہوا۔ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو حضرت بشر حافی کی یہ بات پسند آئی پھر عنایت الٰہی یہ ہوئی کہ بشر جس طرف تشریف لیجاتے زمین بالکل پاک صاف کوڑا کرکٹ دور کانٹے وغیرہ نکال دیے جاتے بلکہ غبار تک نہ رہتا تاکہ بشر کے پاؤں آلودہ نہ ہوں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

اور بنایا ہم نے نیند کو تمھاری تھکان دفع کرنے کے لئے، اور بنایا ہم نے رات کو تمھارا پردہ پوش، اور بنایا ہم نے دن کو کمائی کے لئے "۔

ازواجاً کی تفسیر آیۂ کریمہ وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا کے ذریعہ ارشاد ہو رہا ہے کہ نہ صرف ہم نے تم کو پیدا کیا بلکہ تمھارے نر و مادہ جوڑے بنائے۔ کسی کو مرد بنا کر پیدا کیا تو کسی کو عورت، تاکہ ان دونوں کے ازدواج سے ذریت انسانی بڑھتی اور ترقی کرتی رہے اور پھلتی پھولتی جائے۔ اور بسیط زمین نسل انسانی سے آباد رہے۔ ظاہر ہے کہ ترقی اور افزائش کسی اچھی نوع کو دی جاتی ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ کے نزدیک تمھاری کیسی قدر و منزلت ہے اور تم اس کو کس درجہ محبوب و مرغوب ہو۔

کائنات پر انسان کا اقتدار حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ فقالت الملائکۃ یا رب اخلقت خلقا ھو اشد من ھذہ قال الحدید قالوا فخلقت خلقا ھو اشد من الحدید قال النار قالوا فخلقت خلقا ھو اشد من النار قال الماء قالوا فخلقت خلقا ھو اشد من الماء قال الریح قالوا فخلقت خلقا ھو اشد من الریح قال البناء قالوا فخلقت خلقا ھو اشد من البناء قال آدم۔

(ابن المنذر) اللہ سبحانہ نے جب زبردست پہاڑوں کو پیدا کیا تو فرشتوں نے عرض کیا:۔ پروردگار! آپ نے کوئی مخلوق ایسی پیدا کی ہے جو ان سے بھی سخت تر ہو؟ تو فرمایا' ہاں' لوہا پیدا کیا ہے۔ عرض کیا گیا:۔ کیا لوہے سے بھی سخت تر کوئی چیز پیدا کی؟ تو ارشاد ہوا:۔ آگ۔ عرض کیا:۔ کیا آگ سے بھی سخت تر کوئی چیز بنائی؟ ارشاد ہوا کہ پانی۔ عرض کیا:۔ کیا پانی سے بھی سخت تر کوئی چیز بنائی؟ ارشاد ہوا:۔ ہوا۔ عرض کیا:۔ کیا ہوا سے بھی سخت تر کوئی چیز پیدا کی؟ فرمایا عمارات' پھر عرض کیا کہ عمارات سے بھی سخت تر کوئی مخلوق پیدا کی؟ تو فرمایا:۔ "آدم"۔ یہاں غلبہ اور برتری کا اظہار مقصود ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو سب کائنات پر غلبہ حاصل ہے۔ غور کیجئے کہ اللہ سبحانہ نے انسان کو کیا غلبہ اور اقتدار تمام کائنات پر دیا ہے لہذا اس کا شکر ادا کرتے رہنا فرض عبدیت ہے۔

سُبَاتًا کی تفسیر وَجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا۔ اور بنایا ہم نے نیند کو تمہاری تھکان دفع

کرنے کے لئے" انسان دن بھر کام میں لگا رہتا ہے۔ شام ہوتی ہے تو اعضا میں تکان محسوس کرتا ہے۔ حواس اپنے اپنے کام کرتے ہوئے شام کو جواب دیدیتے ہیں۔ تمام قویٰ اور صلاحیتیں کھوئی جاتی ہیں۔ اب آرام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر آرام نہ ملے تو انسان کے بیمار ہوجانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ حکیم علی الاطلاق نے دن بھر کا تکان دفع کرنے کے لئے نیند پیدا کی۔ نیند کیا ہے؟ النوم اخوالموت۔ نیند موت کا بھائی ہے" یعنی موت کے مماثل۔ جس میں حواس مختل اور عقل وفہم معطل ہوجاتی ہے۔ سارے کام کاج چھوٹ جاتے ہیں اور انسان ایک مُردے کی طرح پڑا رہتا ہے مگر یہ نیند بھی اللہ سبحانہ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ رات کے چند گھنٹے آرام لینے کے بعد تمام اعضاء وجوارح کی تھکان دفع ہوتی اور مضمحل شدہ ساری توانائیاں اور صلاحیتیں بحال ہوجاتی ہیں۔ یا تو انسان رات کو عاجز و ناتواں ہوکر درماندہ رہ گیا تھا اور صبح کو اٹھا تو نہایت چاق وچوبند قویٰ توانا پایا جا رہا ہے۔ سوچو کہ نیند بھی کیسی نعمت عظیمہ ہے۔

لِبَاسًا کی تفسیر | وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا۔ اور بنایا ہم نے رات کو تمہاری پردہ پوشی کرنے والی" رات بھی اللہ سبحانہ کی ایک نعمت ہے اور رات کی تاریکی دوسری نعمت۔ انسان کے لئے اگر نور اور روشنی کارآمد ہے تو تاریکی سے وہ بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اسکو تاریکی بھی درکار ہے۔ اس سے سکون واطمینان پیدا ہوتا ہے اور اسی سے انسان کو نیند آتی ہے اور آرام وچین نصیب ہوتا ہے۔ جو کام غور وفکر سے کرنے کے ہوتے ہیں وہ ایسے ہی مواقع کے طالب

ہوتے ہیں۔ دنیادار اگر رات کے اوقات فرصت میں دنیوی کاروبار کے منصوبے بناتے ہیں تو سالکان راہ آخرت اخروی منازل طے کرنے کی فکر میں لگے ہوئے منتظر رہتے ہیں کہ کب رات کی تاریکی آئیگی اور کب وہ مشغول بحق ہوں گے۔ اور اپنا مدعائے قلبی اپنے مالک سے عرض کریں گے۔

ابن عمرؓ کا خواب حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں لوگ اپنے خواب حضور سے بیان کرتے اور تعبیر لیتے تھے مجھے بھی آرزو رہتی کاش میں بھی کوئی خواب دیکھتا اور آپ سے اس کی تعبیر لیتا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ میں نوجوان لڑکا تھا اور مسجد نبویؐ ہی میں سوتا تھا۔ پس میں نے ایک خواب دیکھا:۔ كأنّ ملكين اخذاني فذهبا بي الى النار فاذا هي مطويّة كطيّ البئر واذا لها قرنان واذا فيها اناس قد عرفتهم فجعلت اقول اعوذ بالله من النار قال فلقينا ملك آخر فقال لي لم ترُع فقصصتها على حفصة فقصّتها حفصة على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال نعم الرجل عبد الله لو كان يصلّي من الليل۔ گویا دو فرشتے مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے چلے۔ کنویں کی طرح اس کی بندش پختہ تھی اور اس کے دو جانب تھے۔ اس میں میری جان پہچان کے لوگ بھی تھے۔ میں کہنا شروع کیا:۔ اعوذ باللہ من النار میں دوزخ سے اللہ کی پناہ ڈھونڈتا ہوں۔" پھر ہم کو ایک اور فرشتہ ملا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ میں نے یہ خواب (اپنی ہمشیرہ ام المومنین) حفصہؓ سے بیان کیا اور حفصہؓ نے

اس کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ عبد اللہ اچھا آدمی ہے کاش وہ رات کو کچھ نماز پڑھ لیا کرتا" راوی کہتے ہیں:۔ وکان بعد لاینام من اللیل الا قلیلا۔ پھر ابن عمرؓ اس کے بعد راتوں کو کچھ ہی سویا کرتے تھے" اکثر حصہ نماز ہی میں بسر ہوتا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مَعَاشًا کی تفسیر | وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ اور بنایا ہم نے دن روزی کمانے کیلئے"

اہل ہیئت کے نزدیک دن کا آغاز طلوع آفتاب سے ہوتا ہے اسی بنا پر ان کا مشہور مسلمہ مقولہ ہے کہ اذا کانت الشمس طالعۃ فالنھار موجود۔ جب آفتاب طلوع کرے تو دن موجود ہوگا" لیکن شرع شریف کی اصطلاح میں طلوع صبح صادق ہی سے دن کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ دار صبح صادق کے نکلنے سے پیشتر ہی سحری ختم کر دیتے ہیں۔ کیونکہ دن تمام ان کو روزہ رکھنا ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی دن ہیئت داں لوگوں کے دن سے تقریباً ($\frac{1}{4}$) حصہ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ مسلمان کی روزی دو طرح کی ہے' ایک وہ جس کا تعلق حیات دنیا سے ہے۔ دوسری وہ جو حیات اخروی میں کار آمد ہو۔ اقوام عالم پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ تمام قومیں نیند سے اٹھتی ہیں تو وہ فکر معاش میں لگ جاتی ہیں۔ اگر کوئی قوم اپنے طریقہ کے موافق عبادت کرتی بھی ہے تو ان کی عبادت کا حقیقی وقت طلوع آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے مگر مسلمان کہ طلوع صبح صادق کے ساتھ ہی دعوت نماز دیتا اور عبادت الٰہی میں مشغول و

موظف ہوجاتا ہے۔

علی الصباح کہ مردم بکار و بار روند — بلاکشان محبت بکوئے یار روند

مسلمان کو حیات دنیا سے اتنی دلچسپی نہیں جتنی کہ حیات اخروی سے دل بستگی ہے وہ پہلے حیات اخروی کا سامان کرے گا پھر کہیں تلاش معاش میں مشغول ہوگا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ۔ "الٰہی کوئی زندگی ومعیشت نہیں سوائے معیشت آخرت کے۔" دنیوی زندگی دو روزہ اور فانی، اور حیات اخروی پائندہ اور باقی۔ فانی کو باقی پر ترجیح نہیں ہوسکتی۔ غور کرو کہ دن بھی اللہ سبحانہ کی کیسی نعمت عظمیٰ ہے؟

معاشاً کی دوسری تفسیر حضرت مجاہد اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

یبتغون من فضل اللہ (فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) "اللہ سبحانہ کے فضل کی تلاش کرتے ہیں۔" فضل اللہ عام ہے۔ اس سے ذرائع معاش بھی مراد ہوسکتے ہیں، اور طلب علم و عرفان یا تحصیل کمال و ہنر وغیرہ بھی۔ بہر حال زندگی کے جو جو کام انسان انجام دیتا ہے سبھی اس میں داخل ہیں۔ خواہ ان کا تعلق حیات دنیا سے ہو یا حیات آخرت سے۔

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا 78-1
78-1

(۷۸ (۱۲، ۱۳))

وَّهَّاجًا ۝ۙ اور ہمیں نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہمیں نے ایک روشن چراغ بنایا“

یعنی تم سے اوپر ہم نے سات بلندیاں بنائیں۔ اس سے سات آسمان مراد ہیں جو نہایت مضبوط ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے اب تک کتنے ہی حوادث رونما ہوئے اور کتنے ہی سال گزرے مگر ان میں اب تک نہ کوئی شگاف یا رخنہ پڑا اور نہ بوسیدگی اور کہنگی کے آثار نمایاں ہوئے جس حالت پر پیدا ہوئے تھے اس پر برابر قائم و برقرار ہیں۔ جہاں کہیں سے دیکھو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے ستون کا نہایت رفیع الشان گنبد کھڑا ہوا ہے۔ پھر ایسے عالیشان گنبد کی مناسبت کے لحاظ سے اس میں ایک چراغ روشن کیا یعنی آفتاب کہ اس کی چمکتی اور جگمگاتی روشنی سے چار دانگ عالم منور بھی ہے اور حرارت بھی حاصل کر رہا ہے۔ اس روشنی اور حرارت سے اہل عالم کو ان گنت فوائد اور منافع حاصل ہیں۔ یہ گنبد اور یہ چراغ باوصفیکہ تم سے اتنی مسافت بعیدہ پر ہے

ے وَهَّاجًا۔ الوهج حصول الضوء والحرّ من النار والوهجان كذلك وقوله وجعلنا سراجا وهاجا اى مضيئا وقد وهجت النار توهج ووهج يهج ويوهج وتوهّج الجوهر تلألأ۔ (مفردات) آگ سے روشنی اور گرمی کے حاصل ہونے کو وہج کہتے ہیں۔ وہجان کے بھی یہی معنی ہیں۔ ارشاد باری وجعلنا سراجا وھاجا کے معنی ہیں ہم نے بنایا ایک چراغ زبردست روشنی اور حرارت دینے والا۔ محاورہ عرب ہے: وهجت النار۔ آگ نے روشنی اور حرارت پہنچائی“ اس کا مضارع یہج اور یوہج دونوں آتے ہیں۔ توهّج الجوهر اس وقت کہتے ہیں جب کہ گوہر جگمگانے لگے“

لیکن ان کے بے شمار فوائد اور منافع ہر آن و ہر لحظہ تمھیں پہنچ رہے ہیں سبحانہ ما اعظم شانہ ۔

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۙ 78-1

78-1

وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ؕ اور ہمیں نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا تاکہ ہم نکالیں 78-1

اس سے اناج اور سبزہ، اور باغات گھنے "

معصرات کی تفسیر | مفسرین کرام میں کسی نے "معصرات" سے ابر مراد لیا ہے جس کے نچوڑے جانے سے پانی برستا ہے یعنی ابر کا ایک حصہ دوسرے کو دباتا ہے تو ابر دب کر پانی برسنا شروع ہو جاتا ہے ۔ اور کسی نے ہوا مراد لی ہے جس کے دباؤ سے ابر نچوڑا جاتا ہے اور بارش ہوتی ہے ۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں : ۔ وانزلنا من المعصرات قال من السماء وبعضهم یقول من الریح ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، خرائطی) معصرات سے مراد آسمان (ابر) ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہوا مراد ہے "

عہ ثجاجاً ۔ ای منصبّا بکثرۃ والمراد تتابع القطر حتی یکثر الماء فیعظم النفع بہ یقال ثجّ الماء ای سال بکثرۃ وانصب ۔ وثجّہ غیرہ ای اسالہ وصبہ ۔ فھو لازم و متعد و من الثانی قولہ علیہ الصلاۃ والسلام افضل الحج العجّ والثجّ ای رفع الصوت بالتلبیۃ وصبّ دماء الھدی ۔ (روح البیان) ثجّاجاً کے معنی ہیں کثرت سے بہایا ہوا ۔ اس سے لگاتار موسلا دھار برسنا مراد ہے تاکہ پانی زیادہ ہو اور اس سے نفع عظیم پہنچے ۔ محاورۂ عربیہ ہے : ۔ ثجّ الماءُ یعنی پانی کثرت سے برسا اور بہہ گیا ۔ اور ثجّہ غیرہ اس وقت کہتے ہیں جب کہ کسی اور نے بہایا ہو ۔ بہرحال ثجّ فعل ماضی لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے ۔ (قرآن کریم میں بہا کثرت سے بہایا ہوا پانی مراد ہے گویا یہ فعل متعدی ہے) اور حدیث شریف افضل الحج العجّ والثجّ میں بھی فعل متعدی مراد ہے یعنی تلبیہ بآواز بلند پڑھنا اور قربانی کا خون بہانا "

قوم سے خطاب بہرحال ارشاد ہو رہا ہے کہ ہماری مہربانی دیکھو کہ اوپر کی سمت سے ہم تے پانی کے ریلے بہا دئے تاکہ پانی کے اس بہاؤ سے زمین میں طرح طرح کے غلے، اور قسم قسم کے نباتات سبزہ ترکاریاں پیدا کریں اور باغات سرسبز ہوں جن سے پھل، میوے، خوشبودار پھول پیدا ہوں۔ پانی کا اس طرح برسانا، اور زمین سے اس طرح مختلف النوع مفید اشیا کا پیدا کرنا جب ہمارے اور صرف ہمارے قبضۂ قدرت اور حیطۂ اقتدار میں ہے تو اس سے ذاتِ باری تعالیٰ کی توحید ثابت ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ زمین سے مردوں کو زندہ کرکے اٹھانا درحالیکہ انسان مٹی ہی سے بنا تھا ہمارے لئے کونسی مشکل بات ہے؟

قیامت کی ضرورت قیامت میں انسان کو دوبارہ اٹھانا اس لئے ضروری ہے کہ دنیا میں اس نے جو کام کئے تھے اس سے اس کا حساب لیا جائے۔ نیز اس کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے۔ اگر حساب وکتاب اور عذاب وثواب نہ ہو تو کائنات کی تخلیق کا کوئی مقصد ہی نہ ہوگا۔ تمام کائنات تو انسان کے لئے بنائی گئی اور انسان کی آفرینش کا کوئی مقصد صحیح نہ ہو تو انسان بلکہ ساری کائنات کی آفرینش عبث، بےکار اور مہمل ہوگی۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ حکیم علی الاطلاق ہے اور حکیم کا کوئی فعل، حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ مگر تمھاری اس تقریر سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ سب کچھ نظام کائنات لغو اور عبث ہے۔ ذرا غور کرو کہ یہ کیسی نکمی بات ہوگی؟

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۙ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ 78-17 78-18

أَفْوَاجًا ۙ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۙ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ 78-19 78-20

فَكَانَتْ سَرَابًا ۚ بے شک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہرا ہوا' جس دن پھونکا جائیگا

صور' تو تم چلے آؤ گے فوجوں کی فوجیں' اور کھول دیے جائیں گے آسمان تو ہو جائیں گے

دروازے ہی دروازے' اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتی ہوئی ریت ۔

یوم الفصل کیا ہے؟ یوم الفصل کیا ہے؟ فیصلے کا دن ہے جس میں حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر مستحق کو اس کا حق دلا دیا جائے گا' یا وہ دن جس میں مومن اور کافر سعید و شقی اور نیک و بد کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے گا اور ہر ایک کو دوسرے کے الگ کھڑا کیا جائے گا پھر ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر پہنچا دیا جائے گا جو اللہ سبحانہ کے علم ازلی میں مقرر و متعین ہے ۔ نہ کسی کے جلدی کرنے سے وہ جلد آسکتا ہے اور نہ کسی کے پیچھے ہٹا دینے کی درخواست پر وہ پیچھے ہٹایا جا سکتا ہے' خواہ کوئی اس کو مانتا ہو یا سرے سے انکار کرتا ہو اس کا اپنے وقت پر ظہور ایک اٹل فیصلہ ہے ۔

یوم الفصل کی ضرورت یوم الفصل کی ضرورت اس وجہ سے بھی ہے کہ دنیا کی زندگی ملی جلی تھی ۔ یہاں مومن و کافر' سعید و شقی' اور نیک و بد سب کے سب زمین پر ایک ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ۔ چاند سورج' ہوا بادل' لیل و نہار سے یکساں فائدہ اٹھا رہے تھے ۔

اللہ سبحانہ نے دنیا میں جو جو نعمتیں پیدا کی تھیں ان سے سبھی متمتع ہوتے تھے۔ درحالیکہ ان کا اعتقاد و عمل، اخلاق و کردار، مختلف تھا۔ چونکہ حیات دنیا انسان کے حق میں امتحان گاہ تھی اس لئے یہاں ایسی ہی ملی جلی، مشترک زندگی مناسب حال تھی۔ لیکن حیات اخروی جو نتائج کے ظاہر ہونے کا مقام ہے اور حیات دنیا کی جزا ملنے کی جگہ ہے اس لئے ضرور ہے کہ دار آخرت میں ہر ایک کا مقام جدا جدا تجویز کیا جائے۔ اور ہر ایک کو اس کے مستحقہ مقام پر پہنچا دیا جائے تاکہ ہر ایک اپنے عقیدے و عمل اور اخلاق و کردار کے نتائج دیکھ لے اور اپنے کئے کا بدلہ پا تا رہے۔ نیک ہو تو نیک اور بد ہو تو بد۔

ظہور یوم الفصل کی نشانی اس یوم الفصل کا ظہور اس وقت ہوگا یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ۔ جس دن نورانی صور پھونکا جائے گا۔ جس کو حضرت اسرافیل لئے ہوئے امر ربانی کے منتظر ہیں کہ اب حکم ہوتا ہے یا جب؟ یہ نفخۂ ثانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ نفخۂ اولیٰ میں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اور اسی حالت میں چالیس سال گزر جائیں گے یا جتنی مدت اللہ سبحانہ تعالیٰ کو منظور رہو۔ اور اس وقت کہا جائے گا جب کہ سب فنا ہو جائیں گے لمن الملك اليوم۔ آج کس کی بادشاہت اور حکومت ہے؟ اس سوال کا جواب دینے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ خدائے بزرگ و برتر خود ہی اس کا جواب ارشاد فرمائے گا۔ لله الواحد القهار۔ آج صرف اللہ سبحانہ کی بادشاہت اور حکومت ہے جس کا قہر

سب پر غالب ہے ''۔ ساری کائنات اس کے حکم کے آگے عاجز اور مقہور ہے ۔ کہاں ہیں آج
جو شاہ و شہنشاہ، راجہ مہاراجہ کہلاتے تھے اور جن کے نام کے ڈنکے پیٹے جاتے تھے ۔ سب زمین کے
نیچے، بے کسی و بے بسی کے عالم میں دبے پڑے ہیں ۔ یہ تو نفخۂ اولیٰ تھا ۔ نفخۂ ثانیہ کا بیان
آگے آرہا ہے ۔

نفخۂ ثانیہ کا بیان پھر جس دن دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا
تو تم سب کے سب (اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر) فوجوں کی فوجیں بنے چلے آئیں گے ''۔ کوئی
متنفس باقی نہ رہے گا جس پر اس پھونک کا اثر نہ ہوا ہو ۔ جیسے فوجوں میں بگل ہوتی ہے تو
تمام فوجیں، اپنے اپنے گھروں سے نکل کر میدان میں کھڑی ہو جاتی ہیں اسی طرح تمام انسان
از آدم تا ایں دم جتنے تھے سب کے سب میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے ۔ گویا یہ نفخۂ ثانیہ
ایک علامت ہے قبور سے اٹھنے اور میدان محشر میں جمع ہونے کی ۔ اب تمام لوگوں کو معلوم
ہو جائے گا بلکہ بچشم خود ہر ایک کو مشاہدہ ہو جائے گا کہ قیامت کے بارے میں اللہ کی
کتابوں میں جو کچھ لکھا تھا ۔ اور پیغمبروں نے اس کی خبر پیش از پیش دی تھی جس کی بابت
بعض لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا تھے آج وہ پیشین گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہو کر رہیں
نیز جو مبارک ہستیاں اس کی تصدیق کرتی تھیں ان کی تصدیق دنیا کی زندگی کی حد تک
علم الیقین کے درجہ میں تھیں اب ان کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہوگا ۔ وہ بھی قیامت کا سماں

اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ منکرین تو دوبارہ زندہ ہوکر حیران و پریشان رہ جائیں گے لیکن مصدقین مسرت کے مارے پھولوں نہ سمائیں گے کہ آج ہمارے کئے کا ثمرہ ملنے کا وقت آ گیا۔

یوم الفصل کی دوسری نشانی دوسری نشانی یوم الفصل کے آنے کی یہ ہوگی:۔

وَ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا۔ اور کھول دئے جائیں گے آسمان، پھر ہو جائیں گے دروازے ہی دروازے۔" کفار قریش تو صرف قیامت کے منکر تھے۔ اور یہ انکار بھی محض ان کے جہل و نادانی اور سطحی معلومات کی بنا پر تھا۔ بایں ہمہ ان کو سماوات کا انکار نہ تھا مگر بعض حکما و فلاسفہ وغیرہ مدعیان عقل و دانش بعد کو ایسے پیدا ہوئے جن کو اجرام فلکی کے وجود ہی کا انکار ہے۔ لیکن سماوات کے نہ ہونے پر اب تک کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ ایسا دعویٰ بلا دلیل ان دانشمندوں ہی کو مبارک ہو ہم مسلمانوں کے لئے قرآن کریم اور احادیث شریفہ کافی ہیں۔ چنانچہ حدیث معراج میں بار بار ارشاد نبوی ہے:۔ فلما جئت الی السماء الدنیا قال جبرئیل علیہ السلام لخازن السماء افتح ..... فلما فتح علونا السماء الدنیا ..... حتیٰ عرج بی الی السماء الثانیۃ فقال لخازنھا افتح .... ففتح (بخاری عن انسؓ) جب میں قریب تر آسمان تک آیا تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے خازن سے کہا کہ دروازہ کھول دو۔ جب وہ کھول دیا گیا تو ہم قریب تر آسمان پر چڑھ گئے پھر مجھے دوسرے آسمان تک چڑھایا گیا۔ (وہاں بھی جبرئیلؑ نے) اس کے خازن سے کہا کہ

کھولو۔ چنانچہ کھول دیا گیا"۔ اسی طرح ہر آسمان تک پہنچنے کے بعد جبرئیل دروازہ کھلاتے گئے اور آپ کے کہنے پر ایک ایک دروازہ کھلتا گیا۔

آسمان کے دروازوں کا ثبوت اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں کے دروازے ہیں جو حکم الٰہی سے کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں۔ اس بست وکشاد میں اللہ سبحانہ کی کیا حکمتیں ہیں وہی جانے۔ اب یہاں ارشاد باری ہو رہا ہے کہ جب قیامت قریب ہوگی تو آسمان پھٹ جائیں گے اور اس میں دروازے اور دروازے ہی ہو جائیں گے۔ آسمانوں کے شق ہونے اور پھٹ جانے کا بیان قرآن کریم میں کئی جگہ بصراحت وارد ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب قریب قیامت میں انشقاق وانفطار سماوات کا وقت آچکا ہو یا آسمانوں کے دروازے کھول دئے گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

نو ایجادات سے قرآن و حدیث کی تصدیق رہا یہ امر کہ فی زماننا چاند وغیرہ میں راکٹ چھوڑے جا رہے ہیں اور وہاں انسان اپنی مصنوعات کی مدد سے پہنچنا چاہتا ہے جیسا کہ ان دنوں بڑی بڑی سلطنتیں اسی تگ و دو میں لگی ہوئی ہیں۔ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو جائیں تو خدا اور رسول کے ارشادات اپنی جگہ اٹل ہیں۔ اکتشافات جدیدہ سے ایک ایک امر کی تصدیق ہی ہوتی جائے گی۔ جیسا کہ اب تک ایک ایک ایجاد سے تصدیق ہوتی رہی ہے۔ جسم عنصری کے ساتھ عالم بیداری میں آسمانوں پر پہنچنے کا اب تک جو انکار ہو رہا تھا

اب اس کا امکان ثابت ہو جائے گا اور واقعہ معراج کی تصدیق منکرین کو بھی کرنی پڑے گی۔ اسی طرح انسان کا آن واحد میں اتنی طویل مسافت کو طے کرنا جو زمانہ سابق میں مستبعد خیال کیا جاتا تھا اب محسوس و مشاہد ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک موقع پر جاہلی شاعر طرفہ بن عبد کا یہ شعر کسی کلمہ کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ تمثیلاً پڑھ سنایا تھا اس میں ان ہی پیش آنیوالے واقعات کی طرف اشارہ ہے :-

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلاً ویأتیک بالاخبار من لم تزود

زمانہ عنقریب تم پر ایسی ایسی چیزیں ظاہر کر دیگا جن کو تم نہیں جانتے اور تمھارے ہاں ایک ایک شخص زمانے کی ایسی خبریں لائیگا جس کے لئے تم نے زادراہ مہیا نہیں کیا اور نہ اس کے لئے کوئی میعاد مقرر کی ۔"

بہرحال دیکھتے جائیے کیا کیا چیزیں زمانہ دکھاتا ہے مگر کوئی چیز فرمودۂ خدا اور رسول کے خلاف نہیں ہو سکتی ۔ مجال سخن دراز ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ۔ اسی آیۂ کریمہ میں جواب موجود ہے ۔

پہاڑوں کی روانی یوم الفصل کی نشانی

وَسُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۔ اور چلائے جائیں گے پہاڑ تو ہو جائیں گے چمکتی ریت ۔" تیسری نشانی یوم الفصل کے آجانے کی یہ ہوگی کہ روئے زمین کے پہاڑ چور چور ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے جائیں گے ۔ اس وقت وہ پہاڑ ایسے دکھائی دیں گے جیسے سراب ہوتا ہے یعنی چمکتی ہوئی

ریت کہ دور سے دیکھو تو پانی ہی پانی نظر آنے لگتا ہے اگر کوئی پیاسا وہاں جاکر خود کو سیراب کرنا چاہے تو پانی کا پتہ تک نہیں ۔ اسی طرح یہ پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہونے کے بعد روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اُڑتے دکھائی دیں گے ۔ کوئی خیال کرے کہ یہ بڑے بڑے پہاڑ کیسے اڑ رہے ہیں مگر وہ حقیقت میں اب پہاڑ نہیں رہے ان کی سختی اور ان کا ثقل سب دفع ہو چکا ہے صرف ان کی شکل باقی رہ گئی ہے ۔ دیکھنے کو تو پہاڑ نظر آتے ہیں لیکن اب وہ روئی کے گالوں کی طرح ہو چکے ہیں ۔ ارشاد باری ہے :۔ وتکون الجبال کالعهن المنفوش ۔ اور ہو جائیں گے پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ۔"

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ 78-21 78-22
فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ بے شک دوزخ ہے تاک میں سرکشوں کا ٹھکانا ' رہا کریں اس میں 78-23
قرنوں ۔"

جہنم سرکشوں کا ٹھکانا طاغین (سر چڑھنے والے) یہاں تو احکام خدا و رسول سے طغیان (سرکشی) کر رہے ہیں مگر ارشاد باری ہو رہا ہے کہ جہنم ان کی تاک میں ہے ۔ کب قیامت ہوگی اور کب یہ سرکش اس میں جھونکے جائیں گے ان کا ٹھکانا دار آخرت میں اسی جہنم کو بنایا گیا ہے جس میں احقاب (قرنہا قرن) گزرتے جائیں گے اور یہ سرکش اس کے عذاب میں گرفتار رہیں گے خلاصی اور چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی ۔

ابدالآباد اس میں رہنا ہوگا۔

احقاباً کی تفسیر احقاب جمع ہے حقب کی۔ حضرت سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں:۔ سال علیؓ ابن ابی طالب هلال الهجری ما تجدون الحقب فی کتاب الله قال نجده ثمانین سنة کل سنة منها اثنا عشر شهرا کل شهر ثلاثون یوما کل یوم الف سنة۔ (عبدالرزاق، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ہلال ہجری سے (جو علمائے اہل کتاب سے تھے) دریافت فرمایا کہ ایک ایک حقب کی درازی تم کتاب اللہ میں کتنی پاتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہی پاتے ہیں کہ اسّی سال کا ایک حقب ہوتا ہے ہر سال کے بارہ مہینے، اور ہر مہینہ تیس دن کا، اور ہر دن، ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔" گویا اس حساب سے دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حقب ہوگا۔ اور ایسے کتنے احقاب ان کو دوزخ میں گزارنے ہوں گے ان کی کوئی گنتی نہیں۔

احقاباً سے نامتناہی مدت مراد ہے چنانچہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ الاحقاب مالا انقطاع له کلما مضیٰ حقب جاء بعده حقب آخر قال وذکر لنا ان الحقب ثمانون سنة من سنی یوم القیامة۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) احقاب ایسی مدت ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی جہاں ایک حقب ختم ہوا تو دوسرا

حقب اس کے بعد آیا۔" استاد جلیل کہتے ہیں :۔

زمانہ ہے کہ گزرا جا رہا ہے — یہ دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے

حضرت قتادہ نے یہ بھی فرمایا' ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک حقب اسّی سال کا ہوتا ہے' قیامت کے برسوں کے حساب سے۔" یہ اشارہ ہے ارشاد باری تعالیٰ کی طرف انّ یوما عند ربّك كالف سنة مّمّا تعدّون۔ "تمھارے پروردگار کے پاس کا ایک دن' تمھاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔" اسی کے قریب قریب اور بھی روایات ہیں۔ جب سرکشوں کو ابدالآباد جہنم میں پڑے رہنے کی سزا مقرر ہے تو آج اس دنیا میں ان کے لئے لمحۂ غور و فکر ہے۔

78-24
لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝ 78-25
جَزَاءً وِفَاقًا ۝ "نہ چکھیں وہاں کچھ مزہ ٹھنڈک کا اور نہ پینا ملے کچھ' مگر کھولتا پانی 78-26
اور بہتی پیپ' بدلا ٹھیک ٹھیک۔"

دوزخیوں کی خوراک تقریر بالا سننے کے بعد کہ سرکشوں کو جہنم میں کبھی ختم نہ ہونے والی مدت گزارنی ہوگی۔ یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آخر وہ وہاں کیا کھاتے پیتے رہیں گے؟ اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے کہ جہنم کی دہکتی آگ میں ان کو کسی قسم کی ٹھنڈک تو کجا محض چکھنے کے لئے اس کا ذائقہ اور مزہ تک نہیں ملے گا اور نہ پینے کو

کچھ دیا جائے گا۔ اگر پیاس کی شدت اور آگ کی تپش اور سوزش سے پانی کے لئے فریاد کریں گے اور واویلا مچائیں گے تو دوزخ کا کھولتا پانی ان کو دیا جائیگا۔ اور دوزخیوں کے جسم پر جو آبلے اور پھوڑے ہوں گے ان کی بہتی ہوئی پیپ اور ریزش ملیگی۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ ایسی سخت سزا ان کو کیوں دیجائے گی تو جواب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ بدلا ہے برابر کا۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

غساقاً کی تفسیر حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمیماً وغساقاً کی تفسیر میں ارشاد فرمایا۔ حَمِیماً قال قد انتھیٰ حرہ وغساقاً قال لقد انتھیٰ بردہ وان الرجل اذا ادنی الاناء من فیہ سقط فروۃ وجھہ حتیٰ یبقیٰ عظاماً تقعقع۔ (ابن مردویہ) حمیم کی کیفیت یہ بیان فرمائی کہ اس کی حرارت (گرمی) انتہا کو پہنچی ہوئی، اسی طرح غساق کی نسبت یہ فرمایا کہ اسکی ٹھنڈک بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوگی۔ جب کوئی شخص اس حمیم یا غساق کو برتن میں لے کر اپنے منہ کے قریب لیجائے گا تو اس کے اثر سے اس کے منہ کی کھال، بال، جلد، گوشت، سب کچھ گر جائیگا صرف چہرے کی ہڈیاں، کھڑکھڑاتی رہ جائینگی۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

برداً کی دوسری تفسیر حضرت مُرّہ (جو بظاہر امام تفسیر حضرت سعید بن جبیر کے شاگرد اور تابعین سے ہیں) فرماتے ہیں:۔ لا یذوقون فیھا برداً قال نوماً۔ (ابن المنذر)

سرکش (کافر) جہنم میں ٹھنڈک کا مزہ تک نہ چکھ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں ٹھنڈک سے نوم (نیند) مراد ہے" یعنی ان سرکش کافروں کو دوزخ میں کبھی نیند تک نہ آئیگی۔ اس وجہ سے کہ نیند چاہتی ہے خنکی اور سکون کو۔ اور کافروں کو دوزخ میں خنکی کی ٹھنڈک بھی نصیب نہ ہوگی۔ وہاں تو رات دن تپش اور سوزش سے سابقہ ہے۔ ایسی حالت میں خنکی کا کیا ذکر اور جب تک دماغ میں خنکی نہ ہو آرام و سکون کا گزر کہاں۔ اس پر بھی اہل دوزخ ٹھنڈک چاہیں تو غساق سے ان کی ضیافت کی جائے گی جس کی ایک تفسیر دوزخیوں کے آبلوں کے پانی اور ان کے پھوڑوں کی ریزش اور پیپ سے اور دوسری تفسیر زمہریر سے کی گئی ہے جو نار دوزخ سے زیادہ رنج دہ اور مہلک سردی ہے۔ اللھم احفظنا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۙ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ 78-27 78-28

بے شک وہ امید نہ رکھتے تھے حساب لیا جانے کی' اور جھٹلاتے رہے ہماری آیات کو ٹھکرا کر"

سزائے مذکور کی علت ایسی سخت اور دائمی سزا کی علت بیان فرمائی جا رہی ہے۔ یعنی ایسی سزا اور دائمی عذاب اس بنا پر ہے کہ ان کفار کو یوم الحساب کا یقین ہی نہ تھا۔ ہر چند کہ پیغمبروں کی زبانی اور کتاب اللہ کے ذریعہ مختلف پیرایوں سے دلائل و براہین کے ساتھ مثالیں دے دے کر سمجھایا جاتا رہا اور مختلف آیات سنائی جاتی رہیں مگر ان کو کسی بات پر یقین ہی نہ تھا نہ وہ ہمارے پیغمبروں کو پیغمبر سمجھتے تھے اور نہ ہماری آیات کو ہمارا کلام اور ہمارے احکام تسلیم

کرتے تھے۔ ان کو اس کی توقع ہی نہ تھی کہ ایک دن دنیا کی اس زندگی کے کاموں کا ہم کو حساب تبلانا ہے۔ جو آیت بتائی جاتی اس کو وہ جھٹلاتے ہی رہے بس ایسے لوگوں کی یہی سزا ہے جو اوپر سنائی گئی۔

29-30 وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ كِتَٰبًا ۝ فَذُوقُوا۟ فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا
عَذَابًا ۝ اور ہر چیز گن رکھی ہے ہم نے لکھ کر اب چکھو کہ ہم نہ بڑھاتے جائیں گے تم پر مگر عذاب۔"

۲۷ (۳۰، ۲۹ – ۳۰) ربع

ہر چیز لکھی ہوئی ہے
ہر ایک کا بدلہ ملیگا

ہماری کتاب کی آیتیں اور پیغمبروں کی تقریریں جو تم کو دنیا میں وقتاً فوقتاً سنائی جاتی رہیں اور قدرت کے نشان جو تم کو بتائے جاتے رہے اور اس کے جواب میں تمہارا اعراض وانکار استہزاو تمسخر اور جو جو برا عمل تمہاری طرف سے ہوتا رہا ان تمام چیزوں کو کتاب اعمال میں ہم روز ازل ہی میں لکھ چکے جن کی گنتی اور تفصیل ہمارے ہاں محفوظ ہے۔ اس سے درگز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایک کرکے تمام اعمال کی سزا دی جائے گی اب اس کا مزہ چکھتے جاؤ۔ کوئی عذر خواہی اب مفید نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی چیز ہم کو اس ارادے سے باز رکھ سکتی ہے جیسا جیسا وقت گزرتا جائیگا تم پر عذاب میں اضافہ اور زیادتی ہی ہوتی جائیگی۔ جس طرح تم ہمارے پیغمبروں کی دل آزاری روز ایک نت نئے طریقے سے کرتے آئے۔

قرآن کریم کی سخت ترین آیت حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:۔ ما انزلت علی اهل النار آیة قط اشد منها فذوقوا فلن نزیدکم الا عذابا فهم فی مزید من عذاب اللہ ابداً۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) آیۂ کریمہ فذوقوا فلن نزیدکم الا عذابا جہنمیوں کی سزا کے باب میں ایسی شدید تر آیت ہے کہ پورے قرآن کریم میں اس سے سخت تر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جہنمی لوگوں کے عذاب میں آناً فآناً اللہ سبحانہ کی طرف سے اضافہ ہی ہوتا رہیگا اور یہ اضافہ ابدالآباد جاری رہیگا۔"

مضمون بالا کی توضیح حسن بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن کریم کی آیات میں سے کونسی آیت سب سے سخت تر ہے؟ تو آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ) یہ بھی فرمایا:۔ فهو مقدار ساعة بساعة و یوم بیوم و شهر بشهر و سنة بسنة اشد عذابا۔ (ابن مردویہ) کافر ایک ایک ساعت، ایک ایک دن، ایک ایک مہینہ اور ایک ایک سال کی مقدار میں سخت سے سخت تر عذاب پاتا ہی رہیگا۔ حضرت ابو برزہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی میں حاضر تھا آپ نے فرمایا کہ قوم کفار اپنے پروردگار کی نافرمانیوں اور گناہوں کے باعث تباہ و برباد ہو گئی۔ پروردگار عالم ان پر اس درجہ غضبناک ہوگا کہ ان سے ایک ایک معصیت کا بدلہ لیگا اور اسکی

3-31 سزا دیا جائے گا۔" یہ تو کافروں اور سرکشوں کا بیان تھا۔ اب مومنین متقین کا حال سنیئے:۔

3-32 اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۙ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۙ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۙ

3-33 وَّكَاْسًا دِهَاقًا ؕ "بے شک ڈر والوں کو کامیابی ہے' باغ ہیں اور انگور' اور نوجوان

3-34 عورتیں' سب ایک عمر کی' اور جام چھلکتے۔"

متقین کی کامیابی یقین جانو کہ متقین (اللہ کی ناراضی سے بچنے والوں) کے لئے کامیابی ہے جہاں ان کو ہر منہ مانگی مراد ملیگی۔ رہنے کو باغات' کھانے کو انگور' نوجوان ہم سن عورتیں جن کی اس حالت میں کبھی کوئی تغیر نہ آئے گا اور ان کا یہ حسن وجمال ہمیشہ ہمیشہ برقرار رہیگا اور نہ جنتی مردوں کی جوانی کو کسی زوال سے سابقہ پڑیگا' اور پینے کو چھلکتے ہوئے جام' جب یہ تمام الوان نعمت اور ہر جنتی آرام و آسائش کا بہترین سامان وہاں مہیا ہے تو

عــہ الکعوب نھود ثدیھا کالتکعب والکعابۃ والکعوبۃ ویقال کعب الثدی نھد (قاموس) تکعب' کعابۃ اور کعوبۃ اسی سے لئے گئے ہیں۔ کعب الثدی محاورہ عرب ہے۔ وفی الحدیث فجثت فتاۃ کعاب علی رکبتیھا۔ "اس میں کعاب سے یہی مراد ہے۔" والمرأۃ حین یبدو ثدیھا للنھود وھی الکاعب ایضاً وجمعھا کواعب۔ (مجمع البحار)

عــہ دھاقا ای مفعمۃ (مفردات) (ممتلئۃ او متتابعۃ وماء دھاق کثیر اد ھقتہ ملأتہ (مجمع البحار) بھرا ہوا' یکے بعد دیگرے آنیوالا' اور ماء دہاق آب کثیر کو کہتے ہیں۔ اور ادھقتہ کے معنی ہیں میں نے اس کو بھر دیا۔"

اور کیا چاہیئے؟ دنیادار اہل ثروت جو اس دو روزہ حیوانی زندگی پر فریفتہ ہیں اور صبح سے شام اور شام سے صبح تک اس پہ مرمٹ رہے ہیں جن کو نہ آخرت کا خیال اور نہ خدا اور رسول کے احکام کی کوئی پرواہ، ان کو غور کرنا چاہیئے کہ اگر ان کا مطمح نظر یہی حیوانی زندگی ہے تو اس کا بھی بہترین نظم اللہ سبحانہ نے دار آخرت میں مہیا فرما دیا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور ابدالآباد قائم و برقرار رہیگا۔

جنت کی روحانی نعمتیں رہی اہل جنت کی اُخروی زندگی۔ وہ روحانی نعمتوں سے لبریز رہیگی۔ وہاں کی مجالس، اجتماعات، ملاقاتیں، تقریریں اور باتیں نیز لطفِ صحبت کچھ اور ہی شان کا رہیگا، دنیا کی ان چیزوں کو ان کے ساتھ کچھ نسبت ہی نہیں۔ انتہا یہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ۔ بہتیرے نورانی چہرے ایسے ہوں گے جو اس دن اپنے آقا اور مالک رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کی طرف دیکھتے ہوں گے"۔ اس کا بیان سورۂ قیامہ میں گزر چکا ہے۔ حیات دنیا اور حیات آخرہ کا فرق یوں ظاہر فرمایا گیا ہے:۔ انما الحیوۃ الدنیا لھو ولعب وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔ دنیوی زندگی تو محض کھیل کود ہے اور دار آخرت یعنی اخروی زندگی ہی یقیناً زندگی ہے۔ کاش! یہ اہل دنیا اس کو جانتے ہوتے"۔ اگر یہ اخروی زندگی کا علم حاصل کرتے تو دنیا کے ان کھلونوں پر قانع نہ رہتے۔

ایک سوال جنت میں شراب کے دور کا بیان سننے کے بعد بادی النظر میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ شراب خانوں میں عموماً ایک شور و ہنگامہ بپا ہوتا ہے۔ میخوار خوب پی کر بدمست ہوتے اور اپنی بدمستی میں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے گالی گلوج کرتے اور ایک دوسرے کو جھٹلاتے رہتے ہیں۔ کچھ نہیں تو کم از کم فضول اور بیہودہ بکواس ضرور کرتے ہیں عقلمند آدمی ایسی جگہ جانا تو کجا اس کی طرف پھٹک کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ پھر اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کو کب پسند کر سکتا ہے؟ اس کا جواب اس کے بعد کی آیۂ کریمہ میں دیا جارہا ہے۔ ارشاد ہے:—

35 لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ؕ "نہ سنیں گے اس میں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھٹلانا"

سوال مذکور کا جواب مطلب یہ ہے کہ ایسا سوال دار دنیا اور دار آخرت نیز شراب فجور اور شراب طہور میں فرق نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا فانی اور آخرت باقی، یہ دو روزہ برباد اور وہ دائمی ابدالآباد ہے۔ دنیا دار الغرور (دھوکے کی ٹٹی) اور دار الشر والفساد (برائی اور فساد سے بھری ہوئی) اور آخرت دار السرور (راحت اور مسرت کا مقام) ہے۔ دنیا کو آخرت سے کیا نسبت۔ اسی طرح شراب فجور جو اہل دنیا پیتے ہیں نجس اور اس کے پینے والے عقل اور ہوش و حواس کھوتے، احمقانہ

حرکات کرتے اور بیہودہ بکواس بکتے ہیں، نشہ اترتے ہی اپنے افعال پر نادم ہونا اس کی خرابی کی کھلی دلیل ہے۔ اور شراب طہور پاکیزہ صاف ستھری، اس کے پیتے ہی پاکیزہ جذبات نشوونما پاتے اور علم و عرفان کے دروازے کھلتے ہیں، ملأ اعلیٰ کا شوق بڑھتا اور قرب وصال الٰہی کے مدارج طے ہوتے ہیں۔ بھلا بیہودگی اور جھوٹ کو وہاں کیا دخل؟

3-36 جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۙ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
3-37 وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۚ بدلہ ہے آپ کے پروردگار کی
طرف سے بخشش کافی، جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور اس کا جو ان دونوں کے
درمیان ہے بے حد مہربان، قدرت نہیں رکھتے اس سے بات کرنے کی۔

جزاءً وفاقاً اور عطاءً حساباً کا فرق

کفار کے باب میں ارشاد ہوا تھا:۔ جَزَآءً وِّفَاقًا۔ (یہ عذاب ان کے برے اعمال کا) پورا بدلہ ہے۔" اور اب متقین کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے:۔ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا، بدلہ ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے بخشش کافی۔" یعنی صورۃً یہ بدلہ ہے متقین کے اعمال صالحہ کا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ کے پروردگار کی محض عطا و بخشش ہے اور بخشش بھی اتنی کہ لینے والا بھی فرط مسرت سے شکر گزاری اور کمال ممنونیت کے انداز میں بے اختیار شکوہ کوتاہیٔ داماں کرتے ہوئے حَسْبُ حَسْبُ۔ بس بس کہنے لگے۔ کیوں نہ ہو

یہ عطاء (بخشش) آپ کے پروردگار کی ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب کا مالک ہے۔ جو بے حد مہربان ہے۔ اللہ سبحانہ کی ایسی کافی بخشش جو متقین کے حال پر ہو رہی ہے اس کو دوسرا گروہ بھی دیکھ رہا ہے مگر مجال نہیں کوئی دم مار سکے۔

3-38 يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ
أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ جس دن کھڑی ہوگی روح اور فرشتے صف باندھ کر، بات نہ کر سکیں گے مگر وہ کہ جسے اجازت دی رحمٰن نے اور کہی اس نے ٹھیک بات۔"

روح کی تفسیر یہاں روح سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف روایات ہیں:—

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الروح جند من جنود الله ليسوا بملائكة لهم رؤس وايد وارجل ثم قرأ يوم يقوم الروح والملائكة صفا قال هؤلاء جند وهؤلاء جند۔

(ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن مردویہ) اللہ سبحانہ کے لشکروں اور افواج میں سے روح کے بھی لشکر اور فوجیں ہیں جو فرشتوں کے سوا ہیں۔ ان کے سر اور ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے آیہ کریمہ یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا تلاوت فرمائی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ روح بھی ایک لشکر ہے اور فرشتے بھی ایک لشکر ہیں۔"

روحانیین عکرمہ کہتے ہیں:۔ الروح اعظم خلقا من الملائکۃ ولاینزل ملک الا ومعہ روح۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) فرشتوں کے مقابلہ میں روحانیین بہت بڑی باعظمت مخلوق ہیں۔ کوئی فرشتہ اترتا ہے تو روحانیین بھی اس کے ساتھ ضرور اترتے ہیں۔

روحانیین دربان الٰہی ہیں ضحاکؒ فرماتے ہیں:۔ الروح حاجب اللّٰہ یقوم بین یدی اللّٰہ یوم القیامۃ وھو اعظم الملائکۃ (ابوالشیخ) روح اللہ سبحانہٗ کے دربان ہیں۔ قیامت کے دن اللہ سبحانہ کے حضور میں کھڑے ہوں گے۔

دوسری تفسیر روح اعظم ان روایات میں کسی سے پایا جاتا ہے کہ روح ایک ہی ہے۔ اس صورت میں روح اعظم مراد لینا ہوگا جس سے تمام ارواح کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔ اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ ان کا لشکر عظیم ہے جو تمام مخلوقات کی تعداد سے بہت بڑا ہے اس صورت میں روح کو بطور اسم جنس قرار دینا ہوگا جس کا اطلاق قلیل و کثیر پر یکساں ہوتا ہے۔

تیسری تفسیر جبرئیل کسی نے روح سے جبرئیل علیہ السلام کو مراد لیا ہے۔ اس بنا پر کہ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ نے آپ کو روح القدس اور الروح الامین فرمایا ہے۔ اسکی تائید میں بھی روایات ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان جبریل یوم القیامۃ لقائم بین یدی الجبّار ترعد فرائصہ فرقا من عذاب اللّٰہ

يقول سبحانك لا اله الا انت ما عبدناك حق عبادتك ان ما بين منكبيه كما بين المشرق الى المغرب اما سمعت قول الله يوم يقوم الروح والملائكة صفا۔ (ابوالشیخ) یقیناً جبرئیل قیامت کے دن جبار جل جلالہ کے حضور ایستادہ ہوں گے ان کے بھرّے اللہ سبحانہ کے عذاب کی دہشت سے کانپتے ہوں گے وہ کہتے جائیں گے کہ آپ کی ذات پاک ہے۔ آپ کے سوا (پوری کائنات میں) کوئی بھی مستحق عبادت نہیں۔ آپ کی عبادت کا جیسا حق ہے اس کو ہم بھی ادا نہ کرسکے۔ اس دن ان کے دونوں شانوں کے درمیان اتنا فصل اور بُعد ہوگا جتنا مشرق سے مغرب تک ہے۔ اس کی تائید میں آپ نے یہی آیۂ کریمہ پڑھی: — یوم یقوم الروح والملائکۃ صفاً"۔ حضرت ضحاک نے بھی یہاں روح سے جبرئیل ہی کو مراد لیا ہے۔

چوتھی تفسیر ارواح بنی آدم بعض مفسرین کرام نے ارواح بنی آدم مراد لی ہیں۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا: — حين تقوم ارواح الناس مع الملائكة فيما بين النفختين قبل ان ترد الارواح الى الاجساد۔ (بیہقی) جس وقت بنی آدم کی روحیں، فرشتوں کے ساتھ صف بستہ کھڑی ہونگی۔ یہ نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کا درمیانی وقت ہے جب کہ ارواح ابھی اجساد میں داخل نہ ہوئی ہوں گی"۔ کیونکہ نفخۂ اولیٰ میں سب فنا ہوچکے تھے اور نفخۂ ثانیہ پر سب زندہ ہوں گے

ابھی اس کی نوبت نہیں آئی ہے۔

عرض فقیر فقیر کے نزدیک یہی قول واضح تر اور اقرب الی الصواب ہے۔ اسلئے کہ خطاب بنی آدم سے ہے اور روز قیامت کی اہمیت جتائی جارہی ہے۔ کفار اور منکرین کو یہ بتانا منظور ہے کہ تم اس وقت اگرچہ قیامت کے منکر ہو۔ لیکن جب وہ دن آئے گا اور تمام ارواح بنی آدم اور جملہ فرشتے اپنی اپنی صفیں درست کرکے رب العالمین کے حضور میں کھڑی ہوں گی تو اس وقت تصدیق ہو جائے گی اور ہر ایک اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلے گا۔ مگر اس وقت کی تصدیق کچھ کام نہ دیگی۔ یہی مضمون مذکورۂ بالا دیگر اقوال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے لیکن جیسی وضاحت قول آخر میں ہے ان میں نہیں واللہ اعلم۔

لا یتکلمون کی تفسیر بہرحال روح اور فرشتے جب اللہ سبحانہ کے حضور میں پرا باندھے قطار در قطار استادہ ہوں گے لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا۔ تو بات نہ کرسکیں گے۔ سب دم بخود ہوں گے۔ کیونکہ وہ وقت رب العزت کے جلال کا ہوگا۔ ایسی حالت میں کس کو مجال دم زدن ہو سکتی ہے؟ نہ معلوم اس حالت میں کب تک کھڑا رہنا ہوگا۔ اور کتنی مدت گزر جائیگی؟ جبرئیل علیہ السلام کی حالت اور تسبیح اس وقت کیا ہوگی وہ تو آپ سن چکے۔ حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقول فی رکوعہ وسجودہ سبوح

قدوس رب الملائکۃ والروح ۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، بیہقی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رکوع اور اپنے سجود میں عموماً یہ تسبیح پڑھا کرتے تھے : ۔ فرشتوں اور ارواح کا مالک نہایت درجہ منزہ اور پاک ہے "۔ گویا قیامت کا یہ منظر آنحضور پُرنظر اقدس کے سامنے تھا ۔ اور اس کے مناسب حال تسبیح ورد زبان رہا کرتی تھی "۔ سچ ہے ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اذن شفاعت یہی سبب ہے کہ لَا یَتَکَلَّمُوْنَ کے بعد یہ استثناء فرمایا گیا : ۔

اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۔ مگر جس کو اجازت دی رحمٰن نے (اپنی بیحد مہربانی کی بنا پر) اور اجازت یافتہ بھی وہی ہوگا جس کا قول صواب ہو"۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں : ۔ قال صوابا قال شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ (ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی، ابوالشیخ) قول صواب سے لا الٰہ الا اللہ کی گواہی مراد ہے "۔ مطلب یہ ہوا کہ شفاعت کنندہ کلمہ گویان اسلام ہوں گے ۔ کسی کافر کو بات کرنے کی مجال نہ ہوگی ۔ یہ بیان ہے شفاعت کا جو قیامت کے دن ہونے والی ہے جس کی صراحت احادیث شریفہ میں آئی ہے کہ باب شفاعت کے وا کرنے والے حضرت شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سید الانبیاء والمرسلین ہوں گے ۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیھم اجمعین ۔ پھر درجہ بدرجہ اس کا سلسلہ نومولود بچوں تک پہنچیگا کہ وہ بھی

اپنے ماں باپ کے حق میں شفاعت کریں گے۔ مگر یاد رہے کہ شفاعت انہیں کے حق میں ہوگی جو اس کے مستحق قرار دئے گئے ہوں یعنی مومنین۔ اور قال صوابا کا اشارہ اسی طرف ہے۔ واللہ اعلم

78-39 ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ (۳۹)

"وہ دن ہے برحق، پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا۔"

قیامت برحق ہے وہ دن (روز قیامت) جس کا وعدہ دیا گیا ہے، برحق ہے۔ جو اپنے وقت پر آ رہیگا۔ خواہ اس کو کوئی مانے یا نہ مانے۔ جب اس کی آمد یقینی اور حقیقت نفس الامری ہے تو یوں سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ سبحانہ کے ہاں اس کا فیصلہ ہو چکا ہے اللہ سبحانہ کا کوئی فیصلہ بدل نہیں سکتا کیونکہ اس کی کوئی بات بدل نہیں سکتی ما یبدّل القول لدیّ اسی طرح قیامت کا فیصلہ بھی اٹل ہے اور اس کا وقت مقرر ہے۔ جس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اب اس کا تعلق جس جس ہستی سے ہے اس کو علی الاعلان سنا دیا جا رہا ہے کہ جو چاہے ابھی سے اپنے رب کے ہاں اپنا ٹھکانا بنالے۔ کیوں کہ ابھی موقع ہے۔ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا تو پھر کف افسوس ملتے رہنے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اللہ سبحانہ کے ارشاد پر کان دھر کے اور اس پر نظر رکھ کے دل میں اس کی یاد تازہ کرتے اور جوارح سے اس کے مطابق کام لیتے ہیں اور نیک عمل کر کے پروردگار عالم

کے ہاں اپنا ٹھکانا بنا لیتے ہیں ۔ ایسی ہی مبارک ہستیوں کا وہ انجام ہے جسکی تعبیر اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا کے ساتھ فرمائی گئی اور اس کی خوشخبری سنائی گئی ۔

3-40 إِنَّآ أَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۵ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا
قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۵ ع ۲

بے شک ہم نے آگاہ کردیا ہے تمھیں ایک قریب (میں آنے والی) آفت سے جس دن کہ دیکھ لیگا آدمی جو بھیجا ہے اس نے اپنے ہاتھوں اور کہیگا کافر اے کاش میں مٹی ہوتا ۔

عذاباً قریباً کی تفسیر خطاب عام ہو رہا ہے جس میں مومن متقی و عاصی اور کافر و مشرک سبھی شریک ہیں کہ لوگو! ایک کٹھن ساعت عنقریب آنے والی ہے جس سے ہم نے پیش از پیش تم کو خبردار و آگاہ کر دیا کہ تمھیں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ عذاب قریب ہے جمہور مفسرین نے قیامت کا عذاب مراد لیا ہے۔ یہ قریب اس اعتبار سے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے اور یہ مسلم ہے:۔ کل ماھو آت قریب یعنی ہر وہ چیز جو آنے والی ہے قریب ہی کہلاتی ہے۔ چنانچہ منکرین قیامت بھی جب قیامت میں اٹھیں گے تو یہی کہیں گے لبثنا یوما او بعض یوم۔ ہم قبروں میں ایک دن ٹھہرے تھے یا اس کا کچھ حصہ۔ اور بعض نے عذاب قریب سے دنیا کا عذاب مراد لیا ہے یعنی یہ واقعۂ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں قریش کی ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ بہرحال ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسا آگاہ کر دینا بھی محض ہمارے وصف رحمانی اور بے حد و حساب مہربانی کا اقتضا ہے اور ایسا صاف اور واضح بیان مذکورۂ بالا آیات کریمہ میں کیا کہ اس بارے میں کوئی تشنگی نہ رہے۔ نیز وہ طریقے بتلا دئے جن کو اختیار کرنے سے انسان کو نجات مل سکتی ہے اور ان چیزوں کی صراحت بھی کر دی گئی جن سے مصائب درپیش ہوتے اور مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اب تم جانو اور تمھارا کام۔

قدمت یداہ کی تفسیر وہ دن قبروں سے دوبارہ جی اٹھنے کا آئیگا اور سب کے سب

جی اٹھیں گے تو ایک ایک شخص اپنے ہاتھوں سے کئے ہوئے اور آگے بھیجے ہوئے کاموں کو دیکھنا شروع کرے گا جو اس کے نامۂ اعمال میں پورے پورے لکھے ہوئے ہیں۔ متقین تو اس نوشتۂ اعمال سے خوش ہوں گے اور شکر کریں گے۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ اللہ سبحانہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس مقدس دین اسلام کی ہدایت دی کہ منزل مقصود پر کامیابی کے ساتھ پہنچا دیا۔ اور ہمارا تو یہ حال تھا کہ اگر ہدایت الٰہی ہماری دستگیر نہ ہوتی تو ہم کبھی بھی اس راہ ہدایت پر گامزن نہ ہو سکتے۔ اور منکر کہیگا۔ اے کاش! کہ میں مٹی ہوتا تو کیا خوب ہوتا۔

ویقول الکافر کی تفسیر | وَیَقُوْلُ الْکَافِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا۔ اور کافر کہیگا اے کاش! میں مٹی ہوتا۔ یہاں کافر سے کیا مراد ہے اس کی بابت حسب ذیل دو (۲) اقوال ہیں:۔

پہلی تفسیر | ۱۔ کافر سے یہی منکرین مراد ہیں جو دنیا میں اللہ سبحانہ کے احکام اس کی کتابوں اور رسولوں کا انکار کرتے رہے۔ یحیی بن جعدہ فرماتے ہیں:۔ ان اول خلق اللہ یحاسب یوم القیامۃ الدواب والھوام حتی یقضی بینھا حتی لا یذھب شیئ بظلامۃ ثم یجعلھا ترابا ثم یبعث الثقلین الجن والانس فیحاسبھم فیومئذ یتمنی الکافر یالیتنی کنت ترابا۔ (دینوری) سب سے پہلی مخلوق

جس سے اللہ سبحانہ قیامت کے دن محاسبہ فرمائے گا یعنی دنیا میں کئے ہوئے کاموں کا ان سے حساب لیگا وہ چوپائے اور گزندے ہوں گے تا آنکہ ان کے درمیان فیصلہ کردیا جائیگا ایسا کہ ان کے مظالم کی داستان سے کوئی چیز باقی رہنے نہ پائے گی۔ سب کا حساب چکا دیا جائے گا۔ پھر ان کو مٹی بنا دیا جائے گا۔ پھر جن و انس جو دو گروہ ہیں بہت بھاری اور اہمیت رکھنے والے ان کو اٹھایا جائے گا پھر ان سے حساب لیا جائے گا۔ اس دن کافر آرزو کرتا ہوگا "اے کاش! میں بھی ان چوپایوں اور گزندوں کی طرح مٹی بنا دیا جاتا" اور جہنم کی اس دائمی تکلیف اور عذاب سے مجھے واسطہ نہ ہوتا۔

قیامت میں تمام جاندار اٹھائے جائیں گے

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں:۔ یحشر الخلائق کلھم یوم القیامۃ البھائم والدواب والطیر و کل شیئ فیبلغ من عدل اللہ ان یاخذ للجمّآء من القرنآء ثم یقول کونی ترابا فذٰلک حین یقول الکافر یا لیتنی کنت ترابا۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی) قیامت کے دن تمام مخلوقات چوپائے اور زمین پر چلنے والے جانور اور پرندے اور تمام جاندار چیزیں اکٹھی کی جائینگی پھر اللہ سبحانہ کا عدل انتہا کو پہنچ جائیگا یہاں تک کہ سینگ والے جانوروں سے بے سینگ کے جانوروں کا بدلہ لیا جائیگا۔ پھر ان سب کو حکم ہوگا تم مٹی ہو جاؤ۔ یہ وہ وقت ہوگا جبکہ ایک ایک کافر تک کہنے لگیگا کہ اے کاش!

میں بھی مٹی ہوجاتا" یا یہ کہ میری ابتدا خاک سے ہوئی تھی میں خاک ہی رہتا۔ نہ انسان بنایا جاتا اور نہ کفر کی نوبت آتی اور نہ آج یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوتا۔

دوسری تفسیر ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں کافر سے ابلیس مراد ہے جس سے دنیا میں کفر کی بنیاد قائم ہوئی۔ روح المعانی میں ہے:۔ وقیل الکافر فی الآیۃ ابلیس علیہ اللعنۃ لما شاھد آدم علیہ الصلاۃ والسلام ونسلہ من المؤمنین وما لھم من الثواب تمنی ان یکون ترابا لانہ احتقرہ لما قال خلقتنی من نار وخلقتہ من طین۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں کافر سے ابلیس علیہ اللعنہ مراد ہے۔ جب وہ مشاہدہ کریگا کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اور مومنین جو آپکی ذریت سے ہوئے ان کو کیا ثواب ملا (اور ان کے کیسے درجات بلند ہوئے) تو آرزو کریگا کہ کاش میں بھی مٹی ہوتا کیونکہ اس نے مٹی کو حقیر جان کر کہا تھا کہ پروردگار! آپ نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور انکو گیلی سڑی ہوئی مٹی سے بنایا" لہذا میں آدم سے بہتر ہوں۔ پھر میں آدم کو سجدہ کس طرح کرسکتا ہوں؟ آج بروز قیامت اس کو بھی آرزو ہوگی کہ اگر میں بھی مٹی ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ ابلیس لعین نے ظاہر حال پر نظر کی اور مٹی میں جو صفت تواضع وانکسار کی ہے اس کو نہ دیکھ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دام لعنت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گرفتار ہوا۔ اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام گو ایک دفعہ ابلیس کے فریب میں آگئے لیکن اس پر متنبہ ہوتے ہی عرق ندامت میں غرق ہوگئے اور توبہ کی تو نہ صرف توبہ قبول ہوئی بلکہ مراتب اور بڑھے یہاں تک کہ ابو الانبیاء والاولیاء والصدیقین

وشہداء وصالحین ہوئے صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین ۔ ؎

خاک را خوار و تیرہ دید ابلیس — کرد انکارش آں حسود و خسیس
ماند غافل ز نورِ باطنِ او — نہ شد آگہ ز سترِ کامنِ او
بہر گنجے کہ ہست در دلِ خاک — ایں صدا داد و اند در افلاک
کہ بجز خاک نیست مظہرِ کل — خاک شو خاک تا بروید گل

عم یتساءلون کو پڑھنے کی تاکید حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من قرأ عم یتساءلون سقاہ اللہ برد الشراب یوم القیامۃ ۔ جو کوئی عم یتساءلون کی تلاوت کریگا اللہ سبحانہ قیامت کے دن اس کو ٹھنڈی ٹھنڈی شراب طہور سے سیراب کریگا۔"

اور حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ تعلّموا سورۃ عمّ یتساءلون عن النبأ العظیم وتعلّموا قٓ والقرآن المجید و والنجم اذا ھوی و والسماء ذات البروج و والسماء والطارق فانکم لو تعلمون ما فیھن لعطّلتم ما انتم علیہ وتعلموھن وتقربوا الی اللہ بھن ان اللہ یغفر بھن کل ذنب الا الشرك باللہ ۔ سورۂ عم یتساءلون اور قٓ والقرآن المجید اور والنجم اذا ھوی اور سورۂ بروج اور سورۂ طارق کو سیکھو کیونکہ اگر تم کو معلوم ہوتا کہ ان مبارک سورتوں میں کیا بیان ہے اور کیسی برکت ہے تو جن کاموں میں تم لگے ہوئے ہو انکو چھوڑ دیتے اور دوسری طرح

انکی تعلیم دیتے رہو اور انکے سیکھنے سکھانے کے ذریعہ اللہ سبحانہ کا تقرب حاصل کرو! اللہ تعالیٰ ان کے طفیل میں شرک کے سوا تمھارے تمام گناہ بخش دیگا۔"

سورۂ نبأ کی اہمیت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: —

قلت یا رسول اللہ اسرع الیک الشیب قال شیبتنی ھود والواقعۃ والمرسلات وعم یتساءلون واذا الشمس کورت (کشف الاسرار) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بڑھاپا آپ پر جلد آگیا تو ارشاد فرمایا کہ سورۂ ہود، واقعہ، والمرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا بنا دیا" یعنی اس میں قیامت کی ہولناکیاں جو بیان فرمائی گئی ہیں ان سے متاثر ہو کر میں بوڑھا ہو گیا۔

برادران اسلام کی خدمت میں عرض ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کیا کریں، اور بحالت موجودہ جو غفلت و جمود عامہ طاری ہے اس کو دفع کرنے کے لئے کم از کم ان چند سورتوں کو خصوصیت کے ساتھ پڑھتے رہیں تاکہ جو مخصوص فضائل انکے تبلائے گئے ہیں ان سے بہرہ اندوز ہوں، بلکہ ان کے معانی و مطالب پر بھی نظر رکھیں۔ کیونکہ قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے اور یوں ہی بلا سمجھے پڑھنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ نبأ کی تفسیر ختم ہوئی وللہ الحمد۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین — ۱۱ ربیع المحبوب ۱۳۷۹ھ۔

79 Naaziyaath Makky Aayaath 46

(۷۹)

سورۂ نازعات

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۴۶) آیات ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کو سورۂ ساہرہ اور سورہ طآمّہ بھی کہتے ہیں۔
اس بنا پر کہ یہ نئے کلمات اس میں آئے ہیں۔ کسی چیز کے نام زیادہ ہونا اس کے شرف
اور علو درجت کی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ انّھا نزلت عقب
سورۃ عمّ۔ یہ سورۃ شریفہ عمّ یتساءلون کے بعد ہی یعنی اس کے متصل نازل
ہوئی۔ اسی سے اس کی مناسبت سورت ماقبل سے ظاہر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو
پایا جاتا ہے کہ عمّ یتساءلون میں جو مضامین بیان فرمائے گئے خصوصاً آخری آیات
کریمہ میں انّا انذرناکم عذابا قریبا کے ذریعہ جو کچھ بیان ہوا اسی مضمون کو یہاں
قسموں کے ذریعہ اس پر زور دیکر تاکیداً بیان فرمایا جارہا ہے۔ کذا فی البحر المحیط۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے۔

والنّٰزعٰت غرقاً ۙ والنّٰشطٰت نشطاً ۙ والسّٰبحٰت سبحاً ۙ 79-1 79-2 79-3

۷۹ (آیات ۴۶)

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ قسم ہے (جان) گھسیٹنے والوں کی 79-4
ڈوب کر' اور (جان) نکالنے والوں کی بند کھول کر' اور تیرنے والوں کی تیزی کے ساتھ 79-5
پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر' پھر تدبیر کرنے والوں کی ہر امر کی بابتہ" (کہ تم ضرور
زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے)۔

تمہید نازعات' ناشطات' وغیرہا جن کی قسم کھائی جا رہی ہے اور جن کو بطور گواہ لایا جا رہا ہے اس کی تفسیر میں جمہور فرماتے ہیں کہ اس سے فرشتوں کی جماعتیں مراد ہیں البتہ ان کی تفصیل و تخصیص میں اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے:۔ مال بعضھم الی تخصیص النزع بارواح الکفار' والنشط والسبح بارواح المومنین (روح المعانی) بعض مفسرین کرام کا میلان اس طرف ہے کہ نزع یعنی گھسیٹ کر جان نکالنا جو پہلی آیہ کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے یہ کفار کی روحوں کے ساتھ مخصوص ہے اور نشط یعنی بندھن کھول دینا یا نشاط یعنی خوشی کے عالم میں بسہولت جان نکال لینا' اور سبح (یعنی تیزی کے ساتھ چشم زدن میں جان نکال کر) اس کو تیرتے ہوئے لیجانا' یہ لطف و مرحمت' مومنین کے ساتھ مختص ہے" اور جمہور مفسرین کے ساتھ ہم نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

والنازعات غرقاً کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا قسم ہے

ان جماعت ملائکہ کی جو کفار کے بدن میں گھس کر ان کی جان کھینچتے ہوئے گھسیٹتے ہوئے نکالتے ہیں" چنانچہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔

والنازعات غرقا قال هی الملائکة تنزع ارواح الکفار... ما بین الاظفار والجلد حتی تخرجها۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر) والنازعات غرقا سے فرشتے مراد ہیں جو کافروں کے ناخنوں اور جلد کے درمیان سے (ایک ایک عضو کی) جان گھسیٹ گھسیٹ کر نکالنا شروع کرتے ہیں تا آنکہ (پورے جسد سے) ان کی جان نکال لیتے ہیں" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کی مزید تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں:۔

ینزعها ملك الموت من تحت کل شعرة ومن الاظافیر واصول القدمین ویرددها فی جسده بعد ما ینزعها حتی اذا کادت تخرج ردها جسده فهذا عمله بالکافر۔ (مظہری) ملک الموت (اور ان کے اعوان و مددگار کافر کی) جان ہر بن مو یعنی ایک ایک رونگٹے کے نیچے سے اور ناخنوں اور پاؤں کے سرے سے گھسیٹ گھسیٹ کر نکالتے جاتے اور پھر اس کو اس کے بدن میں واپس کرتے جاتے ہیں اور جب روح بدن کو پوری طرح چھوڑ دینے کی نوبت آتی ہے تو پھر اس کو اس کے جسد میں واپس کرتے جاتے ہیں۔ کافر کے ساتھ یہی عمل جاری رکھ کے آخر اس کی جان نہایت شدت کے ساتھ نکال لیتے ہیں"۔

کافر کا عالم نزع حضرت براء بن عازبؓ کی ایک طویل حدیث میں کافر کے نزع روح کی کیفیت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

انّ العبد الکافر اذا کان فی انقطاع من الدنیا تنزل الیہ من السماء ملائکۃ سود الوجوہ معھم المسوح فیجلسون منہ مدّ البصر ثم یجیٔ ملک الموت حتی یجلس عند رأسہ فیقول ایّتھا (النفس الخبیثۃ اخرجی الی سخط من اللہ قال فتفرق فی جسدہ فینزعھا کما ینزع السفود من الصوف المبلول فیاخذھا فاذا اخذھا لم یدعھا فی یدہ طرفۃ عین حتی جعلوھا فی تلک المسوح ویخرج منھا کنتن ریح جیفۃ۔ وفی روایۃ وینزع نفسہ مع العروق (امام احمدؒ) دنیا سے کافر کے قطع تعلق کا وقت جب آپہنچتا ہے تو آسمان سے فرشتے سیاہ چہروں میں اترتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں وہ آکر اس کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے اس کو ایسے فرشتے ہی فرشتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے اور کہتے ہیں:۔ اے نفس خبیث! اللہ کے غضب اور اس کی ناراضی کی طرف نکل۔ (اب اس کی جان اس کے جسد سے چمٹ جاتی ہے) پھر فرشتے اس کے جسم میں گھس جاتے ہیں (غرقاً سے یہی مراد ہے) اور اس کی جان سختی سے کھینچ کھینچ کر نکالتے جاتے ہیں' جیسے

بھیگے ہوئے نمدے سے کسی سیخ کو نکالا جاتا ہے۔ پھر اس کی جان کو لیتے ہی ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں۔ پلک جھپکنے کے برابر بھی اس کو اپنے ہاتھ میں رہنے نہیں دیتے۔ اس طرح اس کی جان جو نکلتی ہے اس میں سڑے ہوئے مردار کی سی بدبو رہتی ہے۔ اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اس کی جان اس کی رگوں سمیت نکال لی جاتی ہے۔" مقاتل کہتے ہیں:۔ ملك الموت واعوانه ينزعون روح الكافر كما ينزع السفود الكثير الشعب من الصوف المبتل۔ (مظہری) ملک الموت اور ان کے اعوان و مددگار کافر کی جان اس طرح نکال لیتے ہیں جیسے کسی شاخوں بھری سیخ کو بھیگے ہوئے نمدے میں سے بڑی شدت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔"

ایک شبہہ کا حل یہاں فرشتے سیاہ چہروں میں آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کی اصلی صورتیں ہی ایسی ہیں۔ نہیں نہیں فرشتے تو نورانی مخلوق ہیں نہایت خوب صورت۔ مگر وہ جب کفار کے پاس آتے ہیں تو ایسی ڈراؤنی بھیانک صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ سنا ہوگا کہ زنان مصر نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا تو بے ساختہ بول اٹھیں:۔

حاش لله ما هذا بشرا ان هذا الا ملك كريم۔ خدا کی قسم! یہ بشر نہیں۔ ہو نہ ہو ایک باعزت فرشتہ ہیں۔" بات یہ ہے کہ جب ان کو کفار کی روح قبض کرنے کیلئے بھیجا جاتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنی شکل اس طرح تبدیل کر کے جائیں۔ فرشتوں کیلئے

شکل بدلنا اتنا ہی آسان ہے جتنا ہمارے لئے تبدیل لباس کرنا بلکہ اس سے بھی سہل تر۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ کفار کے لئے نزع کی یہ سختی اس بنا پر ہے کہ ان کو آخرت کا انکار تھا۔ موت کے وقت جب ان پر عالم آخرت کھل جاتا ہے تو اس کا یقین ہونے لگتا ہے اب ایک ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کی جان نکلنے نہ پائے اس لئے کہ اب تک وہ جس عالم میں تھا عالم آخرت کے مقابلے میں بہت آرام سے تھا۔ اس کو یقین ہوجاتا ہے کہ جہاں دوسرے عالم میں قدم رکھا گرفتار عذاب ہوا۔ اس لئے اس کی جان بدن سے چمٹ جاتی ہے۔ مگر فرشتے اس کو چھوڑتے کہاں ؟ ناخنوں اور جلد اور اس کے مسامات کی راہ سے اسکے جسم میں گھس جاتے اور ہر حصۂ بدن سے اس کی جان نکال لاتے ہیں۔

کافر کا حال برزخ میں پھر اس پر کیا گزرتی ہے اس کو بھی سن لیجئے :۔۔۔۔۔

ویضیق علیہ قبرہ حتی تختلف اضلاعہ ویأتیہ رجل قبیح الوجہ و قبیح الثیاب نتن الریح فیقول ابشر بالذی یسوءک ھذا یومک الذی کنت توعد فیقول من انت فوجھک الوجہ یجیئ بالشر فیقول انا عملک الخبیث۔ (امام احمدؒ) اور اس پر اس کی قبر تنگ سے تنگ تر کردی جاتی ہے تا آنکہ اس کی پسلیاں ایک دوسری سے مل جائینگی اور اس کے پاس ایک شخص نہایت بدصورت، بہت ہی برے لباس میں آئیگا جس کی بدبو سے ناک نہیں ٹھہرتی ہوگی۔ وہ

کہیگا سُن لے وہ خبر جو تجھے ہمیشہ بُری لگتے رہے۔ تیرا وہ دن جس کا تجھ سے وعدہ دیا جاتا رہا یہی دن ہے۔ وہ پوچھیگا تو کون ہے کہ تیری صورت ایسی (تیرا لباس یہ اور تجھ سے ایسی بدبو آرہی) ہے؟ وہ کہیگا میں تیرا ہی عمل خبیث ہوں۔" اللہ اکبر۔

والناشطات نشطاً کی تفسیر وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطاً۔ اور (قسم ہے) جان نکالنے والوں کی بند کھول کر۔" یہ ایمان دار بندوں کی جان نکالنے والے فرشتوں کی طرف اشارہ ہے ان کو گواہ ٹھہرایا جا رہا ہے جو مومن کے پاس خوشی خوشی آتے اور اس کے دل پر نشاط پیدا کرتے' اس کو خوش خبری سناتے اور اس کی روح اس طرح نکالتے ہیں ادھر بندھن کھولا اور ادھر مومن کی روح قفس عنصری سے بسہولت تمام نکلی اور عالم بالا کی طرف پرواز پر مائل ہوئی۔ حضرت براء بن عازبؓ کی اسی حدیث طویل میں ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات واتم التسلیمات نے ارشاد فرمایا: ۔ ان العبد المؤمن اذا کان فی انقطاع من الدنیا واقبال من الآخرۃ تنزل الیہ الملائکۃ بیض الوجوہ کان وجوھھم الشمس معھم کفن من اکفان الجنۃ وحنوط من حنوط الجنۃ حتیٰ یجلسوا منہ مد البصر ثم یجیئ ملک الموت علیہ السلام حتی یجلس عند رأسہ فیقول ایتھا النفس المطمئنۃ اخرجی الی مغفرۃ من اللہ ورضوان قال فتخرج تسیل کما تسیل القطرۃ من السقاء

فيأخذها فاذا أخذها لم يدعها في يده طرفة عين حتى يأخذها فيجعلها في ذلك الكفن وفي ذلك الحنوط ويخرج كاطيب مسك (امام احمدؒ) یقین جانو کہ جب بندۂ مومن دنیا سے منقطع اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے پاس فرشتے نورانی چہروں میں نزول کرتے ہیں جن میں سے ایک ایک کا چہرہ آفتاب کی طرح درخشاں ہوتا ہے، ان کے ساتھ جنتی کفن اور جنتی عطریات ہوتے ہیں وہ اس کے پاس اس کثرت سے آبیٹھتے ہیں کہ جہاں تک نظر جاتی ہے فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں۔ پھر ملک الموت (حضرت عزرائیلؑ) تشریف لاتے اور اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔ اے اطمینان وسکون نصیب جان! اللہ سبحانہ کی بخشائش اور خوشنودی کی سمت چل، حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، بس ساتھ ہی وہ یوں نکلتی ہے جیسے کسی بھری ہوئی مشک سے پانی بہتا جاتا ہے۔ پھر فرشتے اس کو لے لیتے ہیں جب اس کو لے لیا تو چشم زدن بھی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھنے پاتے فوراً اس کو اس کفن میں لپیٹ لیتے اور ان عطریات میں بسا دیتے ہیں اور اس کو لے نکلتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہترین مشک لئے جا رہے ہیں۔" جسکی مہک سے مشام عالم معطر ہو جاتا ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے یہ اس بنا پر ہے کہ مومن دنیا کو ایک طرح کا قید خانہ تصور کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف ہے:۔ الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر۔

دنیا مومن کے حق میں جیل خانے کی طرح ہے اور کافر کے حق میں جنت کے مانند۔" مومن کو دنیا سے اتنا ہی تعلق ہے جیسے کسی قیدی کو قید خانے سے ہوتا ہے۔ قید خانہ کتنا ہی وسیع اور آراستہ ہو اور اس میں کتنی ہی آسائش اور آرام کا سامان مہیا رہے مگر انتہائی آرزو یہی رہتی ہے کہ اس کی میعاد کب ختم ہوگی اور وہ کب وہاں سے خلاصی پائیگا۔ دنیا میں سیاسی قیدیوں کا حال دیکھ لیجئے کہ حکومت ان کو صرف ایک احاطہ میں روک رکھتی ہے باقی ان کے آرام و آسائش کا انتظام و اہتمام اس درجہ کیا جاتا ہے شاید ان کو اپنے گھروں میں بھی نصیب نہ ہو۔ مگر قید قید ہی ہے۔ سلب آزادی سب سے بڑی سزا ہے۔ خیر یہ تو انسان ہیں۔ جانوروں کو دیکھئے کسی پرندے کو پنجرے میں ڈال دیا گیا ہو تو وہ بھی اس موقع کا منتظر رہتا ہے کہ پنجرے کا دروازہ کب کھلے اور وہ وہاں سے پرواز کر کے کب اپنے آشیانے میں جا بیٹھے۔ اب آپ اس کی پرورش اور نگہداشت کا کیسا ہی بہتر انتظام و اہتمام رکھیں مگر اس پرندے کو اس سے کچھ بھی دلبستگی نہیں۔ عارف رومی فرماتے ہیں:۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش — باز جوید روزگار وصل خویش

یہی حال مومن مخلص کا ہوتا ہے کہ جب اس کا وقت آخر آتا ہے تو وہ فوراً چل کوچ کیلئے خوشی خوشی تیار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی جان قفس عنصری سے رہائی پاتی اور رفیق اعلیٰ سے

جا ملتی ہے۔

حضرت ابو الحازم تابعیؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا یہ کیا وجہ ہے کہ ہم موت کو برا سمجھتے ہیں اور مرنے کو تیار نہیں۔ فرمایا لانکم عمرتم الدنیا وخربتم الآخرۃ یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے دنیا کو آباد کر رکھا ہے اور آخرت کو ویران رکھ چھوڑا ہے، تم نہیں چاہتے کہ آباد بستی کو چھوڑ کر ویران و کھنڈر مقام کو اپنا مستقر بناؤ۔

پھر اس شخص نے حضرت ممدوح سے دوسرا سوال کیا کہ حق تعالیٰ کے دربار میں بندوں کی حاضری کیسے ہوگی؟ فرمایا، اما المحسن فکالغائب علی اھلہ واما المسئ فکالآبق علی مولاہ۔ یعنے نیک بخت ایسے آئیں گے جیسے سفر پر گیا ہوا آدمی خوشی خوشی اپنے اہل وعیال میں لوٹتا ہے اور بدبخت کی مثال ایک بھاگے ہوئے غلام کی طرح ہوگی جو پکڑا پکڑا اپنے مولا کے حضور میں لایا گیا ہے۔

مومن کی خوشحالی برزخ میں فیفسح لہ فی قبرہ مدّ بصرہ و یأتیہ رجل حسن الوجہ حسن الثیاب طیب الریح فیقول ابشر بالذی یسرّک ھذا یومک الذی کنت توعد فیقول لہ من انت فوجھک الوجہ تجیئ بالخیر فیقول انا عملک الصالح۔ (امام احمدؒ) پھر اس کی قبر مد بصر تک کھول دی جاتی ہے اور اس کے پاس ایک شخص خوب صورت، خوش پوش، مہکتی ہوئی خوشبو والا

آتا اور کہتا ہے کہ آپ کو بشارت ہو جس سے آپ کو ہمیشہ مسرت حاصل ہوتی رہے۔ یہ آپ کا وہی دن ہے جس کا وعدہ آپ سے دیا جاتا رہا ہے۔ وہ کہیگا آپ کون ہیں جن کا چہرہ اتنا حسین خوب صورت ہے جس کو چہرہ کہنا چاہیئے جو ہر طرح کی بھلائی اور خیریت ساتھ لائے ہیں۔ وہ شخص کہیگا میں آپ ہی کا نیک عمل ہوں۔"

وَالسَّابِحَاتِ سَبْحاً فَالسَّابِقَاتِ سَبْقاً فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْراً۔ اور (قسم ہے) تیرنے والوں کی تیزی کے ساتھ"۔ پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر۔ پھر تدبیر کرنے والوں کی ہر امر کی بابتہ"

یہ تیرنے والے سبقت کرنے والے اور امور کی تدبیر کرنے والے کون ہیں، اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مومنین کی ارواح قبض کرنے کے لئے جو فرشتے خاص طور پر آئے تھے وہ روح قبض کرنے کے بعد ملأ اعلیٰ کی طرف جو صعود کرتے ہیں یہاں ان مخصوص فرشتوں کا بیان فرمایا جارہا ہے اس صورت میں مضمون ماقبل کے ساتھ اس کا ربط ظاہر ہے۔ ان کے اوپر چڑھنے کی تعبیر سبح یعنی تیرنے کے ساتھ اس لئے فرمائی گئی کہ زمین اور آسمان کے درمیان جو فضائے بسیط ہے اس میں روانی پانی میں تیرنے کے مشابہ ہے۔ نیز سبح کے معنی ہیں:۔ المرّ السریع فی المآء اوالھوآء۔ پانی یا ہوا میں سے تیزی کے ساتھ گزرجانا"۔ یا یہ کہ یہاں عام فرشتے مراد لئے جائیں جو ہمیشہ عظمت و جلال الٰہی کے

دریاؤں میں تیرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح عظمت وجلال الٰہی کی کوئی حد نہیں اسی طرح ان کے تیرنے کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ ہمیشہ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ بہرحال یہاں خاص فرشتے مراد ہوں یا عام ان کی قسم کھا کر ان کو گواہ ٹھہرایا جا رہا ہے۔

سابحات ارواح مومنین ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ سابحات و سابقات سے مومنین کی ارواح مراد ہیں۔ چنانچہ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

ھی انفس المؤمنین تسبق الی الملائکة علیھم السلام الذین یقبضونھا و قد عاینت السرور شوقا الی لقاء اللہ تعالیٰ۔ (روح المعانی) سابحات و سابقات' ایمان والوں کی روحیں ہیں جو ان کے قبض کرنے والے فرشتوں کی طرف سبقت کرتی ہیں جس حالت میں کہ انہوں نے سامان مسرت (جو فرشتوں کے ساتھ ہے) اس کا مشاہدہ کر لیا تو اللہ سبحانہ سے ملنے کے شوق میں (دریائے رحمت میں تیرتی ہوئی اور ایک دوسرے سے مسابقت کرتی ہوئی) آگے بڑھتی ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ والسابحات سبحا ارواح المومنین لما عاینت ملك الموت وقال اخرجي ایتھا النفس المطمئنة الی روح و ریحان ورب غیر غضبان سبحت سباحة الغائص فی الماء فرحا وشوقا الی الجنة فالسابقات سبقا قال تمشی الی کرامة اللہ (جویر) سابحات' ایمان داروں کی ارواح ہیں جب

وہ ملک الموت کو دیکھ لیتی ہیں تو وہ ان ارواح کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اے سکون و اطمینان والی جان! ہر قسم کی راحت اور خوشگوار روزی اور پروردگار کی طرف چل جو غضب ناک نہیں (بلکہ تجھ سے خوشنود اور رضامند ہے) تو وہ کمال مسرت سے ایسی تیزی کے ساتھ نکل آتی ہے جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہوا بغیر کسی روک ٹوک کے چلا آتا ہے۔ پھر سابقات اس آمد میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتی اور اللہ سبحانہ کی قدر دانی واکرام کی طرف لپکتی اور دوڑتی ہیں۔"

ارواح کے مدارج اور ان کے آثار امام فخر الدین رازیؒ سابحات، سابقات اور مدبرات کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ارواح کے مراتب اس دنیائے دنیہ سے بھاگنے اور عالم علوی میں پہنچ جانے کو چاہنے میں مختلف ہیں۔ دنیا سے نفرت اور عالم علوی سے الفت جس کو جتنی زیادہ ہوگی اس کی روح بدن سے علیحدہ ہوتے ہی اتنی ہی تیزی کے ساتھ عالم علوی سے جا ملیگی۔ اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:۔ ثم ان ھذہ الارواح الشریفۃ العالیۃ لا یبعد ان یکون فیھا ما یکون بقوتھا وشرفھا یظھر منھا آثار فی احوال ھذا العالم فھی المدبرات امرا الیس ان الانسان قد یری استاذہ فی المنام ویسألہ عن مشکلۃ فیرشدہ الیھا الیس ان الابن قد یری اباہ فی المنام فیھدیہ الی کنز مدفون الیس عن جالینوس

قال کنت مریضا فعجزت عن علاج نفسی فرأیت فی المنام واحدا ارشدنی الی کیفیۃ العلاج ألیس ان الغزالی قال ان الارواح الشریفۃ اذا فارقت ابدانہا ثم اتفق انسان مشابہ للانسان الاول فی الروح والبدن فانہ لا یبعد ان یحصل للنفس المفارقۃ تعلق بھذا البدن حتی تصیر کالمعاونۃ للنفس المتعلقۃ بذلک البدن علی اعمال الخیر فتسمی تلک المعاونۃ الھاما ونظیرہ فی جانب النفوس الشریرۃ وسوسۃ وھذہ المعانی وان لم تکن منقولۃ عن المفسرین الا ان اللفظ محتمل لھا جدا۔ (تفسیر کبیر)

پھر ان ارواح شریفہ عالیہ سے (عالم ملکوت میں شامل ہو جانے کے بعد) کچھ بھی مستبعد نہیں کہ ان کے اس شرف اور قوت کی بدولت اس عالم کون و فساد کے احوال میں بھی ان سے آثار ظاہر ہوں اور وہ اس عالم کے امور کی تدبیر کرتے ہیں اور اپنے فیوض و برکات سے اپنے متوسلین کو مستفیض فرماتے ہیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ انسان کبھی اپنے شیخ اور استاد کو خواب میں دیکھتا اور ان سے اپنی مشکلات کا اظہار کرتا ہے اور وہ اپنے ارشاد سے اس کا حل بتا دیتے ہیں۔ کیا کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ بیٹا اپنے مرحوم باپ کو عالم رویا میں دیکھ لیتا ہے اور وہ اس کو زمین میں دفن کی ہوئی دولت کا پتہ بتا دیتا ہے کیا جالینوس حکیم کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ مشہور نہیں ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار

ہو گیا تھا اور بہت کچھ علاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا تو اس نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا
اور اس نے طریقہ علاج کی رہنمائی کی (جس سے وہ شفایاب ہو گیا) کیا حضرت امام غزالی
رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ ارواح شریف جب اس قفس عنصری کو چھوڑ دیتے ہیں
پھر ان کو کوئی آدمی مل جاتا ہے جو جسمانی اور روحانی اعتبار سے ان کے ساتھ مشابہت
رکھتا ہے تو کیا بعید ہے کہ ان کو اس مشابہ شخص کے ساتھ نوع تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جائے
اور وہ اعمال خیر میں اس کے مدد و معاون بنے رہیں۔ اور یہ معاونت اس کے حق میں
الہام کا کام دے۔ اسی طرح شریر ارواح کا حال ہے (کہ وہ اپنے مشابہ اشخاص کے ساتھ
لگاؤ پیدا کر لیتے اور ان کو شرارت پر ابھارتے ہیں) یہ ان کے حق میں وسوسہ کا حکم
رکھتا ہے۔ بہر حال ان آیات بینات والسابحات سبحا فالسابقات سبقا
فالمدبرات امرا میں) اس مضمون کی طرف اشارہ کی پوری پوری گنجائش موجود ہے۔

ارواح طیبہ کا فرشتوں سے الحاق علامہ شہاب آلوسی نے یہاں ایک قول نقل
کیا ہے:۔ فتسبق الی حظائر القدس فتصیر لشرفہا و قوتہا من المدبرات
ای ملحقۃ بالملائکۃ او تصلح ھی لان تکون مدبرۃ کما قال الامام انہا
بعد المفارقۃ قد تظہر لہا آثار و احوال فی ھذا العالم (روح المعانی)
ارواح طیبہ قفس عنصری کو چھوڑتے ہی عالم قدس کی طرف سبقت کرتی اور اپنے شرف و

قوت کی بدولت تدبیر امور کرنے والے فرشتوں کے ساتھ جا ملتی ہیں۔ یا خود ان میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ (حکم الٰہی کے مطابق) تدبیر امور میں (ملائکہ مدبرات کی طرح) مشغول ہو جائیں۔ جیسا کہ امام (فخر الدین رازیؒ) نے فرمایا کہ ارواح شریفہ عالیہ سے مفارقت بدن کے بعد اسی عالم میں بھی کبھی آثار و احوال تدبیر ظاہر ہوتے ہیں۔" **علامہ آلوسی** اس کے بعد لکھتے ہیں:۔ **ولذا قیل ولیس بحدیث کما توھم اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور ای اصحاب النفوس الفاضلۃ المتوفین ولا شک فی انہ یحصل لزائرھم مدد روحانی ببرکتھم وکثیرا ما تنحل الامور بانامل التوسل الی اللہ تعالی بحرمتھم** (روح المعانی)

اور اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور ہے جو حدیث نہیں ہے بلکہ بزرگان دین کا مقولہ ہے اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور۔ جب تم اپنے معاملات میں حیران رہ جاؤ تو اصحاب قبور کی مدد چاہو۔ یعنی وفات پائے ہوئے نفوس فاضلہ سے۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ ان کی زیارت کرنے والوں کو ان کی برکت سے روحانی مدد حاصل ہوتی ہے اور بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ ان کے وسیلہ سے اللہ سبحانہ کی طرف رجوع کیا جائے تو مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔"

ارواح شریفہ سے آثار کا ظہور علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔۔

ثم ان النفوس الشریفة لا یبعد ان یظهر منها آثار فی هذا العالم سواء کانت مفارقة عن الابدان اولا فتکون مدبرات۔ الا تری ان الانسان قد یری فی المنام ان بعض الاموات یرشده الی مطلوبه ویری استاذه فیسأله عن مسئلة فیحلها له سئل زرارة بعد ان توفی رضی الله عنه فی المنام ای الاعمال افضل عندکم قال الرضی وقصر الامل وعن بعضهم رأیت ورقاء بن بشر رحمه الله فی المنام فقال ما فعل الله بك قال نجوت بعد کل جهد قلت فای الاعمال وجدتموها افضل قال البکاء من خشیة الله وقال بعضهم هلکت جاریة فی الطاعون فرآها ابوها فی المنام فقال لها یا بنیة اخبرینی عن الآخرة قالت یا ابت قد منا علی امر عظیم نعلم ولا نعمل وتعملون ولا تعلمون والله لتسبیحة او تسبیحتان او رکعة او رکعتان فی صحیفة عملی احب الیّ من الدنیا وما فیها ونظائره کثیرة لا تحصی۔ (روح البیان) پھر نفوس شریفہ سے مستبعد نہیں ہے کہ اس عالم میں بھی ان کے آثار نمایاں ہوں خواہ وہ قفس عنصری کو چھوڑ چکے ہوں یا اسی میں محبوس ہوں وہ تدبیر عالم کے کام انجام دیتے رہتے ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ انسان کبھی خواب دیکھتا ہے کہ بعض گزرے ہوئے لوگ بھی اس کو راہ بتا دیتے ہیں۔ کوئی اپنے استاد کو دیکھ کر کوئی

مسئلہ دریافت کرتا ہے اور وہ اسکو حل کر دیتا ہے۔ حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خواب میں پوچھا گیا کہ آپ صاحبین کے ہاں (یعنی آخرت میں) کونسا عمل افضل ہے؟ تو فرمایا۔ راضی بہ رضا رہنا اور آرزوؤں کو کوتاہ کرنا۔" کسی نے ورقاء بن بشر رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو جواب دیا کہ بڑی مشکل سے نجات ملی۔ ان سے کہا کہ آپ نے وہاں کون سے عمل کو سب سے افضل تر پایا؟ تو فرمایا خشیتِ الٰہی سے زاری کرتے رہنا۔" طاعون میں ایک لڑکی کا انتقال ہو گیا اس کے باپ نے اس کو خواب میں دیکھ کر کہا:۔ جان پدر! مجھے احوالِ آخرت کی کچھ خبر دو۔ اس نے کہا۔ اباجان! ہم کو ایک عظیم الشان معاملہ درپیش ہوا۔ ہم جو کچھ جانتے تھے اس پر عمل پیرا نہ تھے۔ اور آپ لوگ عمل کرتے ہیں مگر جانتے نہیں" (اس سے معلوم ہوا کہ علم بلا عمل اور عمل بلا علم کچھ نہیں) قسم بخدا! ایک دو تسبیحات یا ایک دو رکعات' جو صحیفۂ اعمال میں درج ہوں وہ بھی دنیا و مافیہا سے کہیں بہتر ہیں" اس جیسے واقعات جن کی ارواح اس قفس عنصری کو چھوڑ چکی ہیں اس کثرت سے ہیں جو شمار میں نہیں آسکتے۔"

ارواح طیبہ کے خوارق عادات پھر علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔ وقد یدخل بعض الاحیاء من جدار ونحوہ علی بعض من لہ حاجۃ فیقضیھا

وذلك على خرق العادة واذا كان الله يدبر بيد الروح وهو في هذا الموطن فكذا اذا انتقل منه الى البرزخ بل هو بعد مفارقة البدن اشد تاثيرا وتدبيرا لان الجسد حجاب في الجملة الا ترى ان الشمس اشد احراقا اذا لم يحجبها غمام او نحوه۔ (روح البیان) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زندہ اشخاص کسی حاجت مند کے پاس دیوار وغیرہ سے نفوذ کرکے پہنچ جاتے اور اس کی حاجت روائی کردیتے ہیں۔ ایسا معاملہ بطور خرق عادت اور کرامت کے ہوتا ہے۔ بہرحال تدبیر امور (حکم الٰہی سے اس کی مرضی کے مطابق) جب ارواح کو حاصل ہے اور وہ روح اس جسد عنصری میں رہ کر بھی ایسی تدبیر کرسکتی ہے تو وہ جب یہاں سے جسد کو چھوڑ کر برزخ میں منتقل ہوجائے تو اس حالت میں بھی ایسی تدبیر سے قاصر نہیں رہ سکتی۔ بلکہ مفارقت بدن کے بعد روح کی تاثیر اور تدبیر قوی تر اور تیز تر ہوجاتی ہے کیونکہ روح کے حق میں یہ جسد خاکی ایک طرح کا حجاب ہی ہے۔ کیا آفتاب کو نہیں دیکھتے کہ جب اس پر ابر وغیرہ کا حجاب حائل نہ ہو تو اس کی سوزش سخت تر ہوتی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ کوئی حجاب حائل ہو۔

قوم سے خطاب سلسلۂ کلام بہت دراز ہے۔ نیز جو کچھ نقل کیا گیا یہ بھی کچھ کم نہیں اتنا بھی صرف اس لئے لکھا گیا کہ یہ دور مادیت کی ترقی کا ہے۔ اور ہر شخص ہر چیز کو مادی عینک سے دیکھنے کا عادی ہوگیا ہے جس کی وجہ سے روحانیت کا تقریباً انکار ہی کیا

جارہا ہے۔ مادیت کی ترقی کا دور جب سے شروع ہوا اس کا مضر اثر اہل علم کی ایک جماعت پر بھی پڑے بغیر نہ رہ سکا۔ ان اصحاب نے اس پر غور نہیں کیا کہ مادہ کی حیثیت روح کے مقابلہ میں ایک فضلہ کی سی ہے۔ جب مادے میں یہ صفت موجود ہے کہ اس سے ایسے محیر العقول کام انجام پا سکتے ہیں تو روح جو اس کے مقابلے میں نہایت ارفع و اعلیٰ ہے اس کے کارنامے کیسے کچھ ارفع و اعلیٰ ہونگے ؟ روح انسانی بدن میں موجود تھی اور بدن کی حیثیت اس کے حق میں ایک قید خانے سے زیادہ نہ تھی تو اس محبوس روح کی بدولت اس بدن سے کیسے کیسے علوم و فنون، سلوک و عرفان، اختراعات و ایجادات، ظہور میں آسکے تو اس قید خانے سے آزاد ہونے اور رہائی پانے کے بعد روح کی نورانیت اور لطافت کا کیا عالم ہوگا اور اس سے کیا کیا کام انجام پا سکتے ہیں اس پر بھی تو غور کیجئے۔

تدبیر عالم ملائکہ سے یہ امر مسلم ہے کہ امور عالم کی تدبیر اللہ سبحانہ نے ملائکہ کرام سے متعلق فرمائی ہے اور فالمدبرات امرا کے ذریعہ اس کی وضاحت فرما دی جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ ھم الملآئکۃ الذین وکلوا بامور عرّفھم اللہ عزّ وجلّ العمل بھا (بغوی) تدبیر امور کرنے والے وہ فرشتے ہیں جن کو خدائے عز وجل نے امور عالم پر مقرر فرمایا اور ان کو انجام دینے کے لئے

ایک ایک امر کی شناخت کرادی" کہ فلاں سے یہ کام اور فلاں سے یہ امر متعلق رہے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰنؒ بن سابط فرماتے ہیں:۔ ید تبر امر الدنیا اربعة جبرئیل و میکائیل وملک الموت واسرافیل (عبد بن حمید ابن المنذر ابن ابی حاتم بیہقی) دنیا کے جملہ امور کی تدبیر جبرئیل میکائیل ملک الموت اور اسرافیل علیہم السلام فرماتے ہیں" اور حضرت ابن عطیہ فرماتے ہیں:۔ لا احفظ خلافا فی انھا الملائکة (روح المعانی) تدبیر امور کرنے والے سب فرشتے ہیں اس میں مفسرین کا کوئی اختلاف میرے حافظے میں محفوظ نہیں ہے" اور اوپر یہ بتلا دیا گیا کہ ارواح شریفہ بدن سے جدا ہونے کے بعد فرشتوں سے ملحق ہو جاتے ہیں تو ان کا تدبیر امور میں حصہ لینا خود بخود ثابت ہو گیا اور اس میں کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ حالانکہ انسان کا فرشتوں سے ملحق ہو جانا اور تدبیر امور کرنا انسانیت کا منتہائے کمال نہیں انسانیت تو اس سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ مسجود ملائک ہے۔ فافھم و تدبّر۔

قیامت برحق ہے بہرحال نازعات' ناشطات' سابحات' سابقات اور مدبرات کی قسم کھا کر اور ان کو گواہ ٹھہرا کر یہ بتانا منظور ہے:۔ لتبعثن اے انسانو! تم کو مرنے کے بعد ضرور بضرور دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائیگا" یعنی جواب قسم لَتُبْعَثُنَّ محذوف ہے۔ بعث و نشر کا خواہ کوئی کتنا ہی انکار کرے اس کا

اپنے مقررہ وقت پر آنا برحق ہے ۔ یہ وقت کسی کو بتایا نہیں گیا لیکن اس کی علامات اور نشانیاں بتادی گئی ہیں ۔ جب ایک ایک نشانی دیکھتے جاؤ تو یقین کرتے جاؤ کہ اب اس کی آمد کا وقت آرہا ہے ۔ وہ نشانیاں کیا ہیں؟ ان میں سے بعض کی نشاندہی فرمائی جارہی ہے ۔ ارشاد ہورہا ہے :۔

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَۃُ ؕ قُلُوْبٌ 79-6 79-7

یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ ۙ اَبْصَارُهَا خَاشِعَۃٌ ۘ جس دن کانپنے لگے کانپنے 79-8 79-9

والی اس کے پیچھے آئیگی پیچھے آنے والی کتنے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہونگی ۔"

٧٩ (٦ تا ٩)

عہ قولہ تعالیٰ واجفۃ ۔ یقال وجف القلب وجیفا اضطرب من شدۃ الفزع وکذلک وجب وجیبا ۔ (روح المعانی) محاورۂ عرب ہے وجف القلب وجیفا یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ شدت کی گھبراہٹ سے دل دھڑکنے لگے ۔ وجب وجیباً کے بھی یہی معنی ہیں ۔" راغب لکھتے ہیں :۔ الوجیف سرعۃ السیر و اوجفت البعیر اسرعتہ قال فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب قیل اوجف فاعجف ای حمل الفرس علی الاسراع فھزلہ بذلک قال قلوب یومئذ واجفۃ ای مضطربۃ "مفردات" تیز رفتار کو وجیف کہتے ہیں چنانچہ اونٹ کو تیز چلاتے ہیں تو کہتے ہیں اوجفت البعیر ۔ ارشاد باری ہے: فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ۔ یعنی بنی قریظہ میں تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ سواریوں کو تیز کیا ۔" اور یہ بھی کہا گیا ہے :۔ اوجف فاعجف یعنی گھوڑے کو دوڑا دوڑا کر لاغر کردیا ۔" ارشاد باری ہے :۔ قلوب یومئذ واجفۃ ۔ یعنی اس دن دل دھڑکتے ہونگے ۔" یعنی اسدن دلونکی حرکت تیز سے تیز تر ہوجائے گی ۔

زلزلوں کا آنا علامت قیامت

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ترجف الراجفة رجفا وتزلزل باهلها وهي التي يقول الله يوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة يقول مثل السفينة في البحر تكفأ باهلها مثل القنديل المعلق بارجائه۔ (ابو الشیخ ابن مردویہ)

آیہ کریمہ یوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة سے مراد یہ ہے کہ کانپنے والی اور تھرتھرانے اور لرزنے والی خوب کانپنے اور تھرتھرانے اور لرزنے لگیگی تو اپنے اوپر اور اندر جو جو چیزیں ہیں ان سب میں زلزلہ پڑجائے گا جیسے سمندر میں کشتی یا جہاز ہوتا ہے تو سمندر کا پانی ہلتا ہوا رہنے سے کشتی بھی ہلتی رہتی ہے اور کشتی میں جو چیزیں ہوتی ہیں وہ بھی سب ہل کر الٹ پلٹ ہو جاتی ہیں یا جیسے قندیل کسی ایک کنارے پر لٹکی ہوئی ہو تو (وہ ہوا سے) جھونکے کھاتی رہتی ہے۔" مطلب یہ کہ قیامت کے قریب زلزلہ آتا رہیگا جس سے تمام عالم تہ وبالا ہو جائیگا۔ گویا زلزلوں کا ایک سلسلہ قائم ہو جانا قیامت کی علامت ہے۔

قرب قیامت میں ذکر اللہ کی اہمیت

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں:۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ذهب ربع الليل قام فقال يا أيها الناس اذكروا الله اذكروا الله جاءت الراجفة تتبعها الرادفة

جاء الموت بما فیہ۔ (امام احمدؒ، ترمذی، عبد بن حمید، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب رات کا چوتھائی حصہ گزر جاتا تو اٹھ جاتے اور فرماتے کہ لوگو! اللہ کی یاد کرو، اللہ کی یاد کرو، ہلا دینے والی چیز آچکی، اسکے پیچھے آنے والی بھی پیچھے پیچھے آرہی ہے۔ یعنی موت اپنے لوازم کے ساتھ آ کھڑی ہوئی ہے"۔ نماز عشا کی اس طرح تیاری فرمائی جاتی تھی۔

راجفہ اور رادفہ نفخ صور ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ هما الصیحتان اما الاولی فتمیت کل شیئ باذن اللہ واما الاخری فتحیی کل شیئ باذن اللہ (عبد بن حمید) کپکپی پیدا کرنے والی اور اس کے پیچھے آنے والی چیز سے مراد دو صور ہیں (جو یکے بعد دیگرے پھونکے جائیں گے ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا) پہلے صور پر ہر چیز حکم خدا سے فنا ہو جائیگی اور دوسرے صور پر ہر چیز اللہ سبحانہ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہو جائے گی"۔ حضرت حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

زلزلے نفخ صور کے نتائج حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ ترجف الارض والجبال وهی الزلزلة تتبعها الرادفة قال دُکتا دکّة واحدة۔ (عبد بن حمید، بیہقی) ساری زمین اور پہاڑ کانپ اٹھیں گے۔ دراصل یہ ایک زبردست زلزلہ ہے

اس کے بعد پھر ایک زلزلہ ہوگا جس سے تمام زمین اور اس کے پہاڑ چور چور ہو جائینگے"۔
یعنی جب صور پھونکا جائیگا تو روئے زمین پر زلزلہ آجائیگا یہاں تک کہ پہاڑ بھی کانپنے
اور لرزنے لگیں گے اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے"۔ راجفہ
اور رادفہ سے مراد نفخ صور ہو یا زلزلہ ان دونوں میں منافات نہیں ہے۔ نتیجہ
دونوں تفسیروں کا ایک ہی ہے۔ نفخ صور سبب ہے زلزلہ کا۔ صور پھونکا جائے گا تو
اس سے ساری زمین تہ و بالا ہو جائیگی۔ پہلے صور پر زمین کے موجودات فنا ہو جائینگے
اور دوسرے صور پر سب کے سب دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ
جب روئے زمین کی کائنات پہلی آواز پر فنا اور دوسری پر سب زندہ ہو جائیگی تو
ان کے قلوب کا کیا حال ہوگا اس کو بیان فرمایا جا رہا ہے :۔

قیامت میں کفار کی سراسیمگی

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۔ کتنے دل اس دن دھڑکتے ہونگے کہ یہ کیا ہو گیا۔ کفار کہینگے کہ دوبارہ زندہ ہونیکا
ہم سب مدۃ العمر انکار کرتے رہے نہ اللہ سبحانہ کی کتابوں کو مانا اور نہ پیغمبروں کے
فرمانے کو تسلیم کیا۔ آخر کار آج انہی کی باتیں صحیح ثابت ہوئیں اور وہی روز بد ہمارے
حق میں پیش آیا۔ اب جو جو پیشین گوئیاں اس سلسلہ میں سنائی گئی تھیں وہ سب ایک
ایک کر کے ہمارے سامنے آئینگی اور بہت بری صورت حال سے ہم کو سابقہ پڑیگا۔

اب مارے ندامت اور شرم کے ان کی نظریں نیچی ہو جائینگی اور گردنیں جھک جائینگی،
لیکن اس ندامت اور شرم سے اب کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے کارآمد ہونے کا
مقام حیات دنیا کا تھا۔ وہ موقع تو جاتا رہا۔ یہ حال منکرین اور کفار کا ہوگا اور
جو مومنین مصدقین تھے وہ مطمئن رہیں گے۔ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔
ان کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے" لا یحزنھم الفزع الاکبر
وتتلقٰھم الملائکة ھذا یومکم الذی کنتم توعدون نحن اولیاؤکم
فی الحیٰوة الدنیا وفی الآخرة۔ یہ عالمگیر گھبراہٹ ان کو غمگین نہ کرے گی اور
ان سے فرشتے یہ کہہ کر ملاقات کرتے جائیں گے کہ جس دن کا وعدہ تم سے کیا جاتا رہا
وہ یہی ہے ہم تمھارے دوست اور مددگار حیات دنیا میں بھی تھے اور آج عالم آخرت
میں بھی تمھارے معین و مددگار ہیں"

کفار و منکرین سے بعث بعد الموت کا یہ بیان اس توضیح و تشریح کے ساتھ جب کیا جاتا ہے تو اس کو تسلیم کرنے اور مان لینے کی جگہ ان کا کیا جواب ہوتا ہے اس کو آگے بیان فرمایا جا رہا ہے :—

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ[1] ۝ أَإِذَا كُنَّا 79-10
عِظَامًا نَّخِرَةً[2] ۝ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ کہتے ہیں کیا ہم 79-11 79-12
الٹے پاؤں لوٹائے جائیں گے درحالیکہ کھودی ہوئی قبروں میں (دفن) ہوں گے؟
کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں گلی ہوئی؟ بولے یہ پلٹنا تو ہوگا نرا ٹوٹا۔

قیامت کے بیان پر کفار کا تمسخر یعنی کفار نہایت ہی استعجاب اور استبعاد

---

۱ حافرۃ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں لیکن حضرت مجاہد فرماتے ہیں :— الحافرۃ القبور المحفورۃ۔ (روح المعانی) حافرہ سے کھودی ہوئی قبریں مراد ہیں۔" ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے بعض دیگر اقوال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۲ نخرۃ من نخر العظم ای بلی وصار اجوف تمر فیه الریح فیسمع له نخیر ای صوت (روح المعانی) محاورۂ عرب نخر العظم سے نخرۃ لیا گیا ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ ہڈی بوسیدہ ہو کر اندر سے کھوکھلی ہو جائے پھر ہوا چلے تو اس میں داخل ہونے سے (سیٹی کی سی) آواز آنے لگے۔"

کے ساتھ کہتے ہیں کیا ہم پھر رجعت قہقری کرکے قبروں سے نکالے جاکر دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور زمین پر لائے جائیں گے؟ پھر استہزا و تمسخر کی راہ سے پوچھتے ہیں کیا جبکہ ہم قبروں میں گلنے سڑنے اور ہماری ہڈیاں تک بوسیدہ اور چورچور ہو جانے کے بعد بھی تازہ و توانا ہو کر از سر نو زندہ کئے جائیں گے؟ کفار نے یہ بھی کہہ دیا کہ بالفرض اگر ایسا ہی ہوگا تو یہ ہماری دوبارہ واپسی کیا ہوئی نقصان ہی نقصان اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ یہ بھی محض ٹھٹے اور مذاق کے طور پر کہہ دیا ہے۔ نقصان اور گھاٹے کو مان کر نہیں کہا بلکہ پیغمبر اور مسلمان ایسا کہتے ہیں لیکن یہ بات حقیقت سے دور ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں۔

79-13 79-14 فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۙ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ۝ وہ تو صرف ایک
ڈانٹ ہوگی پھر وہ یکایک روئے زمین پر آموجود ہوں گے۔"

ع السَّاهِرَة قيل وجه الارض وقيل هي ارض القيامة وحقيقتها التي يكثر الوطء بها فكأنما سهرت بذلك اشارة الى قول الشاعر - ع

تحرك يقظان التراب ونائمه والاسهران عرقان في الانف (مفردات)

روئے زمین کو ساہرۃ کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ قیامت کی زمین ہے۔

قیامت کا جھٹکہ قیامت جس کا کفار انکار کرتے ہیں اور اس کو مستبعد خیال کرکے ہنسی مذاق میں اڑا رہے ہیں گو وہ کفار کے نزدیک بہت بڑی بات بلکہ محال سمجھی جاتی ہو لیکن ہمارے نزدیک اس کو قائم کرنا بالکل معمولی سی بات ہے اور ہماری قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں۔ وہ تو ایک جھٹکہ ہے یا صرف ایک ڈانٹ اور جھڑکی۔ کسی کو ڈانٹنے اور جھڑکنے میں دیر نہیں لگتی وہ تو ایک آن کی بات ہے۔ ادھر ڈانٹ بتائی اور وہ ادھر آموجود ہوئی۔ اسی طرح ہم روز قیامت میں جب تمام زندوں کو مردہ کرنے یا مردوں کو زندہ کرنے کا حکم دیں گے تو ہمارے حکم کے مطابق ہر چیز ہو رہیگی۔ یعنی ایک نفخۂ صور میں سب کے سب مردہ ہو جائیں گے۔ اور دوسرے نفخہ میں تمام کے تمام زندہ ہو کر میدان حشر میں آکھڑے ہو جائیں گے۔ کچھ بھی دیر نہ لگیگی۔ کفار اسکو محال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور حقیقت میں ساھرۃ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر آمد و رفت بکثرت رہتی ہے گویا وہ اس وجہ سے جاگتی ہی رہتی ہے۔ اس میں شاعر کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:۔ تحرك يقظان التراب و نائمه۔ یعنی (فوجوں کی نقل و حرکت سے) جاگتی اور سوتی زمین حرکت میں آگئی۔" ناک میں دو رگیں ہوتی ہیں انکو اسھران کہتے ہیں۔" اس بنا پر کہ وہ ہمیشہ رات دن کام کرتی رہتی ہیں کبھی ان کو سکون نہیں رہتا۔ واللہ اعلم۔

سمجھتے ہیں سمجھا کریں۔ ہمارے کسی کام کے لئے کوئی احتیاج نہیں کُن کے ساتھ ہی یکون
یعنی وہ پوری طرح تکمیل پا جاتا ہے۔ آگے اس کی ایک مثال پیش کیجا رہی ہے۔

79-15
79-16
79-17
79-18
79-19
79-20

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰىۘ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ
الْمُقَدَّسِ طُوًىۚ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰىۖ فَقُلْ هَلْ
لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰىۙ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰىۚ فَاَرٰىهُ
الْاٰيَةَ الْكُبْرٰىۖ (اے نبی!) کیا آپ کو پہنچی ہے خبر موسیٰ کی جبکہ پکارا انکو
ان کے پروردگار نے پاک میدان میں طُویٰ کے، تم جاؤ فرعون کے پاس بے شک وہ
سرکش ہو گیا ہے، پھر کہو کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے اور راہ بتاؤں تجھکو تیرے
رب کی پھر تجھکو اس کا ڈر لگتا رہے۔ چنانچہ (وہ اس کے پاس گئے) پھر اس کو بڑی
نشانی دکھائی۔"

حدیث موسیٰ قیامت کے قائم ہونے کو کفار مکہ مستبعد خیال کرتے ہیں اور وہ
اس پر ایمان نہیں لاتے اور ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کی سرکشی اور
طغیان سے دلگیر رہتے ہیں تو اللہ سبحانہ نے آپ کی تسلی خاطر اور قوم کی عبرت کیلئے
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشہور واقعہ کی طرف آپ کی توجہ معطوف کرائی! ارشاد
ہو رہا ہے کہ اے نبی کریم! کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ یہاں حیرانی تھی کہ

موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تو بہت سارے مشہور ہیں کس واقعہ کی جانب ایما فرمایا جارہا ہے ؟ تو ارشاد ہو رہا ہے ۔ اجی وہ واقعہ جبکہ موسیٰ شہر مدین سے نکل کر مصر جارہے تھے راستے میں جب وادی مقدس پہنچے تو رب العزت جل جلالہ سے ہم کلامی کی دولت سے مشرف ہوئے ۔ اسی سلسلہ میں ان کو حکم ہوا کہ موسیٰ ! آپ فرعون کے پاس جائیے کیونکہ وہ سر چڑھ رہا ہے اور اس کی انانیت حد سے بڑھ گئی ہے ۔ اس سے کہو کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے ؟ اور کیا تجھے معرفت الٰہی کی راہ بتاؤں جس سے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی عظمت تیرے دل میں قائم ہو اور تیرا ہر کام صحیح طریقہ پر رہے اور تیرا ہر قدم خداوند کی رضا و خوشنودی میں اٹھے ۔ جس سے تجھے دارین کی فوز و فلاح حاصل ہو ؟ آپ نے ایسی سلجھی ہوئی تقریر نرمی و ملاطفت کے ساتھ اسلئے فرمائی کہ اللہ سبحانہ کا حکم ہی ایسا تھا چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے :۔ فقولا لہ قولا لینا ۔ وہاں فرعون کے پاس جاکر اس سے نرم پیرایہ میں گفتگو کرنا ۔

فرعون سے مشفقانہ گفتگو سُدّی کہتے ہیں :۔ قال موسیٰ یا فرعون ھل لک فی ان اعطیک شبابک لا تھرم و ملکک لا ینزع منک و ترد الیک لذۃ المناکح والمشارب والرکوب واذا مت دخلت الجنۃ و تؤمن بی ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں تقریر فرمائی کہ فرعون ! کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ میں تیری

جوانی تجھ پر بحال کردوں اور تیری سلطنت تیرے ہاتھ سے نکل نہ سکے۔ نکاح کی لذت، کھانے پینے اور سواری کا لطف (جو جوانی میں تھا) وہ دوبارہ تجھ پر عود کرآئے۔ پھر مرنے کے بعد تو جنت میں رہے۔ (اس کی ایک ہی صورت ہے کہ) تو مجھ پر ایمان لائے" (اور میری باتوں کا یقین کرے)۔

فرعون کا تاثر اور ہامان کا گمراہ کن مشورہ

فوقعت فی نفسه هذه الكلمات وهی اللينات قال لما انت حتی یأتی هامان فلمّا جاء هامان اخبره فعجزه هامان وقال تصیر تعبد اذ کنت ربّا تُعبد فذلك حین خرج علیهم فقال لقومه وجمعهم انا ربّكم الاعلیٰ۔ (ابن ابی حاتم) یہ تقریر اس کے دل میں اتر گئی اور نرم گفتگو یہی تھی۔ یہ سن کر فرعون نے کہا کہ آپ یہیں ٹھہرے رہیں تاآنکہ ہامان آجائے۔ پھر جب ہامان آیا تو اس سے یہ ماجرا بیان کیا۔ ہامان نے اس کو فرعون کی کمزوری پر محمول کیا اور کہنے لگا تو خود "ربّ" کہلاتا ہے تیری پرستش ہوتی ہے، کیا اب تو بندہ بن کر پرستش کیا کریگا؟ اس گمراہ کن مشورہ کے بعد فرعون اپنی قوم کے آگے برآمد ہوا اور ان سب کو جمع کرکے کہا کہ میں ہی تمہارا سب سے بلند تر آقا و مالک ہوں"۔

آیت کبریٰ کی نمائش

پھر اس کے بعد کیا ہوا اوس کا بیان فرمایا جا رہا ہے

فاراه الآیة الکبریٰ ۔ یعنی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر معجزہ بتاؤں تو تو مجھ پر ایمان لائیگا؟ اس نے اس کو منظور کرلیا۔ اس پر آپ نے عصا کو زمین پر ڈال دیا عصا کو زمین پر ڈال دینا ہی تھا کہ وہ ایک زبردست اژدہا بن گیا اور فرعون کے محل کی طرف گھورنا شروع کیا۔ فرعون اس سے بہت پریشان ہوا اور بدحواس ہوکر التجا کرنے لگا کہ موسیٰ! آپ نے یہ کیا کیا؟ ہم کو اس سے بچائیے۔ کہتے ہیں کہ اژدہے کو دیکھتے ہی قوم میں بھگدڑ مچ گئی اور سینکڑوں آدمی اس چپیٹ میں آکر ضائع ہوگئے۔ فرعون کی التجا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدہے کو اٹھالیا تو وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا۔ اس پر فرعون کہنے لگا کہ یہ کوئی معجزہ نہیں ہے بلکہ جادو کا کھیل ہے۔ ایسے جادوگر ہمارے ملک میں بہت ہیں ان سے مقابلہ کرلو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے :۔

فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۝ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ۝ فَقَالَ أَنَا 79-21 79-22
رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝ پھر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر (حق کے مقابلہ میں) کوشش کرنے 79-23 79-24
کے لئے پیٹھ پھیرلی پھر اس نے (سب کو) جمع کیا پھر اعلان عام کیا چنانچہ اس نے کہا
میں ہی تمھارا رب ہوں سب سے بلند مرتبہ والا"

۷۹(۲۱ تا ۲۴)

موسیٰ کیساتھ فرعون کا مقابلہ | پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو جھٹلایا

اور ایمان لانے پر جو آمادگی ظاہر کی تھی اس کا خلاف کیا اور آپ کے بتائے ہوئے معجزے کا مقابلہ کرنا چاہا۔ آپ کی طرف سے منہ پھیر کر اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوا اور حکم دیا کہ ہمارے ملک میں جس قدر جادوگر ہیں ان سب کو جمع کیا جائے۔ جب وہ آموجود ہوئے تو منادی کے ذریعہ اعلان عام کیا کہ موسیٰ کہتے ہیں کہ وہ رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں حالانکہ تم سب کو معلوم ہے کہ تمھارا سب سے بلند مرتبت والا رب میں خود ہوں۔ مجھ سے بڑا اور بلند و برتر دوسرا رب کون ہو سکتا ہے؟

ادعائے ربِ اعلیٰ کی وضاحت تفسیر کاشفی میں ہے:۔ اصنام کہ برصورت من اند ہمہ ایشاں خدایانند و من از ہمہ برترم۔ یہ بت (مجسمے اور پتلے جو ملک میں جا بجا نصب کئے گئے ہیں) جو میری صورت و شکل پر تراشے گئے ہیں یہ سب خدا ہیں اور میں ان سب سے بلند و برتر ہوں۔" چنانچہ فی زمانا بھی یہ امر شاہد ہے کہ چوراہوں اور لوگوں کے جمع ہونے کے مقامات پر سرگروہان قوم کے مجسمے اور پتلے جا بجا کھڑے کئے گئے ہیں۔ نیز دفاتر، مدارس، اسٹیشنوں، دواخانوں وغیرہ پر تصویریں آویزاں کیجاتی ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ اب کوئی ان کو خدا نہیں سمجھتا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا اثر ہے کہ خدا کیا ہے اس کے صفات و افعال کیا ہیں انکی پوری پوری شناخت آپ نے کرادی۔ چنانچہ چودہ سو سال گزر رہے ہیں اب تک کسی نے نمرود اور

اور فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ لوگوں نے کسی انسان کو خدا تسلیم کیا۔ قد تبین الرشد من الغی۔ راہ نجات اور گمراہی دونوں کا فرق اچھی طرح واضح ہو چکا" اب کتنی ہی بڑی خوبصورت تصاویر یا مجسمے اور مورتیاں بنا بنا کر آویزاں کی جائیں یا منج کے مقامات پر کھڑی کی جائیں لیکن ان کو ایک نقش یا پتھر ہی خیال کیا جاتا ہے ان کو کوئی خدا نہیں سمجھتا۔ ایسے کفر و شرک جلی سے تو عام طور پر نجات مل چکی ہے لیکن قدیم گمراہی کا کچھ نہ کچھ اثر باقی ہے۔ واللہ الموفق۔

منصور حلاج اور فرعون کا فرق

شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر مراقبہ کیا تو ان کی روح کو علیین میں پایا۔ حیران ہو کر بارگاہ الٰہی میں مناجات کی۔ پروردگار من! یہ کیا ماجرا ہے کہ فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا تو سجین اس کی روح کا مستقر ٹھہرا اور منصور نے انا الحق کا نعرہ لگایا تو ان کی روح کو علیین میں ٹھہرایا گیا ہے۔ انا الحق اور انا ربکم میں کیا فرق تھا؟ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے ندا آئی کہ فرعون انانیت اور خود بینی میں گرفتار تھا۔ کائنات میں جو کچھ ہے اور ہو رہا ہے اس کا کرتا دھرتا خود ہی کو خیال کیا اور انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرنے لگا۔ اور منصور نے ہم کو دیکھا اور اپنی ساری کائنات کی خودی کو گم کیا اور انا الحق کا نعرہ

بلند کیا۔ دونوں کا فرق بالکل ظاہر ہے " چنانچہ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں :-

گفت فرعونے انا الحق گشت پست — گفت منصورے انا الحق و برست

آں انا را لعنۃ اللہ در عقب — ویں انا را رحمۃ اللہ اے محب

زانکہ او سنگ سیہ بود ایں عقیق — آں عدوِ نور بود و ایں عشیق

ایں انا ھو بود در سرائے فضول — نہ ز رائے اتحاد و از حلول

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ 79-25 79-26

لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ پھر گرفتار کیا اس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی اور دنیا

کی بے شک اس میں سوچنے کی جگہ ہے جس کو ڈر ہے "

فرعون کا انجام اور درسِ عبرت

یعنی فرعون اپنی اس انانیت اور تکبر کی سزا میں یہاں دنیا میں پانی میں غرق ہوا اور وہاں آخرت میں دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوا۔ فرعون کے دن دھاڑے ڈوبتے وقت اسکی بڑی بھاری فوج اسکے ساتھ تھی مگر اس کو غرق ہونے سے کچھ بھی نہ بچا سکی۔ نیز فرعون کے ساتھ اسکی پوری فوج بھی غرقاب ہوگئی۔ ہمارے حکم کے آگے ان سب کی کچھ نہ چل سکی۔ رہی آخرت کی سزا اس سے ان کو کون بچا سکتا ہے' وہ دن تو ایسا ہے کہ ہر کوئی شخص نفسی نفسی کہتا ہوگا۔ نہ کسی کی حکومت رہیگی نہ اس کا کوئی یار و مددگار۔ غور کرو کہ اللہ کے پیغمبر کو

جھٹلانے والوں کا یہ حشر ہوا کہ چشم زدن میں فرعون اور اس کا لشکر روز روشن میں اس طرح ہلاک و برباد ہوا تو قیامت کا دن جب آئے گا تو صور پھونکا جانے کے ساتھ ہی اسی طرح ساری دنیا تہ و بالا ہو جائیگی۔ فانما ھی زجرۃ واحدۃ فاذا ھم بالساھرۃ۔ قیامت بھی ایک ڈانٹ اور جھڑکی ہے کہ جھڑکی کے ساتھ ہی یا تو وہ اس عالم میں تھے یا اس عالم میں پہنچ گئے۔ اسیطرح دوسرے صور پر یا تو وہ عالم برزخ میں تھے یا دار آخرت میں منتقل ہو گئے۔ فرعون اور اس کے تمام لشکر کو پلک جھپکنے میں یہاں سے وہاں پہنچا دینا ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہ ہوا تو قیامت کا انقلاب کیونکر دشوار گزار ہو گا۔ دنیا تو آخرت کا نمونہ ہے یہاں کا حال دیکھ کر آخرت کو اس پر قیاس کر لیا جائے۔ مگر ایسا وہی کر سکتے ہیں جن کے دل پر اللہ سبحانہ کی عظمت کا سکہ جما ہوا ہے۔ اور عظمت الٰہی کسی کے دل پر قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کو معرفت الٰہی حاصل نہ ہو۔ اِنَّمَا یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ۔ اللہ سبحانہ کی خشیت انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو اس کو جانتے ہوں۔ جاہل یا کوئی کندۂ ناتراش کیا جانے۔ یہی حال کفار قریش کا ہے کہ وہ نرے جاہل ہیں۔

فرعون کی بد انجامی معلوم تھی صخر بن جویریہ کہتے ہیں:۔ لما بعث اللہ موسی الی فرعون قال اذھب الی فرعون انہ طغی الی قولہ واھدیك الی ربك فتخشی ولن یفعلہ فقال موسی یارب کیف اذھب الیہ وقد علمت انہ لا یفعل

فاوحی اللہ الیہ ان امض لما امرت بہ فان فی السماء اثنی عشر الف ملکا یطلبون علم القدر فلم یبلغوہ ولم یدرکوہ ۔ (عبدالرزاق' ابن المنذر) جب اللہ سبحانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجنا چاہا تو ان کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ کیوں کہ وہ بہت سر اٹھایا ہے۔ اس سے کہو کہ میں تجھے تیرے آقا اور رب کی راہ دکھاتا ہوں جس سے اللہ سبحانہ کی عظمت قائم اور اس کی خشیت تیرے دل میں پیدا ہو۔" (ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ) فرعون ایسا کبھی نہ کریگا۔ یعنی نہ وہ آپ کی بات مانے گا اور نہ آپ کی نصیحت کا اس پر کوئی اثر ہوگا۔ اس پر حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔ پروردگار من! میں اس کے پاس کیسے جاؤں جب آپ کو خوب معلوم ہے کہ وہ نصیحت پزیر نہ ہوگا۔ اس پر آپ کے ہاں وحی الٰہی آئی کہ (موسیٰ! تم کو ان سب باتوں سے کیا کام؟) جو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق روانہ ہو جاؤ (یہ اسرار قدر ہیں) آسمان میں بارہ ہزار فرشتے ایسے ہیں جو اسرار قدر (تقدیر کے راز) ڈھونڈنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن ان کو اس کا سراغ لگ نہ سکا اور نہ اس کا ادراک تک کر سکے۔" مطلب یہ ہے کہ علم الٰہی اور ہے اور اجرائے احکام اور شئی۔ اجرائے احکام کا کم از کم یہ فائدہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی حجت پوری ہو جاتی ہے۔ مخاطب کو اس کے بعد چون وچرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ نیز یہ کہ علم الٰہی کسی کی قوت ارادی اور اس کے اختیار واقتدار کے لئے مانع ومزاحم نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے اختیار سے ہر کام کرتا اور اکی

جزا کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۟ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۙ

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۠ کیا تمھارا بنانا مشکل تر ہے یا آسمان کا، اس نے

اس کو تو بنا لیا، اونچا کیا اس کا ابھار، پھر اس کو ٹھیک کیا، اور اندھیری کی اس کی رات،

اور کھول نکالی اس کی دھوپ"۔

آسمانوں اور انسانوں کا فرق

حدیث موسیٰ اور قصۂ فرعون کا بیان بطور تمثیل یا جملۂ معترضہ درمیان آ گیا تھا۔ یہاں سے پھر اصل مضمون بیان احوال قیامت اور حشر و نشر کی ظرف

ع اغطش ليلها اى جعله مظلما۔ يقال غطش الليل واغطشه الله تعالى كما يقال ظلم اظلمه ويقال ايضا اغطش الليل كما يقال أظلم وجاء ليلة غطشاء وليل اغطش وغطش قال الاعشى ۔ عقرت لهم ناقتى موهنا + فليلهم مدلهم غطش۔ وفى البحر عن كتاب اللغات فى القرآن اغطش اظلم بلغة انمار و اشعر۔ (روح المعانى) اغطش ليلها سے مراد یہ ہے کہ رات تاریک بنائی" محاورۂ عرب میں غطش الليل و غطشه الله تعالى کہتے ہیں جیسا کہ ظلم و اظلمہ کہا جاتا ہے۔ (مطلب یہ کہ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے) اور اغطش الليل بھی کہا جاتا ہے جیسے اظلم کہتے ہیں۔ اور محاورۂ عرب میں ليلة غطشآء اور ليل اغطش و غطش بھی مستعمل ہے۔ اعشیٰ شاعر کا قول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: "میں نے ان مہمانوں کے لئے رات کا کچھ حصہ گزرنے کے باوجود اپنی سواری کی اونٹنی کاٹ ڈالی کیونکہ ان کی رات بغیر اس کے گھٹن اور تاریک رہ جاتی" اور تفسیر بحر المحیط میں کتاب اللغات فی القرآن سے منقول ہے کہ اغطش بمعنی اظلم قبیلۂ انمار اور اشعر کی بول چال ہے"۔ واللہ اعلم۔

رجوع فرمایا جارہا ہے۔ ارشاد ہورہا ہے کہ اے کفار مکہ! کیا تمہاری آفرینش جو مادہ سے ہوئی وہ سخت تر اور دشوار گزار ہے یا آسمانوں کا پیدا کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ آدم کی آفرینش کا حال یہ ہے کہ آدم سے پہلے خاک، آب، ہوا، اور نار، یہ عناصر اربعہ موجود تھے۔ ان ہی عناصر اربعہ سے آدم کو بنایا گیا جس کا مادہ پہلے سے موجود تھا لیکن آسمانوں کی تخلیق جس وقت عمل میں آئی مادہ کا وجود نہ تھا۔ اقتضائے عقل وقیاس یہ ہے کہ خام مادہ سے کسی چیز کا بنانا دشوار نہیں لیکن جب کسی چیز کا مادہ ہی موجود نہو تو اس کو بنانا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہماری قدرت کاملہ کا حال یہ ہے کہ کچھ موجود نہ ہونے پر بھی ہم نے آسمانوں کو بنایا کتنا بلند وسیع وعریض، بے ستون، صاف ہموار، مضبوط، کیسی اس کی ترتیب، کیسا اس کا باقاعدہ نظم کہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس کا نظام قائم و برقرار ہے۔ پھر نہ صرف آسمانوں کو بنایا بلکہ اس کے علاوہ رات کی تاریکی اور دن کی روشنی بھی ہماری ہی قدرت سے وجود میں آئی۔ بہر حال کسی چیز کو بنانا اس کا مادہ موجود ہو یا نہو دونوں ہمارے نزدیک کوئی دشوار نہیں۔ اور خود تم جس کو مادہ کہتے ہو وہ بھی ہمارا ہی بنایا ہوا ہے تو ایسی حالت میں تم کو قبروں سے دوبارہ زندہ کرکے اٹھانا جبکہ تمہارا مواد موجود ہو ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝ 79-30
79-31
وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ اور زمین کو اس کے پیچھے 79-32
79-33

صاف بچھادیا' اس زمین سے اس کا پانی باہر نکالا اور اس کا چارا (بھی) اور پہاڑوں کو گاڑ دیا' فائدے کے لئے تمھارے اور تمھارے چوپایوں کے۔"

زمین اور اسکی برکتیں یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کیا کہ آسمانوں کو بنایا' اور تاریک رات اور روز روشن کو وجود بخشا بلکہ زمین کو صاف مسطح کرکے بچھادیا' اسمیں ندی' چشمے' تالاب' نہریں نکالیں اور ساکنین ارض کے لئے دانے چارے کا انتظام فرمایا اور نظام ارضی کی برقراری کے لئے اس میں پہاڑوں کو گاڑ دیا تاکہ کسی قسم کی لغزش زمین میں نہ پیدا ہو۔ یہ تمام کام اے اولاد آدم! تمھارے اور تمھارے چوپایوں کے فائدے کیلئے کیئے گئے۔ تاکہ تم اس سے منتفع ہوکر اللہ سبحانہ کے احسانات کا شکر کرتے رہو۔

ایک شبہہ کا ازالہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ان رجلا قال له آیتان فی کتاب اللہ تخالف احداھما الاخری فقال انما اتیت من قبل رأیك اقرأ قل أئنكم لتكفرون بالذی خلق الارض فی یومین حتی بلغ ثم استوی الی السماء وھی دخان وقوله والارض بعد ذلك دحاھا قال خلق الارض قبل ان یخلق السماء ثم خلق السماء ثم دحی الارض بعد ما خلق السماء وانما قوله دحاھا بسطھا۔ (عبد بن حمید' ابن ابی حاتم) ایک شخص نے ان سے (ابن عباسؓ سے) پوچھا کہ کتاب اللہ میں دو آیتیں ایسی ہیں جو

ایک دوسری کی مخالف معلوم ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے محض اپنی رائے ایسی قائم کر لی ہوگی پڑھو وہ کونسی آیات ہیں؟ اس شخص نے کہا ایک یہ کہ قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین سے وھی دخان تک (جس میں ارشاد ہو رہا ہے اے نبی کریمؐ! آپ ان قریش مکہ سے فرمایئے کیا تم منکر ہو اس کے جس نے بنائی زمین دو دن میں اور برابر کرتے ہو اس کے ساتھ اوروں کو وہ ہے رب تمام جہانوں کا اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں اس میں غذا وغیرہ انکی چار دن میں پورا جواب ہوا پوچھنے والوں کا پھر قصد کیا آسمان کا اور وہ دھواں تھا" ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے بنائی گئی اور آسمان اس کے بعد بنائے گئے) اور دوسری جگہ یہ ارشاد ہے :۔ والارض بعد ذلك دحاھا۔ اور زمین کو آسمان کے پیچھے صاف بچھا دیا" اس سے پایا جاتا ہے کہ آسمان پہلے بنائے گئے اور زمین اس کے بعد ۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زمین کو آسمان سے پہلے بنایا اس کے بعد آسمان بنائے۔ پھر آسمانوں کو بنانے کے بعد زمین کو صاف بچھا دیا" بہر حال زمین کو پیدا کرنا جدا امر ہے اور اس کو صاف بچھا دینا جدا ۔ زمین کی آفرینش آسمان کی آفرینش سے پہلے ہوئی اور زمین کا بسط یعنی اس کو پھیلانا اور بچھانا آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہوا۔ لہذا ان آیات میں کوئی تخالف نہیں ہے ۔ واللہ اعلم ۔

معاش انسانی کا انتظام | اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعَاهَا وَالْجِبَالَ اَرْسَاهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ "باہر نکالا اس زمین سے اس کا پانی، اور اس کا چارہ اور پہاڑوں کو گاڑ دیا، فائدے کے لئے تمھارے اور تمھارے چوپایوں کے"۔ یعنی زمین کے اندر سے پانی نکال باہر کیا۔ قدرتی چشمے جو زمین سے پھوٹ نکلتے ہیں، ندیاں، نالے اور اسی میں داخل ہیں کنوئیں جو تم زمین کو کھود کر نکالتے ہو اور نہریں جن کو انسان کاٹ کر نکالتے ہیں، نیز تالاب اور کنوئے جن کو لوگ بنالیتے ہیں۔ اس کی تدبیر سکھائی۔ اس پانی کی بدولت نباتات اوگتے ہیں، غلے، میوے، پھل پھول اور کیمیاوی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں، گھنے درخت جو سایہ دیتے اور ان کے سوکھنے پر ان کی لکڑی سے عمارات تعمیر کئے جاتے۔ میز، کرسی، پلنگ، چوکیاں اور دیگر تمام کار آمد اشیاء بنائے جاتے اور کچھ نہیں تو لکڑی ایندھن بنانے اور جلانے کے کام آتی ہے۔ یہ تو انسان کی متاع ومنفعت کی چیزیں ہوئیں، ان کے پتے تمھارے چوپایوں کا چارہ اور ان کی غذا کا کام دیتے ہیں۔ اور چوپایوں سے تم اپنی ضروریات مایحتاج پوری کرتے ہو۔ پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دینے سے زمین ساکن ہوگئی۔ زمین کو پانی پر بچھا دینے کی وجہ سے زمین ہلتی تھی۔ پہاڑوں کی بدولت اس کو سکون میسر ہوا۔ اب تم اس پر آرام سے رہتے بستے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ہو۔ غور کرو یہ کیسی زبردست عظیم الشان نعمتیں ہیں جو تم کو

صفت دی گئیں۔ تم نے اس سے پیشتر کوئی عمل نہیں کیا تھا جو ان نعمتوں کو تمھارے اعمال کا صلہ تصور کیا جائے بلکہ یہ خلاق عالم کی خالص عطا ہے۔ یہ تمام کام تو ہم کریں اور تم ہمارا ہی انکار اور ہمارے رسولوں اور ہماری کتابوں کی تکذیب کر رہے ہو۔ اور حشر و نشر کا انکار کرتے ہو۔ اگر حشر و نشر نہ ہو تو ان تمام چیزوں کی آفرینش عبث ٹھہر گئی۔ کیا تم کو اتنی عقل اور اتنی سمجھ بوجھ نہیں؟

(۷۹ - ۳۴ تا ۳۶)

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ 79-34 79-35
مَا سَعٰى ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ 79-36
جس دن کہ یاد کریگا آدمی جو اس نے کمایا اور نکال ظاہر کردیں دوزخ کو کہ جو چاہے دیکھے۔"

عہ الطمّ البحر المطموم یقال له الطمّ والرمّ وطمّ علی کذا وسمیت القیامۃ طامّۃ لذلك قال واذا جاءت الطامّۃ الکبری۔ (مفردات) بھرے ہوئے ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر کو طمّ کہتے ہیں اور اس کو طمّ و رمّ بھی کہتے ہیں۔ محاورہ ہے طمّ علی کذا۔ اس پر غالب آیا۔ قیامت کا نام طامّۃ اسی غلبہ کی وجہ سے رکھا گیا کہ وہ تمام آفات پر غالب ہے۔ ارشاد باری ہے فاذا جاءت الطامّۃ الکبری۔ "پھر جب آجائے سب سے بڑا ہنگامہ جو تمام ہنگاموں پر غالب ہوگا۔" یعنی قیامت کہ اس سے بڑا ہنگامہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ہنگامۂ محشر احوال معاش اور اسباب زندگی کے بیان کے بعد، احوال معاد یعنی قیامت اور حشر و نشر کا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کفار اس کا انکار کرتے ہیں اور حیات بعد الموت کو بعید از عقل خیال کرتے ہیں۔ ان کو اسی انکار و استبعاد کے جنجال میں پڑے رہنے دو۔ وہ مقررہ ساعت اپنے وقت پر آ رہیگی۔ پھر جب وہ ہنگامۂ رستخیز اٹھ کھڑا ہوگا جو دوسرے تمام ہنگاموں سے بڑا ہنگامہ ہوگا ایسا کہ نہ کبھی اس جیسا ہنگامہ کہیں دیکھا اور نہ کسی سے سنا۔ وہ اپنی شان میں سب سے نرالا ہی ہوگا۔ ایسا اس دن ہوگا جبکہ ہر آدمی اپنا کیا ہوا ایک ایک عمل صحیفہ اعمال کو دیکھ کر، یاد کرتا جائیگا کہ ہاں میں نے فلاں وقت ایسا کیا تھا، ایسا کہا تھا، ایسا سمجھا تھا، ایسا خیال کیا تھا۔ یہ سب کچھ ایک ایک کرکے اس کو یاد آتا جائیگا بعد اس کے کہ زیادہ مدت گزر جانے سے یا اپنی غفلت کے باعث، یا کاموں کی کثرت کی وجہ سے ان کو بھول گیا تھا۔ یہاں ''الانسان'' سے اگر کافر مراد لیا جائے تو چونکہ وہ اب تک قیامت کا منکر تھا اور جزائے اعمال پر عقیدہ نہیں رکھتا تھا۔ اب ایک ایک عمل پر جو اس کو یاد آتا جائے گا پچھتاتا رہیگا۔ اور پریشان ہوتا جائے گا۔ اور اگر ''الانسان'' سے تمام انسان مراد لئے جائیں خواہ نیک ہوں یا بد۔ تو عمر بھر کے برے کام یاد کرکر کے جس طرح کافر پریشان و پشیمان ہوگا۔ نیکوکار مومن خوش ہوتا جائیگا کہ اسکی ہر نیکی کی جزا ملنے کا وقت آ چکا جس کا وعدہ پیغمبروں کے ذریعہ سنایا گیا تھا اور اللہ سبحانہ کی

نازل کی ہوئی کتابوں میں لکھا تھا۔ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۔ اور صاف ظاہر کر دی جائیگی دوزخ ہر اس شخص کے لئے جو دیکھتا ہو" دوزخ کا مقام اب تک چھپا ہوا تھا۔ کسی نے اس کو دیکھا نہ تھا بجز اس کے کہ اللہ سبحانہ نے بطور خاص کسی کو دکھا دیا ہو۔ جیسا کہ معراج شریف کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا مشاہدہ برأی العین کرا دیا گیا تاکہ امت مرحومہ کو اس کی تفصیلات سے قبل از قبل آگاہ فرما دیں اور وہ اس سے محفوظ رہنے کی تدابیر اختیار کریں۔ قیامت میں دوزخ کو اس طرح نمایاں کیا جائے گا کہ دوزخ اور اس کو دیکھنے والوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو اور نہ اس کے دیکھنے میں کسی قسم کی روک ٹوک ہو۔ جو کوئی اس کو دیکھنا چاہے بے تکلف دیکھ لے۔ یہ وہ وقت ہو گا جبکہ جہنم کی پیٹھ پر پل (صراط) قائم کیا جائے گا اور ہر شخص کو اس پر سے عبور کرنے کا حکم ہوگا۔ مومنین تو اس پر سے دوزخ کا مشاہدہ کرتے ہوئے کالبرق الخاطف گزر جائیں گے یعنے ایک بجلی تھی کہ کوندتی ہوئی اس سمت سے اس پار گزر گئی مگر کفار اس پر قدم رکھتے ہی یا کچھ دور جانے کے بعد اس پر سے کٹ کٹ کر دوزخ میں گرتے جائیں گے العیاذ باللہ۔

ہنگامۂ محشر کا وقت حضرت مجاہدؒ نے فرمایا:۔ اذا جاءت الطامة قال اذا دفعوا الی مالك خازن النار۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) ہنگامۂ قیامت کا وقت

وہ ہے جب کہ کافروں کو مالک نامی فرشتے کے حوالے کردیا جائیگا جو دوزخ کا داروغہ ہے۔"
قاسم بن ولید ہمدانی نے فرمایا:۔ اذا اسیق اھل الجنة الی الجنة واھل النار الی النّار
(ابن ابی شیبہ' ابن المنذر) جب جنتی لوگ جنت کی طرف اور دوزخی دوزخ کی طرف روانہ کردئے
جائیں تو اس وقت یہ سب سے بڑا ہنگامہ رونما ہوگا۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔
الطامّة من اسماء یوم القیامة۔ (ابن المنذر' ابن ابی حاتم) طآمّة قیامت کے
ناموں میں سے ایک نام ہے۔" کیونکہ ہنگامۂ محشر سے بڑھکر اور کوئی ہنگامہ نہیں ہوسکتا۔ ایسا
ہنگامہ نہ کسی نے کبھی دیکھا اور نہ کسی نے سنا۔ بہرحال جب یہ ہنگامۂ محشر بپا ہوگا تو اس کا
نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کا بیان آگے آرہا ہے:۔

فَاَمَّا مَنۡ طَغٰىۙ وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَاۙ فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰىؕ پس جس نے سرکشی کی' اور ترجیح دی دنیا کی زندگی کو' تو دوزخ ہی ہے اس کا ٹھکانا۔"

سرکشوں کا حشر قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا جو اللہ سبحانہ اور اس کے احکام کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے رہے۔ اور راہ کفر اختیار کرکے آخرت کی ابدالآباد زندگی کے مقابلے میں اسی دو روزہ دنیا کی فانی زندگی کو بہتر خیال کرکے اسی کو ہر معاملہ میں ترجیح دیتے رہے تو ظاہر ہے کہ ان کا ٹھکانا

دوزخ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہی طغیان اور سرکشی فرعون نے بھی دکھائی تھی اس کا کیا انجام ہوا ابھی ابھی سن چکے ہو کہ دم بھر میں دیکھتے دیکھتے اس کا اور اسکی ساری فوج کا کیا حشر ہوا؟ طغیان و سرکشی کی سزا اللہ سبحانہ کے پاس جو مقرر ہے اس کا قانون سب پر جاری ہوگا۔ فرعون کا وہ حشر ہوا تو اسکی اختیار کردہ راہ پر جو کوئی چلتا رہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا بھی وہی حشر ہوگا۔ فرعون کی فرعونیت' اللہ سبحانہ کے مقابلے میں اس کو نہ بچا سکی تو دوسرا کوئی جو سرکشی اختیار کرے اور جو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی بہتر سمجھ کر آخرت کو پس پشت ڈال دے اور دنیا کی خواہشات اور ہوا وہوس میں گرفتار رہے تو اس کو کون بچا سکتا ہے' فرعون کی طرح اس کا ٹھکانا بھی دوزخ ہی ہوگا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔

دنیا اور آخرت جمع نہیں ہو سکتے

حضرت ابوموسی اشعریؓ نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ من احبّ دنیاہ اضرّ آخرتہ ومن احبّ آخرتہ اضرّ دنیاہ فاثروا ما یبقی علی ما یفنی (امام احمدؒ' بیہقی) جس نے اپنی دنیا کو محبوب رکھا تو اس نے اپنی آخرت کو ضرر پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو محبوب جانا تو اس نے اپنی دنیا کو متضرر کیا۔ لہذا (اے مسلمانو!) تم ترجیح دو اس کو جو باقی اور پائدار ہے مقابلے میں اس کے جو فانی اور ناپائدار ہے۔" وقت کم اور اعضاء وجوارح

کمزور ہیں اور سفر طویل اور زاد آخرت بہت کچھ تیار کرنا ہے۔ اگر دنیائے دنی کے پیچھے لگے رہو گے تو وہ پوری طرح ہاتھ نہ لگیگی اور منزل کھوٹی ہو جائیگی۔ لہٰذا خیر اسی میں ہے کہ تحصیل دنیا کا خیال ترک کرو اور ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہو۔ اور یہی طریقہ اولیائے کاملین کا ہے اور اسی میں نجات ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　　این خیال است و محال است و جنوں

جنت و دوزخ کے اسباب

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ حفت النار بالشھوات وحفت الجنۃ بالمکارہ۔ (صحیحین واللفظ لمسلم) دوزخ خواہشات نفسانی سے گھری ہوئی ہے اور جنت مشقتوں سے گھری ہوئی ہے۔" اگر نفسانی خواہشات کی پیروی میں رہو گے تو یاد رکھو کہ یہ راہ دوزخ کی ہے۔ دوزخ ہی پر چل کر ختم ہوگی۔ اور اگر اس چند روزہ دنیا کی زندگی کو نفس پر جبر کر کے اس کی خواہشات کے خلاف لے چلو گے تو یہ راہ جنت کی ہے۔ تکالیف اٹھا اٹھا کر جنت میں جا پہنچو گے۔ جو ہر مومن کی بہترین آرزو ہے کسی نے کیا خوب کہا:۔

گر از پے شہوت و خواہی رفت　　　از من خبرے کہ بینوا خواہی رفت

بنگر چہ کسی و از کجا آمدہ　　　مے داں کہ چہ می کنی کجا خواہی رفت

ذکر اللہ کی فضیلت حضرت ابوہریرہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ سرکار تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :۔ انّ الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللّٰہ وما والاہ وعالم او متعلّم۔ (ترمذی ابن ماجہ) دنیا اللہ سبحانہٗ کی رحمت سے دور ہے۔ اور دنیا کی جتنی چیزیں یہاں کے تلذذ اور تعیش کی ہیں وہ بھی باری تعالیٰ شانہٗ کی رحمت سے دور ہیں۔ بجز اللہ سبحانہٗ کی یاد کے یا جو اس سے قریب تر ہو۔ اور عالمِ دین یا طالب علم " جو علم دین کی جستجو اور طلب میں لگا ہوا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ حضرت سعدیؒ نے فرمایا :۔ ع ۔ جز یاد دوست ہر چہ بخوانی بطالت است ۔

79-40 وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ۝ فَاِنَّ
79-41 الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىؕ۝ اور جو ڈرا ہو اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہونیسے اور روکا اپنے آپ کو خواہشات سے تو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانا۔"

خدا ترسوں کا بیان یہاں سے بنی آدم کے دوسرے گروہ کا بیان فرمایا جارہا ہے، یہ وہ مبارک گروہ ہے جس کو ہر دم یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ ایک دن اپنی عمر بھر کا حساب دینے کے لئے مجھے اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونا پڑیگا۔ اگر میں آج اپنے نفس امارہ کی پیروی کروں گا اور اللہ جل شانہٗ کے حکم کی پرواہ کئے بغیر نفس کے اشاروں پر چلتا رہوں گا اور اس کی خواہشات کی تکمیل کی فکر میں لگا رہوں گا تو کل فردائے قیامت میں

اپنے پروردگار کو کیا جواب دوں گا؟ بس اس ڈر کے مارے اس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے روکے رکھا۔ اور وہی کیا جس کا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا تو ایسے مبارک گروہ کا کیا پوچھنا۔ ایسوں کا ٹھکانا جنت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ بیشک جنت ہی ان کا ٹھکانا ہے جہاں وہ ابدالآباد مقیم رہکر اللہ سبحانہ کی خوشنودی کے مزے لوٹتے رہیں گے۔

شان نزول حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں:۔ ان الآیتین نزلتا فی ابی عزیز بن عمیر واخیہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان الاول طاغیا مؤثر الحیاۃ الدنیا وکان مصعب خائفا مقام ربہ ناھیا النفس عن الھوی وقد وقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسہ یوم احد حین تفرق الناس عنہ حتی نفذت المشاقص فی جوفہ فلما رأہ علیہ الصلاۃ والسلام متشحطا فی دمہ قال عند اللہ احتسبك وقال لاصحابہ لقد رأیتہ وعلیہ بردان ما تعرف قیمتھما وان شراك نعلہ من ذھب۔

یہ دونوں آیتیں (یعنی فامامن طغی اور واما من خاف) ابو عزیز بن عمیر اور مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو بھائیوں کے باب میں نازل ہوئیں۔ ابو عزیز تو سرکش تھا، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والا اور اسی کے بھائی مصعب بن عمیر رضی خدا ترس تھے۔

قیامت میں اللہ سبحانہ کے حضور میں حساب دینے کے لئے کھڑے ہونے سے خائف و ترساں رہتے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے والے۔ غزوۂ احد کا موقع درپیش ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے ایسے وقت آپ موجود ہوئے جبکہ دوسرے یہاں سے ادھر اُدھر جا چکے تھے۔ کافروں کی طرف سے حضور اکرم پر تیروں کی بوچھار شروع ہوئی تو مصعبؓ نے سینہ سپر ہوکر خود کو تیروں کا نشانہ بنایا اور تمام وار اپنی ذات پر لیتے رہے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مشاہدہ فرمایا کہ خون میں نہا گئے ہیں (اور زخموں سے چور ہوکر فدا ہوگئے تو) فرمایا کہ میں تمھارا اجر اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔" اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں نے ابھی دیکھا کہ ان پر دو چادریں ہیں جن کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اور ان کی جوتیوں کے تسمے زرنگار ہیں۔"

مصعب بن عمیرؓ کا جوشِ اسلام

حضرت مصعب بن عمیرؓ کے کمال ایمان اور جوش اسلام کا یہ حال تھا:۔ لما اسر اخوہ ابو عزیز ولم یشد وثاقہ اکراما لہ واخبر بذلک قال ما ھو لی باخ شدوا اسیرکم فان امہ اکثر اھل البطحاء حلیا ومالا۔ جب ان کا بھائی ابو عزیز نامی (جو کفار کے ساتھ ہوکر غزوۂ بدر میں مسلمانوں سے لڑنے آیا اور یہاں گرفتار ہوگیا) تو مسلمانوں نے مصعبؓ کا بھائی ہونے کی خاطر اس کی مشکیں نہیں باندھیں۔ اس کی خبر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ہوئی تو

صاف کہہ دیا کہ یہ میرا بھائی نہیں ہے۔ (تمھارا قیدی ہے) اپنے قیدی کے مشکیں باندھ دیجائیں۔ اس کی ماں مکہ کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ مالدار اور زیور سے لدی ہوئی عورت ہے (وہ فدیہ دے سکتی ہے)۔" تفسیر کشاف میں یہ بھی لکھا ہے کہ مصعبؓ نے ابوعزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کردیا۔ برادری کا کوئی لحاظ نہ فرمایا۔ رضی اللہ عنہ (یہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ اس نے فدیہ دینے سے انکار کردیا ہوگا)۔

ہوائے نفس کی مذمت ھویٰ کیا ہے؟ میلان النفس الی ما تشتھیہ و تستلذہ من غیر داعیۃ الشرع۔ نفس کا اپنی شہوت اور رغبت کی طرف مائل ہوتا جس کو وہ لذیذ جانتا ہو۔ شرع شریف کے حکم کا اس میں دخل نہ ہو۔" یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا:۔ ان اخوف ما اتخوف علی اُمّتی الھویٰ و طول الامل اَمّا الھویٰ فیصدّ عن الحقّ و اَمّا طول الامل فینسی الآخرۃ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر سب سے زیادہ خوف اور اندیشہ جو مجھے لگا ہوا ہے وہ ہوائے نفس اور طویل آرزوؤں کا ہے۔ ہوائے نفس کا اس لئے کہ وہ انسان کو حق سے روک دیتا ہے اور طویل آرزوؤں کا اس وجہ سے کہ وہ آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔" چنانچہ مشاہدہ ہے کہ انسان جب ان میں گرفتار ہو جاتا ہے تو پھر کہیں کا نہیں رہتا۔ نہ خواہش نفس کہیں رکتی ہے

اور نہ آرزوؤں کا سلسلہ کبھی ختم ہوتا ہے۔ نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

ہوائے نفس تباہ کن ہے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ثلاث مھلکات ھویً متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسه وهي اشدّهن۔ (بیہقی) تین چیزیں تباہ کن ہیں۔ ایک خواہش نفس جس کی پیروی کی جاتی رہے دوسری بخل آمیز حرص جس کا حکم مانا جاتا ہو۔ اور تیسری خود پسندی اور یہ سب سے شدید تر ہے۔" موجودہ حالات پر نظر کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبھی ان میں گرفتار ہیں الّا ما شاء اللہ۔ جدھر دیکھو ایک ایک شخص یا تو نفس امارہ کی خواہشات کی تکمیل میں لگا ہوا ہے یا دنیا کی تحصیل پر حریص لیکن اس کو خرچ کرنے میں بخیل ہے یا خود پسند واقع ہوا ہے کہ اپنی عقل پر نازاں ہے اور تمام دنیا کو بے وقوف سمجھتا ہے۔ اور یہ مرض سب سے سخت اور عالمگیر ہے۔ اگر غور کیجئے تو یہ تینوں باتیں نفس امارہ کی پیروی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہوائے نفس ہی ان سب کا سرچشمہ ہے۔

متقین کی شان خدا ترس بزرگوں کا معاملہ ان سب سے سوا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال معیار شریعت پر قائم رہنے کے باوجود وہ ہمیشہ اندیشناک رہتے ہیں کہ ہم سے یہ طاعت اور عبادت اگرچہ ہو سکی لیکن معلوم نہیں کہ

اس میں ریا و سمعہ کو تو کچھ دخل نہیں ؟ یا خود پسندی اور شہرت کا تو اس میں لگاؤ نہیں؟ فردائے قیامت، اللہ سبحانہ کے حضور میں کھڑے رہنا ہو گا۔ اگر شائبہ ریا پایا گیا یا عجب و خود پسندی کا لگاؤ رہا تو یہ ساری محنت رائیگاں اور ہماری طاعت و عبادت، درجۂ قبولیت پر پہنچنے کے بجائے کہیں ہمارے منہ پر تو نہیں ماردی جائیگی؟ طاعت میں لگے ہوئے ہیں مگر اس پر غرہ نہیں۔ یوم الحساب سے پہلے اپنا محاسبہ آپ کرتے رہتے ہیں اور روزمرہ کے اعمال کا جائزہ لئے بغیر بستر پر دراز نہیں ہوتے کوئی خرابی پاتے ہیں اور قضا و اعادہ سے تلافی ممکن ہے تو اس کی تلافی کرتے اور آئندہ اصلاح حال کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر تلافی کی کوئی صورت نہیں پاتے تو توبہ و استغفار اور گریہ وزاری سے کام لیتے ہیں۔ اگر خود ان چیزوں پر غور نہیں کرسکتے تو اپنے شیخ سے رجوع کرتے ہیں اور وہ اصلاح کا طریقہ تلقین فرما دیتے ہیں۔ بزرگان دین کا یہی شعار رہا ہے اور ان آیات کریمہ میں اس جانب توجہ دلائی گئی ہے۔

یعقوب کرخیؒ کا واقعہ حضرت یعقوب کرخی رحمۃ اللہ علیہ خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نجاری کا کام کرتا تھا۔ ایک دن اپنے ظاہری کام میں سستی اور باطن میں بھی کچھ تاریکی پائی تو چند دنوں تک روزہ رکھنے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ

چنانچہ روزہ رکھ کر امام طریقہ نقشبندیہ حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ العزیز کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا شیخ نے کھانا منگوایا اور مجھے کھا لینے کا حکم دیا۔ اور فرمانے لگے:۔ بئس العبد عبد ھوی تضلہ وقال ان الاکل افضل من الصوم ان کان بھوی النفس۔ خواہشات نفسانی کا بندہ سب سے برا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے روزے سے افطار ہی اچھا ہے جو خواہش نفس کی بنا پر رکھا گیا ہو" اس وقت یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ نفل عبادت بھی اجازت شیخ کے بغیر مفید نہیں میں نے عرض کیا کہ کسی کو شیخ کامل نہ ملے تو کیا کرے؟ اس پر فرمایا:۔ لیستغفر اللہ کثیراً ولیستغفر بعد کل صلاۃ عشرین مرۃ فانہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ کل یوم مائۃ مرۃ۔ (شیخ کامل میسر نہ ہو تو) اس کو کثرت سے استغفار کرنا چاہیے۔ یا ہر فرض نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار پڑھ لینا چاہیے کیونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے دل پر کچھ عوارض وشواغل آجاتے ہیں تو میں روزانہ ایک سو مرتبہ استغفار پڑھ لیا کرتا ہوں" ہر نماز کے بعد بیس تو پانچ نمازوں کے بعد ایک سو استغفار کی گنتی پوری ہو جاتی ہے۔ فرائض اور سنن سے فارغ ہو کر بیس بیس دفعہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّخَطِیْئَۃٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

پڑھ لینا چاہیے۔

ترک ہویٰ کی اہمیت حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں:۔ ان العبد لا یبلغ مبلغ الرجال حتی یخلص من الھویٰ وفی ھذا المقام یطلق علی العبد انہ مومن حقیقی وھو المراد من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (بغوی) بندہ رجال اللہ کے درجہ تک پہنچ نہیں سکتا تا آنکہ وہ خواہشات نفسانی کی اتباع سے بالکلیہ نہ چھوٹ جائے اور اس مقام پر پہنچنے کے بعد ہی اس کو مومن حقیقی کہا جاتا ہے اور حضور اکرم تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث شریف سے بھی یہی مراد ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن (کامل) نہیں ہو سکتا تا آنکہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے احکام کی تابع نہ ہو جائے'' یہ حدیث شریف شرح السنۃ میں موجود ہے اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف صحیح ہے۔

ترک ہویٰ کا ادنیٰ درجہ خواہشات نفسانی کی اتباع سے اگر بالکلیہ نہ چھوٹ سکے تو اس کا ادنی درجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس پر ملامت کرتا رہے تاکہ نفس امارہ کے پنجہ سے نکل جائے اور اس کا نفس نفس لوامہ بن جائے۔ امام محمد بن حسن شیبانیؒ تلمیذ حضرت امام اعظمؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون رشید نے آپ کو یاد کیا۔

آپ تشریف لے گئے تو فرمایا کہ آج میری اہلیہ زبیدہ خاتون سے میں نے یہ کہا کہ میں عادل بادشاہ ہوں اور اس کا مقام جنت ہے۔ زبیدہ کہنے لگیں کہ تم تو اللہ کے عاصی ہو اور بندوں پر ظلم کرتے ہو پھر یہ دعویٰ۔ امام محمدؒ نے یہ سنکر فرمایا:۔ یا امیر المومنین اذا وقعت فی معصیۃ فھل تخاف اللہ فی تلک الحال او بعدھا۔ امیر المومنین! جب آپ سے کوئی معصیت سرزد ہوتی ہے تو اس حالت میں یا اسکے بعد آپ پر اللہ سبحانہ کا خوف بھی لگا رہتا ہے یا نہیں؟ ہارون رشید نے جواب دیا:۔ واللہ اخاف خوفا شدیدا۔ خدا کی قسم! مجھے تو بڑا خوف لگا رہتا ہے۔" اس پر حضرت امام محمدؒ نے یہی آیات پڑھ کر سنا دیں۔ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔ جو کوئی اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے روکے رکھا تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔" پھر فرمایا:۔ انا اشھد ان لک جنتین لا جنۃ واحدۃ قال اللہ تعالی ولمن خاف مقام ربہ جنتان۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے لئے ایک نہیں بلکہ دو جنتیں ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اس شخص کے لئے جس نے اللہ سبحانہ کے حضور میں کھڑے کئے جانے سے ڈرتا رہا دو جنتیں ہیں۔"

سلطان عبد الملک کا واقعہ اسی طرح سلطان عبد الملک بن مروان کا واقعہ ہے کہ اس نے زاہد زمانہ حضرت ابو حازمؒ سے دریافت کیا کہ ابو حازم بفردائے قیامت میرا کیا حال ہوگا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اگر تو قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتا ہے تو خود قرآنِ کریم تجھے اس کا جواب دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ قرآن کریم میں میرے سوال کا جواب کہاں ہے؟ تو ابو حازم نے فی الفور قرآن کریم کی آیات "فاما من طغی سے فان الجنۃ ھی الماوی" تک پڑھکر سنا دیں۔ پھر فرمایا کہ نفس امّارہ کا اتباع کرنے والوں کے لئے دنیا میں آتش شہوت اور آخرت میں آتش عقوبت ہے۔ لہٰذا آج جو کوئی شہوت کی آگ سے کھیلتا رہیگا کل آتش عقوبت سے سرایاب ہوگا۔ اور جو کوئی آج شہوت کی آگ پر ریاضت کا پانی ڈال دیگا تو دنیا ہی میں اس کا دل جنت عرفان کا نمونہ ہوگا۔ اور کل جنت رضوان سے لطف اندوز ہوگا۔

ترک ہویٰ کے مدارج حضرت ابو بکر وراقؒ فرماتے ہیں:۔ ان اللّٰہ لم یخلق خلقا اخبث من الھویٰ۔ اللہ سبحانہ نے خواہشات نفسانی سے خبیث تر کوئی مخلوق نہیں پیدا کی"۔ خواہشاتِ نفس امارہ کو چھوڑنے کے بھی مدارج ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ظاہر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور سلف صالحین کے اجماع سے خلاف کوئی عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اسی سے انسان مومن کہلاتا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ میں

اس کا شمار ہوتا ہے۔ اوسط درجہ یہ ہے جیسا کہ حضرت مقاتلؒ نے فرمایا:۔ ان یھتم الرجل المعصیۃ فیذکر مقامہ للحساب فیترکھا۔ انسان کسی معصیت کا قصد یا اہتمام کرے پھر اللہ سبحانہ کے حضور میں حساب دہی کے لئے کھڑے ہونے کا منظر پیش نظر ہوتے ہی اس کو چھوڑ دے۔" اس درجہ کی تکمیل کے لئے انسان کو شبہات سے بھی بچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور مباحات میں سے صرف بقدر حاجت و ضرورت ہی استفادہ کرنا پڑتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من الاسراف ان تاکل کل ما اشتھیت۔ (ابن ماجہ بیہقی عن انسؓ) یہ بھی اسراف میں داخل ہے کہ تمہارا جی جن جن چیزوں کو کھانا چاہے ان سب کو کھالیا کرو۔" گو اکل حلال ہی کیوں نہ ہو۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ نفس امارہ کے بعض وسیسے اور شیطانی چالیں نیکیوں کی صورت میں درپیش ہوتی ہیں۔ یہ خرابیاں چونکہ حسنات اور نوافل و طاعات کے لباس میں ہوتی ہیں اس لئے انسان یہاں دھوکہ کھاجاتا ہے اور نفس و شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس سے بچاؤ کا طریقہ رجوع الی الشیخ ہے۔ اور اگر وہ موجود نہ ہو تو استغفار اور توبہ و انابت سے کام لے۔ اور ہمیشہ اس کا خیال رکھے کہ میری طاعت و عبادت کچھ نہیں۔ اللہ سبحانہ کے فضل و عنایت ہی سب کچھ ہے۔ لہٰذا ہر دم اسی کا طلبگار و خواستگار رہے۔ نفس کے وساوس میں نہ پھنس جائے۔ علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں:۔

وَخالفِ النفسَ والشیطانَ واعصِہما — وان ہما محضاک النصح فاتّہم

ولا تطع منہما خصما ولا حکما — فانت تعرف کید الخصم والحکم

یعنی نفس وشیطان کے وسوسوں کا ہمیشہ خلاف کیے جاؤ اور ان کی ایک نہ مانو' اگر وہ مخلصانہ نصیحت بھی کرتے ہوں اور خود کو آپ کا خیر خواہ ظاہر کرکے بھی کوئی بات بتاتے ہوں تو ان کے مشوروں کو قبول نہ کرو بلکہ ان کو ہمیشہ متہم ہی کرتے رہو کہ اس میں بھی تمہاری کوئی نہ کوئی شرارت ضرور داخل ہے۔ وہ فریقانہ حیثیت سے پیش ہو کر یا ثالث اور غیر جانب دار بن کر بھی کسی امر کی رہنمائی کریں تو ان کی ایک نہ مانو کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہارا فریق یا زبردستی بنا ہوا حاکم کب تمہاری خیر خواہی کر سکتا ہے؟ وہ تو مکرو فریب ہی سے کام لیگا۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۝ فِيمَ أَنتَ مِن 79-42 79-43
ذِكْرَاهَا ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا ۝ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ۝ 79-44 79-45
كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ۝ 79-46

ع ۲

پوچھتے ہیں آپ سے وہ گھڑی کہ کب ہوگا اس کا قیام' آپ کو اس کے بیان سے کیا کام؟ آپ کے رب کی طرف ہے اس کا انجام' آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اسکو جو (اس ساعت کا) ڈر رکھتا ہے' انھیں ایسا معلوم ہوگا جس دن وہ دیکھیں گے

اس کو کہ نہیں ٹھہرے تھے (دنیا میں) مگر صرف ایک شام یا اس کی صبح "۔

قیامت کب ہے کسی کو معلوم نہیں یعنی کفار قریش، ساعت قیامت کا بیان سننے کے بعد اے نبی کریم! آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اس کا ٹھہراؤ کب ہے؟ اور وہ ساعت کب آئیگی؟ ایسا سوال وہ ہمیشہ کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ اس کا باعث دو چیزیں تھیں۔ ایک یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ تک جتنے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے سب کے سب قیامت کا خوف دلاتے رہے لیکن ہزار ہا سال گزرنے پر بھی یہ ساعت اب تک نہیں آئی۔ آخر آئیگی تو کب آئیگی؟ دوسرا یہ کہ کفار اس کے منکر تھے اس لئے بطور استہزا یہ سوال کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ کفار کے بار بار پوچھنے کی بنا پر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی خیال گزرتا کہ اگر اس کا وقت بتا دیا جاتا تو ٹھیک ہوتا۔ چنانچہ حضرت طارق بن شہابؓ فرماتے ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ذکر الساعۃ حتی نزلت فیم انت من ذکرٰھا الی ربک منتھٰھا فکف عنھا۔ (عبد بن حمید، نسائی، ابن جریر، طبرانی، ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساعت قیامت کا ذکر اکثر فرمایا کرتے تا آنکہ یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کا وقت بیان کرنے سے آپ کو کیا کام ہے؟ اس کا انجام آپ کے پروردگار کے ہاں ہے، اس پر آپ رک گئے"۔ حضرت ام المومنین

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسأل عن الساعۃ حتی انزل علیہ فیم انت من ذکرٰھا الیٰ ربک منتھٰھا فلم یسأل عنھا (بزار، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیح، ابن مردویہ) حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساعت قیامت کی نسبت دریافت فرمایا کرتے تھے تا آنکہ یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں (جن کا ترجمہ یہ ہے) "آپ کو اس سے کیا کام؟ اس کا علم آپ کے پروردگار پر ہی ختم ہے" تو پھر آپ نے اس کا سوال کبھی نہیں فرمایا۔" اس حدیث کو حضرت صدیقہ کے ہمشیر زادے حضرت عروہ نے بھی آپ سے بروایت مرسل روایت کی ہے۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ)

قیامت صغریٰ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کانت الاعراب اذا قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سألوہ عن الساعۃ فینظر الی احدث انسان فیھم فیقول ان یعش ھذا قرنا قامت علیکم ساعتکم۔ (ابن مردویہ) کبھی اعرابی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتے تو آپ سے ساعت قیامت کے بارے میں دریافت کرتے (کہ وہ ساعت کب آئیگی) اس پر آپ حاضرین میں سے کسی بالکل نوعمر شخص کی طرف نظر کرکے فرمایا کرتے کہ اگر یہ ایک قرن تک زندہ رہے تو تمہاری قیامت قائم ہو جائیگی۔" یہ قیامت صغریٰ کی طرف اشارہ ہے (جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ جو مرجائے اس کی قیامت تو قائم ہوگئی۔") کیونکہ قرن سے ایک صدی مراد ہوتی ہے

اور سو سال کے عرصہ میں دنیا کی موجودہ ہستی ختم ہو جاتی اور دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

انت من ذکرٰھا کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے اس آیۂ کریمہ انت من ذکرٰھا کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ اے نبی کریم! آپ کی بعثت خود ساعت قیامت کی ایک واضح تفسیر ہے۔ یہ اس طرح کہ کتب سابقہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس کو "نبی آخر الزماں" اور قرآن کریم میں "خاتم النبیین" کے لقب سے یاد فرمایا گیا ہے کہ آپ کے بعد پھر کوئی نبی نہ آئیں گے۔ اور جیسا کہ خود آپ نے بصراحت ارشاد فرمایا: بعثت انا والساعۃ کما تین ان کادت لتسبقنی "میں اور قیامت ان دو (انگلیوں) کی طرح (ساتھ ساتھ) بھیجے گئے ہیں۔ قریب تھا کہ ساعت قیامت مجھ سے سبقت کر جاتی"۔ آپ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی دونوں کو دراز کر کے فرمایا کہ یہ دو انگلیاں جیسی ساتھ ساتھ ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور قیامت ساتھ ساتھ بھیجے گئے۔ قریب تھا کہ ساعت قیامت مجھ پر سبقت کر جائے مگر میں اس پر سبقت لے گیا۔ جیسا کہ کلمہ کی انگلی سے درمیانی انگلی کچھ آگے بڑھی ہوئی ہے۔ قیامت کے آنے کیلئے زیادہ دیر نہیں ہے دنیا کے اہم ترین واقعات میں سے ایک میری آمد آمد ہے اور اس کے بعد اہم ترین واقعہ اگر کوئی ہے تو وہ واقعہ قیامت ہی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں دوسری جگہ اسکی تعبیر ولتنظر نفس ما قدمت لغد سے فرمائی گئی کہ ہر نفس کو دیکھ لینا چاہیئے کہ اس نے کل کے لئے یعنی قیامت کے دن کیلئے

اپنے عمل کا کوئی توشہ زادِ راہ ابھی سے بھیج دیا ہے؟ "غد" آنیوالے کل کے دن کو کہتے ہیں۔ اسی بنا پر فارسی کا یہ مقولہ ہے کہ فردا گویند و فردائے قیامت مراد مے گیرند۔ ایہ انت من ذکرٰھا کے معنی یہ ہوے کہ آپ خود اسکی یاددہی فرمانے والے ہیں۔ اس صورت میں فیم پر وقف کرنا مستحسن ہوگا۔ تاکہ انت من ذکرٰھا مستقل جملہ قرار پاسکے۔

منذر من یخشاھا کی تفسیر | اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَا۔ آپ تو صرف ڈرسنانے والے ہیں ان کو جو اسکی ہیبت رکھتے ہیں"۔ یعنی اے نبی کریم! آپ کو قیامت کا وقت، دن، تاریخ، سنہ بتانے کیلئے نہیں بھیجا گیا۔ اس کا علم تو ہم پر ختم اور منتہی ہے۔ آپ کو اس کا ڈر سنانے اور اسکی اہمیت جتانے کیلئے بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا آپ صاف کہہ دیجئے کہ اس کا ٹھیک وقت مجھے خود نہیں بتایا گیا لہٰذا میں تم کو کسطرح بتا سکتا ہوں اور نہ یہ میرے فریضے میں داخل ہے میرا کام تو صرف اس کا ڈر سنانا ہے اور بس۔ بہرحال یہ بتانا منظور ہے کہ ساعت قیامت کا وقت جو مقرر ہے اس کو پوچھنے سے کچھ فائدہ نہیں اسمیں جتنی بھی تاخیر ہو وہ تمہارے لئے غنیمت ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ کام کئے جاؤ جو فردائے قیامت میں تمہارے لئے کارآمد ہو۔ چنانچہ اسکے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَا۔ آپ تو صرف ڈرسنانے والے ہیں انکو جو ساعت قیامت کی ہیبت دل میں رکھتے ہیں۔ آپ تو تمام لوگوں کو ڈرسنانے تھے لیکن اس سے حقیقی فائدہ اٹھانیوالے چونکہ وہی ہیں جن کے دلوں میں قیامت کی ہیبت جاگزیں ہو۔ اسلئے یہاں اہل ہیبت کا بیان خصوصیت کے ساتھ فرمایا گیا۔ چنانچہ ایک دفعہ

ایک صحابی نے آپ سے قیامت کا وقت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:۔ ما اعددت لھا تم نے اسکے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اور کونسا زاد راہ مہیا کیا ہے۔ مطلب یہ کہ لایعنی باتوں سے کچھ فائدہ نہیں کام کی باتیں کیا کرو۔ آخر پر ارشاد ہو رہا ہے:۔

کانھم یوم یرونھا کی تفسیر | کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَا ۔

(کفار تو قیامت کے بارے میں جلدی کر رہے ہیں اسی لئے وہ آ آ کر اس کا وقت دریافت کرتے جاتے ہیں حالانکہ وہ اپنے وقت پر آ ہی جائیگی۔ جس دن وہ اس ساعت کو دیکھ لینگے تو انکو ایسا معلوم ہوگا گویا وہ (دنیا میں اور برزخ میں) نہیں ٹھہرے مگر اتنی ہی دیر کہ زوال آفتاب سے غروب تک یا طلوع سے زوال تک"۔ اس کا اندازہ ہم خود اپنی گزشتہ عمر پر نظر کر کے قائم کر لے سکتے ہیں جوان لوگ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ لڑکپن کا جو زمانہ تھا وہ کل کی بات ہے۔ اور بوڑھے بھی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ لڑکپن اور جوانی کا عالم ایک خواب تھا یا مر آ چشم زدن میں ختم ہو چکا۔ اور اب اس کا کوئی اثر باقی نہیں ہے حالانکہ سالہا سال گزر چکے۔ حضرت قتادہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ تدقالدنیا فی اعین القوم حین عاینوا امر الاخرۃ (عبد بن حمید، ابن المنذر) جب لوگ دار آخرت اور اس کے معاملات کو دیکھ لینگے تو دنیا کا دور انکی نظروں میں بالکل صغیر حقیر معلوم ہوگا"۔ بحالت موجودہ جو بھی موقع ہمیں اپنی عاقبت کے سنوارنے کا حاصل ہے اسکو غنیمت جانکر اصلاح حال کی فکر کریں۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

سورۂ نازعات کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

(۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ)

80 Abasa Makky Verses 42

سورۃ عبس

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اس میں بیالیس ۴۲ آیتیں ہیں

سورت شریفہ کی فضیلت اس سورت شریفہ کو سورۃ صاخہ اور سورۃ سفرہ اور اور سورۃ اعمیٰ بھی کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ اس میں ان کا بیان آ رہا ہے۔ اور سورۃ عبس اس وجہ سے اس کا نام ہوا کہ اس کا آغاز اسی کلمہ شریفہ سے ہوا ہے۔ بہر حال کسی سورت کے ایک سے زیادہ نام ہونا اس کی فضیلت اور شرف کی دلیل ہے۔

کتاب اللہ پر زیادتی از خود جائز نہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: استأذن العلاء بن یزید الحضرمی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذن له فتحدثنا طویلا ثم قال یا علاء تحسن من القرآن شیئا قال نعم ثم قرأ علیه عبس حتی ختمها فانتهی الی آخرها وزاد فی آخرها من عنده وهو الذی اخرج من الحبلیٰ نسمة تسعی من بین شراسیف وحشا فصاح به النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا علاء انته فقد انتهت السورۃ۔ (ابن النجار) ایک دفعہ علاء بن یزید حضرمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

حاضرِ خدمت ہونے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دی۔ دیر تک بات چیت ہوتی رہی
پھر حضور نے فرمایا اے علاء! تم کچھ قرآن بھی اچھی طرح پڑھ سکتے ہو۔ انھوں نے کہا
ہاں۔ پھر انھوں نے سورۂ عبس کی تلاوت شروع کی تا آنکہ سورہ ختم کر دیا۔ اور آخر میں
اپنی طرف سے یہ اضافہ کرنے لگے :۔ وھوالذی اخرج من الحبلی النسمۃ تسعیٰ
من بین شراسیف وحشی۔ اور وہ خدا وہی ہے جس نے حاملہ عورت سے
روح رواں پیدا کی پیٹ کے سامان (دل، جگر، پھیپھڑوں وغیرہ) کے درمیان سے"
یہ سنتے ہی حضور نے ان کو فوراً ڈانٹ دیا کہ بس بس۔ سورہ ختم ہو چکا" اس سے معلوم
ہوا کہ کتاب اللہ کے ساتھ اپنی طرف سے کسی قسم کا اضافہ و زیادتی جائز نہیں۔

سورت ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا ربط اور مناسبت سورۂ ماقبل سے
اس طرح ہے کہ سابقہ سورت کے آخری حصہ میں ارشاد ہوا تھا :۔ انما انت
منذر من یخشاھا۔ آپ صرف ڈرسنانے والے ہیں ان کو جو ساعت قیامت
کی ہیبت رکھتے ہیں" اور یہاں ان لوگوں کا بیان آرہا ہے کہ آپ کے انذار
یعنی ڈرسنانے سے کن کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور کن کو نہیں۔ گویا انذار کا نتیجہ
یہاں بیان فرمایا جارہا ہے اور سابقہ سورت اس کی تمہید تھی —

واللہ اعلم۔

(۸۰) بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ ۙ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ؕ ترش رو ہوئے اور منہ

پھیر لیا اس پر کہ آیا اُن کے پاس وہ نابینا۔

شانِ نزول ایک دفعہ تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت مبارک میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل، عباس بن عبدالمطلب، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ صنادید قریش حاضر تھے۔ آپ اس موقع کو غنیمت جان کر بطور خاص انکو اسلام کی دعوت دینے لگے، اس توقع پر کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو ان کے زیر اثر جو لوگ ہیں وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور فریضۂ تبلیغ بہت آسانی سے ادا ہوگا۔ کیونکہ قریش کے تمام قبیلہ پر ان کو خوب اثر اور رسوخ حاصل تھا۔ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم نابینا جو سابقین اسلام سے تھے یہ بھی حاضر ہو گئے۔ اور آتے ہی کمال بے تکلفی سے عرض کرنے لگے: یارسول اللہ اقرئنی وعلمنی مما علمک اللہ تعالیٰ۔ اللہ کے پیارے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ تعلیم دی ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ پڑھائیے سکھائیے۔" آپ نے ان کی اس بے موقع فرمائش کو کسی اور وقت کے لئے ٹالنا چاہا مگر وہ اصرار کرنے لگے۔ یہ بیچارے نابینا تھے

ان کو کیا معلوم کہ حضور اکرم کس مہم میں مشغول ہیں۔ اور کون آپ کے ہاں بیٹھے ہوئے ہیں
یہ قریش کے سردار بڑی نخوت والے اتفاق سے جمع ہیں۔ ان کو بڑی حکمت سے
مائل بہ اسلام کیا جارہا ہے۔ اگر نابینا کی طرف التفات کیا جائے تو پیشتر سے
جو سعی بلیغ ہو رہی ہے وہ سارا نظم درہم برہم ہو جائیگا یہ دنیادار ایسی ظاہری گری
ہوئی حالت والوں کے ساتھ بیٹھنا تک گوارا نہیں کرتے اگر ان کو چھوڑ کر ادھر متوجہ
ہوں تو مبادا وہاں سے وہ اٹھ کر چلے جائیں اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کریں اور یہ
لوگوں میں چرچا کرنے لگیں کہ ایسے معمولی لوگ جہاں جمع رہتے ہیں ان کے پاس کیا
جائیں؛ چنانچہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں: ــ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مستخلیا بصندید من صنادید قریش وھو یدعوہ الی اللہ وھو یرجو
ان یسلم اذ اقبل عبد اللہ بن ام مکتوم الاعمی فلما راٰہ النبی صلی اللہ
علیہ وسلم کرہ مجیئہ وقال فی نفسہ یقول ھذا القرشی انما اتباعہ
العمیان والسفلۃ والعبید فعبس فنزل الوحی عبس وتولی (عبد بن
حمید) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رؤسائے قریش میں سے ایک رئیس کے ساتھ
تخلیہ فرما رہے تھے اور آپ اس کو اللہ سبحانہ کی طرف دعوت دے رہے تھے اور آپ
پُر امید تھے کہ وہ مسلمان ہو جائے گا اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم نابینا آنے لگے جب

آپ نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو ان کی یہ آمد آپ کو ناگوار سی ہوئی اور دل میں یہ خیال فرمانے لگے کہ یہ قریشی کیا کہیں گے کہ ان کے متبعین تو صرف ایسے اندھے، کمینے اور غلام ہیں۔ اس بنا پر کچھ تیوری چڑھ گئی۔ ساتھ ہی وحی آئی اور عبس وتولی وغیرہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔" الغرض ان تصورات کی بنا پر آپ کو سخت تشویش اور تردد لاحق رہا اور اسی سلسلہ میں صنادید قریش سے قطع کلامی ناگوار خاطر ہوئی، تیوری چڑھ گئی اور نابینا کی طرف التفات نہ فرمایا۔ اس پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں :—

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۔ ترش رو ہوئے یا تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا اس اندھے کے آنے پر۔"

طلبہ علوم عربیہ سے خطاب رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کی طرف سے اگرچہ بظاہر یہ صورت عتاب معلوم ہو رہی ہے لیکن اس میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاس خاطر حد درجہ ملحوظ رکھا گیا اور عتاب کا بھی ایسا لطیف پیرا اختیار فرمایا گیا کہ اس سے بہتر لطف آمیز طرز کلام متصور نہیں ہو سکتا وہ اس طرح کہ اس کا آغاز غائب کے صیغوں اور غائب کی ضمیر سے فرمایا کہ خاطر اقدس پر گراں نہ گزرے۔ عَبَسَ اور تَوَلّٰٓى دونوں غائب کے صیغے ہیں اور جآءہ میں ضمیر "ہ" بھی ضمیر غائب لائی گئی۔ گویا دوسری طرف دیکھ کر کلام فرمایا جا رہا ہے۔ پھر اس طرح غائبانہ طرز سے سلسلہ کلام

آغاز کرنے کے بعد جس سے معلوم نہ ہوسکے کہ یہ کلام کن سے ہے اور یہ ارشاد کس سے ہو رہا ہے۔ وہلۂ ثانیہ میں مخاطب فرمایا جارہا ہے۔ اور بعد کے صیغے خطاب کے اور ضمیریں بھی خطاب کی وارد ہوئی ہیں تا یہ معلوم نہ ہو کہ آپ سے اس سلسلہ میں اللہ سبحانہ نے بالکل اعراض ہی فرما لیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰٓ ۙ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰٓ ۗ

(آیات ۳ و ۴)

اور کیا معلوم آپ کو کہ شاید وہی پاک ہو جاتا' یا نصیحت مانتا پھر فائدہ دیتی اسکو نصیحت"۔

انجام کیا ہوگا کسی کو خبر نہیں یعنی آپ تو یہ آس لگائے ہوئے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ صنادید قریش کی جماعت آپ کی تبلیغ وارشاد کی بدولت اصلاح پذیر ہو جائے یا آپ کی نصیحت سے کم از کم ان کو کچھ نفع پہنچ جائے مگر حقیقت حال اور مآل کار کیا ہوگا اور علم الٰہی میں کیا ہے اس کی آپ کو کیا خبر؟ ہو سکتا ہے کہ یہی نابینا اپنے نفس کا بالکلیہ تزکیہ کرلے یا آپ اس کو نصیحت فرمائیں تو کم از کم آپ کی نصیحت مان لے اور اس سے اس کو کچھ فائدہ پہنچ جائے۔ بہرحال آپ کی نصیحت اور فیضان کا فائدہ کلی یا جزوی کس کو پہنچنے والا ہے' یہ آپ کے علم میں کہاں سے آسکتا ہے جب تک کہ ہم اس کی خبر آپ کو نہ دیں۔ لہٰذا نتیجہ معلوم ہونے سے پیشتر نابینا کی آمد سے ترش روئی

اور عدم التفات یا ایک نابینا مسلمان پر جماعت کفار کو ترجیح خواہ اس جماعت سے کیسی ہی دینی توقعات ہوں ہیچ اور ناقابل التفات ہے۔ چنانچہ اسکی مزید توضیح آگے کی آیات کریمہ میں فرمائی جا رہی ہے:۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۙ وَمَا عَلَيْكَ اَنْ لَّا يَزَّكّٰى ؕ "وہ جو پرواہ نہیں کرتا، آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں، حالانکہ آپ پہ کچھ ذمہ داری نہیں اس کی جو وہ پاک نہ ہو"

بے پرواہ ناقابل التفات ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ استغنی عن اللہ وعن الایمان بما لہ من المال۔ (مظہری) یعنی جو بے پرواہ ہے اللہ سے اور اس کے ایمان لانے سے اپنے مال کے گھمنڈ پر" چنانچہ جو کفار دولتمند تھے وہ برملا کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی آفت ہم پر آئیگی تو اپنی دولت خرچ کر کے اس آئی ہوئی آفت کو ہم ٹال دیں گے اور اسی گھمنڈ کی بنا پر اللہ سبحانہ کا کوئی خوف ان کو نہ تھا۔ نہ وہ اللہ پر ایمان لاتے تھے اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اے نبی کریم! آپ ایسے لوگوں کی طرف التفات فرماتے ہیں جو نڈر واقع ہوئے ہیں اس امید پر کہ ان کا تزکیۂ قلب ہو جائے گا۔ اگر ان کے قلوب پاک نہ ہوئے تو آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ کوئی الزام آپ پر عائد ہو سکتا ہے اس لئے کہ آپ کا فریضہ صرف اس حد تک ہے کہ اللہ سبحانہ کا پیام ان تک

پہنچادیں۔ اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا ان کا کام ہے اگر وہ آپ کی ہدایت کو نہ مانیں تو الزام ان پر ہے آپ پر نہیں۔ پھر آپ کو ان کی ایسی خاطرداری کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ قرآن کریم میں بار بار یہ ارشاد ہوا ہے :۔ انّما علیک البلاغ۔ آپ پر صرف احکام الٰہی کو اُن تک پہنچا دینا ہے اور بس ۔" اس کا تزکیہ آپ پر واجب نہیں ۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ وَهُوَ يَخْشٰى ۙ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ

اور وہ جو آیا آپ پاس دوڑتا ہوا اور وہ ڈرتا ہے تو آپ اس سے تغافل فرماتے ہیں ۔"

اہل خشیت کی طرف التفات

رہا وہ جو کمال رغبت اور شوق سے آپ کے ہاں دوڑے دوڑے آ رہا ہے۔ اور وہ اللہ سبحانہ کا علم و عرفان رکھتا ہے اور جس کی بدولت وہ اللہ سے ڈرتا ہے تو آپ اس سے تغافل برت رہے ہیں اور اس کی طرف التفات نہیں فرماتے (ایسا نہ ہونا چاہیئے) بلکہ آپ کی نظر التفات کا زیادہ تر مستحق یہی آخر الذکر ہے آپ کی ہدایات کے قدرداں ایسا ہی شوق و رغبت اور خوف و خشیت رکھنے والے ہیں۔ اگرچہ یہ نابینا چشم بصارت نہیں رکھتے لیکن چشم بصیرت سے بہرہ ور ہیں گو دنیوی مال و دولت ان کے پاس نہیں ہے مگر خدا و رسول کی عظمت و احترام سے مالامال ہیں۔ رہے کفار وہ آپ کی ہدایات و تعلیمات کی قدر

کیا جانیں جن کی چشم بصیرت اندھی ہے اور جن کے قلوب تاریک۔ صرف دو روزہ دنیا کی دولت پر اترا رہے ہیں۔ ایسے چند شیخی باز آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو کیا اور جو نہ آئیں تو اس میں آپ کا کیا نقصان؟ اگر اہل خشیت سے توجہ ہٹا کر ایسے مغروروں متکبروں کو باریاب کیا جائے تو اس سے فریضۂ تبلیغ کی افادیت متاثر ہوگی۔ دشمنان اسلام کو موقع مل جائے گا اور یہ چرچا شروع ہوگا کہ آپ کو مالداروں سے محبت ہے اور نادار لوگوں سے نفرت۔ گویا آپ کو مالداروں اور اغنیا سے کچھ حاصل کرنے سے غرض ہے۔ معاذ اللہ۔

ابن ام مکتومؓ کی منقبت عبد اللہ ابن ام مکتوم ام المؤمنین حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے۔ قریشی تھے سابقین اسلام سے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک وقت جو ان کی طرف کچھ بے التفاتی محسوس ہوئی تو وہ نہایت مغموم اور دلگیر ہو کر روتے ہوئے واپس ہوئے کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ حضور معدن الجود والکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ تلطف نہ پایا جو ہمیشہ پاتا تھا۔ ادھر آپ پر یہ وحی نازل ہوئی۔ امام زاہدؒ فرماتے ہیں کہ ساتھ ہی حضرت رسول مجتبیٰ علیہ الف الف تحیۃ وثناء بھی ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ اور فرط شفقت سے ان کو بلا لائے۔ چادر مبارک ان کے لئے بچھائی اور اس پر ان کو بٹھایا۔ اور بکمال عنایت سے ان کو شرف تکلم بخشا۔ اس کے بعد آپ کی عادت شریف ہی یہ ہوگئی کہ ابن مکتومؓ جب کبھی حاضر ہوتے تو

نہایت ہی عزت واحترام سے ان کے ساتھ پیش آتے اور ان کو آتا ہوا دیکھ کر مسرت سے بے ساختہ فرماتے۔ مرحباً بمن عاتبنی فیه ربی۔ آؤ آؤ نزدیک آؤ۔ تم تو وہ ہو جن کی خاطر میرے رب العزت نے مجھ سے عتاب محبت سے خطاب فرمایا۔ صلی اللہ علی طور التجلیات الاحسانیه و مھبط الاسرار الرحمانیه" پھر فرماتے:۔ ھل لك من حاجة۔ کیا کوئی اور حاجت ہے؟ یعنی جس مقصد سے وہ آتے اس کی تکمیل کے بعد دریافت فرماتے کہ اور کسی چیز کی ضرورت ہے؟

خلق عظیم کی وسعت

پھر خلق عظیم کی وسعت کا یہ حال تھا کہ ایسی توجہ اور عنایت نہ صرف حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پر بلکہ ان جیسے شکستہ حال جو اصحاب رضی اللہ عنہم بھی آتے ان پر بھی ایسی ہی عنایت وشفقت مبذول رہتی۔ اور دوسروں کو چھوڑ کر پہلے ایسے لوگوں کا خیال ملحوظ خاطر ہوتا۔ اور کبھی بھی کسی شکستہ حال کی آمد پر ذرا بھی ناگواری اور ترش روئی دیکھنے میں نہ آئی۔ حضرت حکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ ما رؤی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعد ھذہ الآیة متصدیا لغنی" ولا معرضا عن فقیر۔ (ابن ابی حاتم) اس واقعہ کے بعد سے حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ نے کسی دولت مند کو (محض اس کی دولتمندی کی بناپر) ترجیح دی ہو۔ یا کسی فقیر سے (اسکے فقروفاقہ کے باعث) کبھی اعراض فرمایا ہو" اور یہ کیونکر ہوسکتا درحالیکہ آپ

عموماً فرمایا کرتے :۔ الفقر فخری۔ فقر و فاقہ تو ہمارے لئے موجب افتخار ہے اور طرۂ امتیاز" مسند نشینان شریعت غراء (علماء و مشائخ طریقت وا ہتداد کا طرز خطاب بھی ایسے اصحاب کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیئے اور ان کو اس اسوۂ حسنہ کا اتباع لازم جاننا چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے :۔ من تحامل علی فقیر لغنی فقد ھدم ثلث دینہ۔ جس نے کسی غنی کو (اس کے غنا و تونگری کی وجہ سے) کسی فقیر پر (محض اسکے فقر کی بنا پر) ترجیح دی تو اس نے اپنے دین کا ایک تہائی حصہ منہدم کر لیا"

ابن مکتوم کی پابندی جماعت حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں :۔ اقبل ابن ام مکتوم الاعمی وھو الذی نزل فیہ عبس وتولی ان جاءہ الاعمی فقال یا رسول اللہ کما تری قد کبرت سنی ورق عظمی وذھب بصری ولی قائد لا یلائمنی قیادہ ایای فھل تجد لی من رخصۃ اصلی الصلوات الخمس فی بیتی قال ھل تسمع المؤذن قال نعم قال ما اجد لک من رخصۃ۔ (طبرانی ابن مردویہ)

ابن ام مکتومؓ نابینا جن کے بارے میں عبس وتولی ان جاءہ الاعمی وغیرہ آیات کریمہ نازل ہوئیں' ایک دفعہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا :۔ یا رسول اللہ! آپ مشاہدہ فرماتے ہیں کہ میں سن رسیدہ ہو گیا اور میری ہڈیاں تنک پتلی پڑ گئیں اور میری بینائی تو بیشتر ہی جا چکی ہے۔ میرا ایک خادم ہے جو مجھے لاتا

لیجاتا ہے لیکن اس کی قیادت میرے منشا کے مطابق نہیں ہوا کرتی۔ ایسی حالت میں کیا آپ میرے لئے ایسی سہولت پاتے ہیں کہ پنجگانہ نمازیں میں اپنے گھر ہی میں پڑھ لیا کروں؟ آپ نے دریافت فرمایا کیا تم اذاں کی آواز سنتے ہو؟ جواب دیا ہاں سنتا ہوں۔ تو فرمایا پھر تو میں تمہارے لئے کوئی گنجائش نہیں پاتا" یعنی تم کو مسجد میں حاضر ہو کر پانچوں وقت کی نمازیں باجماعت ادا کرنی چاہئیں۔ چنانچہ وہ اس کے بعد پنجوقتہ نمازوں میں پابندی کے ساتھ حاضر ہوا کرتے۔ بلکہ سب سے پہلے آ کر اذاں کہا کرتے جیسا کہ ابھی گزرا۔ پھر ان کی ہمت اور بڑھی اور نمایاں خدمات انجام دینے لگے۔ سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء غزوات میں تشریف لیجاتے تو عموماً مدینہ پر ابن ام مکتوم رضؓ کو اپنا جانشین بناتے۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ تیرہ دفعہ آپ نے ان کو اپنا جانشین بنایا۔ یہ آپ کی واپسی تک لوگوں کی امامت کیا کرتے۔ باقی دنوں میں حضرت بلالؓ کے علاوہ یہ بھی موذنی کی خدمت انجام دیتے۔ رمضان المبارک میں اذان فجر یہ دونوں حضرات یکے بعد دیگرے کہتے تھے مگر حضور اکرم کی تاکید ہوتی کہ بلال رات رہنے پر اذاں کہتے ہیں اس لئے ان کی اذاں پر سحری ختم نہ کرو بلکہ ابن مکتوم کی اذاں پر سحری ختم کیا کرو۔ اتنی محبت و شفقت کے باوجود دین کے معاملہ میں کوئی رعایت ان کے ساتھ نہ تھی۔

ابن مکتوم کی غزوات میں شرکت اور شہادت حضور سید المرسلین صلوات اللہ علیہ و علیہم اجمعین کے بعد

ابن ام مکتومؓ نابینا ہونے کے باوجود دور دراز غزوات میں شریک رہتے۔ اور شایانِ شان خدمات انجام دیتے۔ عہدِ فاروقی میں جب شہر مدائن پر چڑھائی ہوئی تو اس میں ابن مکتوم بھی شریک تھے حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ ورأیته یومئذ وعلیه درع وله رایة سوداء۔ میں نے مدائن کی جنگ میں ابن مکتوم کو دیکھا کہ وہ زرہ پہنے ہوئے شریک ہیں سیاہ جھنڈا لئے ہوئے" کہتے ہیں کہ قادسیہ کے جنگ میں ان کی شہادت ہوئی۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ مدینہ پاک واپس آئے اور یہاں وفات پائی۔ ممکن ہے کہ قادسیہ میں زخمی ہوئے ہوں اور وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی ہو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ام المومنین کی شفقت حضرت مسروق کہتے ہیں:۔ دخلت علی عائشۃ عندھا رجل مکفوف تقطع له الاترج وتطعمه ایاه بالعسل فقلت من ھذا یا ام المومنین فقالت ھذا ابن ام مکتوم الذی عاتب اللہ فیه نبیه صلی اللہ علیه وسلم (حاکم بروایت صحیحۃ ابن مردویہ، بیہقی) میں ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک نابینا ہے جس کو آپ ترنج کاٹ کاٹ کر شہد کے ساتھ ملا کر کھلاتی جا رہی ہیں میں نے دریافت کیا۔ ام المومنین! یہ کون ہے؟ تو فرمایا کہ یہ ابن مکتوم ہیں جن کے بارے میں اللہ سبحانہ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عتاب فرمایا"

ابن زیدؓ کا تاثر حضرت ابن زیدؓ فرماتے ہیں:۔ لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتم شیئا من الوحی کتم ھذا عن نفسہ۔ (ابن ابی حاتم) فرض کرو کہ اگر حضرت رسول دوجہاں علیہ صلوات الرحمان وحی الہٰی کا کوئی سا حصہ بھی چھپائے رکھے ہوتے تو ضرور اس واقعہ کو چھپاتے۔" یعنی ابن مکتوم کا واقعہ جس میں آپ پر عتاب ہوا اس کا قرآن کریم میں مذکور ہونا اور اس کا پڑھا جانا معلوم ہے یہ خود اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ آپ پر جو جو وحی نازل ہوتی رہی آپ اس کو لکھوا دیتے رہے۔ آپ کے صادق و مصدوق ہونے کی یہ کھلی دلیل ہے کہ تعریف و منقبت اور فضائل کے باب میں جو آیات کریمہ نازل ہوئیں جس طرح ان کو لکھوا دیا ٹھیک اسی طرح اس نوع کی آیات کو بھی آپ نے صاف صاف لکھوا دیا۔ یہی شان صدق وصفا ہے۔ صلی اللہ علی طور التجلیات الاحسانیہ۔ ورنہ معاذ اللہ اگر آپ احکام الٰہی کو چھپانے اور لوگوں تک ان کو نہ پہنچانیوالے ہوتے تو قرآن کریم میں اس کا وجود نہ ہوتا اور اس کو چھپا دیا جاتا۔

قرآن کے کلام اللہ ہونیکا ثبوت قرآن کریم میں اس سورت شریفہ کا موجود ہونا جس طرح حضرت سردار دوجہاں علیہ صلوات الرحمان کے رسول برحق ہونے کی کھلی نشانی ہے۔ اسی طرح اس سورت کریمہ سے قرآن پاک کا کلام اللہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کسی بشر کا کلام نہیں نہ حضرت سید البشر صلوات اللہ وسلامہ علیہ الی یوم المحشر کا

ہو سکتا ہے بلکہ یہ ایسی بزرگ و برتر ہستی کا کلام ہے کہ وہ نہ صرف جملہ کائنات بلکہ سید
الکائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات پر بھی اپنا حکم جاری کرتا اور امر و نہی کے اجرا کا پوری
طرح اقتدار رکھتا ہے لطیف سے لطیف تر پیرایہ میں سہی مگر آگاہ فرمایا جاتا ہے کہ آپ نے
ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اسی نکتہ کو دریافت کر کے ایک نصرانی
عالم بے اختیار کہہ اٹھا کہ واقعی قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔
اللہ سبحانہ کی رحمتیں اون کے شامل حال ہوں۔

ایک منافق کا حال اور اس کا انجام

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے زمانہ خلافت میں ایک شخص کہیں نماز پڑھایا کرتا تھا اور نماز میں سورہ عبس ہی
اکثر پڑھا کرتا۔ حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ منافق ہے جو
اپنے اندرونی کفر کو اپنی امامت اور قرارت کے ضمن میں اس طرح ظاہر کر رہا ہے۔
اگر یہ مسلمان ہوتا تو قرآن کریم کی (۱۱۴) سورتوں اور کثیر التعداد رکوعات
میں سے صرف اس ایک سورت اور اس ایک رکوع کا انتخاب نہ کرتا۔ فارسل
الیہ فضرب عنقہ لما استدل بذلک علی کفرہ و وضع مرتبتہ
عندہ و عند قومہ (روح البیان)۔ آپ نے اس کے پاس آدمی بھیجا جس نے
اس کی گردن اڑادی۔ کیونکہ اس کے ایسے عمل سے صاف ظاہر تھا کہ حضور سید عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کے نزدیک کوئی حرمت و وقعت نہیں ہے اور یہی حال اس کی قوم منافقین کا ہے۔"

صورت کا اعتبار نہیں سیرت معتبر ہے

بہرحال ان آیات کریمہ کے ذریعہ یہ تعلیم دیجارہی ہے کہ قلبی کیفیات اور روحانی احوال کا اعتبار ہے ظاہری شکل و صورت اور مال و دولت کا اعتبار نہیں۔ ایمان و اتباع سے انسان کی عزت ہے۔ اللہ سبحانہ نے جس کو دولت ایمان و انقیاد سے سرفراز کیا وہی بلند اور قابل احترام ہے، گو اس کی ظاہری گری ہوئی حالت کے اعتبار سے اہل دنیا اس کی قدر نہیں جانتے۔ اور جو کفر و طغیان میں گرفتار رہا وہ ذلیل ہے اگرچہ لوگوں کی نظروں میں اس کا بڑا اعتبار ہو۔ ارشاد باری ہے:۔

ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین۔ عزت تو صرف اللہ ہی کیلئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور ان پر ایمان رکھنے والوں کے لئے" اسی لئے مذکورہ واقعہ کو بتلا دینے کے بعد ارشاد ہوا:۔

كَلَّآ۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔"

یعنی مومن پر کافر کو ترجیح نہ دیجانی چاہیئے خواہ اس میں کیسی ہی مصلحت مضمر ہو۔

تفسیر کلمۂ کَلَّا

اس اعتبار سے کلمۂ کَلَّآ حرف ردع قرار پائیگا جو کسی چیز سے

منع کرنے اور روک دینے کے لئے آتا ہے۔ لیکن امام سجاوندی نے یہاں وقف نہیں بتلایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس کلمہ کو حقًا کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں کَلَّا کا تعلق کلام مابعد سے ہوگا۔ یعنی حقیقت حال یہ ہے جو آگے بیان ہو رہی ہے۔

۸۰ (آیات ۱۱ تا ۱۶)

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۗ

(حقیقت یہ ہے کہ) یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے نصیحت لے۔ معزز ورقوں میں جو رفیع الشان ہیں نہایت ستھرے، ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں سے (لکھے ہوئے) جو بڑے درجے والے نیکوکار ہیں۔

قرآن کریم نصیحت ہے یعنی تمام اعتبارات سے قطع نظر کر کے حقیقت حال معلوم کرنی چاہو تو نفس الامری واقعہ یہ ہے کہ آپ پر جو وحی اتاری جا رہی ہے اور جسکو آپ ان صنادید قریش کے دل میں اتارنا چاہتے ہیں اور وہ ہیں کہ ان کو اس جانب کچھ بھی التفات و رغبت نہیں، اور ایک نابینا مسلمان ہے جو بصد شوق و رغبت اسکو سیکھنے اور اپنے سینے میں محفوظ کرنے اور دل و دماغ کو منور کرنے کے لئے دوڑے دوڑے آرہا ہے وہ آپ کی نظر التفات سے محروم جا رہا ہے۔ یہ وحی (قرآن کریم) نصیحت ہے

لوگوں کا بھلا چاہنے والی، اور بھلائی کی راہ دکھانے والی۔ اس سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو اس کا خواہشمند ہو۔ اور جس کو اس کی خواہش ہی نہیں وہ اس سے کیا خاک فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ لہذا آپ صرف اپنے پاس آنے والوں کو پیام الہٰی پہنچا دیا کیجئے جو چاہے اس سے نصیحت لے۔ کسی پر جبر نہیں۔ نصیحت لیگا تو اسکو فائدہ پہنچیگا اور جو نہ مانے وہ محروم رہیگا۔

فی صحف مکرمۃ کی تفسیر | فِی صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَهَّرَۃٍ۔

معزز ورقوں میں جو رفیع الشان ہیں نہایت ستھرے پاکیزہ" پھر قرآن کریم وہ عظیم الشان کتاب جلیل ہے جو معزز ورقوں میں منقوش و مزین ہے۔ اس کے ایک ایک ورق کو دیکھتے ہی اس کو احتراماً بوسہ دیا جاتا، آنکھوں سے لگایا جاتا، اور سینے سے چمٹا لیا جاتا ہے۔

اس رفیع الشان کتاب کو رکوع و سجود میں نہیں پڑھ سکتے | کیوں نہ ہو اس کی شان نہایت رفیع اور عالی ہے ایسی کسی اور کتاب یا ورق کو حاصل نہیں۔ ان صنادید کے ماننے یا نہ ماننے پر اس کی عظمت و شان موقوف و منحصر نہیں وہ بجائے خود نہایت ہی رفیع الشان ہے۔ تلاوت کیجاتی ہے تو اس کو اونچے مقام پر رکھ کر پڑھا جاتا ہے۔ نماز میں اس کی قراءت ہوتی ہے تو حالت قیام میں پڑھا جاتا ہے، رکوع و سجود میں

نہیں پڑھ سکتے کیونکہ یہ حالت اپنی ذلت اور عجز کے اظہار کی ہے۔ پھر وہ اوراق ستھرے پاکیزہ، ان میں جو لکھا ہے وہ طاہر مطہر اس کا ایک ایک حرف، ایک ایک جملہ ایک ایک آیت، ایک رکوع ایک ایک سورت ایک ایک جزو اور ایک ایک منزل پڑھتے جاؤ یہاں تک کہ پورا کلام ربانی ختم کرلو پھر دیکھو کہ خیالات میں عقاید میں اقوال میں، اعمال میں، افعال میں، آئندہ کے منصوبوں اور ارادوں میں تمناؤں میں اور دعاؤں میں بلکہ ساری زندگی کے ابواب میں کیسی ستھرائی، پاکیزگی، شگفتگی، اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔

بایدی سفرۃ کی تفسیر بِاَيۡدِىۡ سَفَرَةٍ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ۔ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے جو بڑے درجے والے نیکوکار ہیں۔" پھر اس کے لکھنے والے۔ ان کی شان کیا پوچھتے ہو وہ بھی ہم سے پوچھو اور ہم سے سنو۔ وہ ایسوں کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ہے جو سراپا نیک ہیں، ہمارے پاس ان کی بڑی کرامت اور عزت ہے، ہمارے اکرام و انعام کے مستحق ہیں۔ بَرَرَةٌ نہایت ہی نیک۔" علامہ راغب لکھتے ہیں :۔ بررۃ ابلغ من ابرار فانہ جمع بر و ابرار جمع بار۔ یعنی بَرَرَةٌ کا لفظ ابرار کے مقابلہ میں بلیغ تر ہے کیونکہ بَرَرَةٌ جمع ہے بَرٌّ کی۔ بارٌ کے معنی ہیں نیک اور بَرٌّ کے معنی نہایت ہی نیک۔

سفرۃ سے فرشتے مراد ہیں حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں :- السفرۃ الکتبۃ من الملائکۃ ۔ (عبد بن حمید) سفرہ (جن کے ہاتھوں سے قرآن کریم لکھا گیا ہے اور جن کی صفت کرام بررۃ مذکور ہوئی ہے وہ) فرشتے ہیں " جو وحی الٰہی کو اپنے پاک ہاتھوں سے لکھا کرتے ہیں ۔ حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت معدن الجود و الکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- الذی یقرأ القرآن وھو ماھر بہ مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرأہ وھو علیہ شاق لہ اجران (امام احمدؒ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہتا ہے درحالیکہ وہ اس میں ماہر بھی ہے وہ قرآن کریم کے لکھنے والوں کے ساتھ ہوگا جو اہل کرم اور حد درجہ نیک ہیں ۔ (یعنی کاتبین وحی فرشتوں کے ساتھ ۔) اور جو قرآن پاک کی تلاوت جاری رکھتا ہے درحالیکہ اس کی تلاوت اس پر شاق اور دشوار گزار ہے تو اس کے لئے بھی دو اجر ہیں " بعض طرق روایات میں اتنا اضافہ بھی آیا ہے :- و یتتعتع فیہ ۔ یعنی اس کو ہجے کر کر کے اٹک اٹک کر پلٹا پلٹا کر پڑھتا جاتا ہے " شارحین حدیث فرماتے ہیں :- ھو التردد فی الکلام من حصر او عیّ لہ اجران اجر القراءۃ واجر التعب لا یرید

ان اجرہ اکثر من اجر الماہر کیف وھو مع السفرۃ فلہ اجور کثیرۃ۔

(مجمع البحار) یتتعتع سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کو دہرا دہرا کر پڑھتا ہے اٹک ہونے کی وجہ سے یا زبان پر کلمہ نہ چڑھنے کی وجہ سے تو اس کو بھی دو اجر ہیں، ایک تلاوت جاری رکھنے کا اور دوسرا اس کی مشقت اٹھانے کا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسے شخص کا ثواب، ماہر قرأت کے مقابلہ میں دوہرا ہے؟ اور یہ کیونکر ہوگا کیونکہ ماہر تو وحی الہٰی لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا اس کو تو بے شمار اجر ملیں گے۔" بہرحال ان روایات سے پایا جاتا ہے کہ سَفَرَۃٍ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ سے فرشتے مراد ہیں۔

کاتبین وحی کی فضیلت ومنقبت عظیمہ حضرت وہب بن منبہؓ فرماتے ہیں:۔ بایدی سفرۃ کرام بررۃ ھم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) بایدی سفرۃ کرام بررۃ سے حضرت مہبط وحی نبی امی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ مراد ہیں۔" اس روایت کی رو سے صحابہ کرامؓ اور خصوصاً وہ اصحابؓ جن کے حصے میں کتابت وحی الہٰی کی دولت آئی جن کے نصیب یہ تھے کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ مبارک وباعظمت کام ان سے لیتے تھے اس میں ان کی بڑی ہی منقبت اور فضیلت پائی جاتی ہے۔ نیز مبارک ہیں وہ ہستیاں جو ان کے بعد سے اب تک

قرآن کریم کی کتابت و اشاعت کو اپنا وظیفۂ زندگی بنائے ہوئے ہیں اور کسی نہ کسی طریق سے خدمت قرآن میں مشغول ہیں۔ شکر اللہ سعیہم وکثر امثالہم۔ نیز وہ جو تا قیامت قرآن کریم کی کتابت وغیرہ کے ذریعہ دین متین اسلام اور قرآن عظیم کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝ ع (آیت ۱۷ تا ۲۳)

"مارا جائے انسان کہ وہ کس قدر ناشکر ہے کس چیز سے بنایا اس کو' ایک بوند سے اسے بنایا پھر اسے طرح طرح اندازوں پر رکھا' پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا پھر اسے موت دی' پھر اسے قبر میں رکھوایا' پھر جب چاہا اٹھا نکالا اس کو' کوئی نہیں اس نے اب تک پورا نہ کیا جو اسے حکم ہوا تھا۔"

انسان پر تعجب سخت حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ ایک طرف اللہ سبحانہ تعالیٰ قرآن کریم جیسی با عظمت کتاب جلیل اتار کر اپنے پیارے اور برگزیدہ رسول کے ذریعہ انسان کی حیات شخصی و ملی کا سامان فرما رہا ہے جس سے ان کے شرح صدر اور دل و دماغ کے منور ہوتے اور ان میں پاکیزہ اخلاق پیدا ہونے اور پسندیدہ اعمال

افعال صادر ہونے کا نظم قائم ہوا اور دوسری طرف انسان کا یہ حال کہ وہ کبر و نخوت میں مبتلا رہ کر تحصیل سعادت و کمال سے استغنا برتے اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی موت کا سامان فراہم کرتا رہے۔ ایسے انسان کو گردن زدنی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے: ۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۔ مارا جائے انسان کہ وہ کس قدر ناشکرا ہے" کہ ادھر سے یہ فضل و عطا اور اُدھر سے وہ تمرد و خطا۔

من ای شیئٍ خلقہ کی تفسیر | مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ مِنْ نُّطْفَةٍ ' اس کو ذرا تو غور کرنا چاہیئے کہ وہ ہے کیا چیز اور کیا تھی اس کی حقیقت؟ وہ کیا سے کیا بنا اور کس طرح بنا اور بنانے والے نے اس کے بنانے کا کیا کچھ اہتمام نہ فرمایا؟ اسکی مختصر حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک زمانے تک کچھ نہ تھا پھر مشیت الٰہی کارفرما ہوئی تو صلب پدر میں کچھ پانی پیدا ہوا۔ اور اس پانی کی ایک بوند سے اس کی آفرینش ہوئی۔ وہ بوند رحم مادر میں پرورش پاتی اور ترقی کے مدارج طے کرتی رہی۔ ایسی تنگ و تاریک جگہ جسکی کسی کو خبر نہیں اور جہاں کسی کی رسائی نہیں۔ انسانی دسترس سے باہر۔

خلقہٗ فقدرہٗ کی تفسیر | خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ' اُسے بنایا پھر اُسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا" وہیں کئی طرح کے انقلابات اور تغیرات آتے رہے۔ اور اس کے

اطوار بدلتے گئے۔ تبھی تو وہ پانی کی ایک بوند پھر اس کو بنایا گیا خون، پھر بستہ خون، پھر گوشت کی ایک بوٹی، پھر اس میں پیدا ہوا ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ، پھر ان کو رگ پٹھوں سے بنایا گیا مضبوط و استوار، پھر اس پر مڑا گیا گوشت اور تراشے گئے اعضاء، پھر اس میں پھونکی گئی روح اور رکھی گئی اس کی تقدیر، ودیعت کئے گئے اس میں حواس ظاہری و باطنی، اور رکھی گئی اس میں صلاحیت و استعداد فہم و ادراک کی، عقل و ذکاء کی، علم و حکمت کی، اکتساب کمال کی، اب تک وہ تھا جنین (پیٹ میں کا بچہ)۔

ثم السبیل یسرہ کی تفسیر اب وہ آنا چاہتا ہے باہر لیکن آنے کی راہ نہیں ملتی تھی ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ۔ پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا۔" جب وہ قطرہ تھا تو ایک تنگ و تاریک جگہ محفوظ تھا۔ کسی کو خبر تک نہ تھی کہ یہاں کچھ محفوظ ہے۔ پھر جیسا جیسا بڑھتا اور ترقی کرتا گیا تو اس کے ساتھ ساتھ اس کا مکان بھی وسعت پذیر ہوتا گیا۔ تا آنکہ ہر کوئی دیکھنے والا یہ سمجھنے لگا کہ کسی مہمان کی اس مہمان خانے میں آمد ہو رہی ہے، جب وضع حمل کا زمانہ قریب ہوا اس کے باہر آنے کی سہولت پیدا کر دی گئی۔ نہ صرف باہر آنے کی راہ بلکہ ہر طرح کی راہیں کھول دیں کہ وہ باہر آ کر دن دونی رات چوگنی ترقی و عروج کے منازل طے کرتا رہے۔

انسان کی ناانصافی حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں:۔ قرأت فی التوراۃ
او قال فی صحف ابراھیم فوجدت فیھا یقول اللہ یا ابن آدم ما انصفتنی
خلقتک ولم تک شیئا وجعلتک بشرا سویا وخلقتک من سلالۃ
من طین، ثم جعلتک فی قرار مکین ثم خلقت النطفۃ علقۃ فخلقت
العلقۃ مضغۃ فخلقت المضغۃ عظاما فکسوت العظام لحما ثم انشأتک
خلقا آخر یا ابن آدم ھل یقدر علی ذلک غیری۔ میں نے توریت شریف
یا سیدنا ابراہیم کے صحف شریفہ میں پڑھا ہے جس میں یہ لکھا ہوا پایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے:۔ اے آدمؑ کے بیٹے! تو نے میرے ساتھ انصاف کا معاملہ تک نہ کیا
(قدر دانی تو رہی ایک طرف کیونکہ انصاف تو ہوتا ہے اجنبیوں اور غیروں کے
مقابلے میں، اور اپنوں کی قدر کیجاتی ہے) تجھے میں نے ایسی حالت میں پیدا کیا
جب کہ تو کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے تجھے کامل و مکمل انسان بنایا۔ تیری آفرینش کا آغاز
سڑی ہوئی مٹی سے ہوا۔ پھر تجھے (ایک بوند کی شکل دیکر) نہایت محفوظ مقام میں
ٹھہرایا۔ پھر اس بوند کو خون اور منجمد خون بنایا۔ پھر اس خون کو گوشت کی بوٹی،
پھر بوٹی میں ہڈیاں پیدا کیں پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر تجھے ایک مکمل
مخلوق بنا کر دوسری قسم کا وجود بخشا۔ اے آدم کے بیٹے! ایسا کرنے پر میرے سوا

اور کوئی اس کائنات میں ایسی قدرت رکھتا ہے؟ (نہیں ہرگز نہیں)"

بچے کی ماں پر اللہ کی رحمت

ثم خففت ثقلك علی امك حتی لا تتمرض بك ولا تتاذی، ثم اوحیت الی الامعاء ان اتسعی، و الی الجوارح ان تفرقی فاتسعت الامعاء من بعد ضیقها وتفرقت الاعضاء من بعد تشبیکها۔ پھر تیری ماں پر تیرا بوجھ ہلکا کردیا تاکہ وہ تیری وجہ سے بیمار نہ پڑ جائے اور تیری وجہ سے اس کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے (ورنہ پیٹ کا یہ حال ہے کہ ایک لقمہ بھی زیادہ پہنچ جائے تو وہ بوجھ بن جاتا ہے اور جب تک وہ خارج نہ ہو آرام نہیں ملتا مگر تیری ماں کے پیٹ کا یہ حال رہا کہ نو مہینے تک تو اس میں جاگزیں رہا وہ چلتی پھرتی، کھاتی پیتی، ہنستی بولتی، کام کاج کرتی رہی) پھر میں نے (تیری) آنتوں کو حکم دیا کہ وہ کشادہ ہو جائیں اور (تیرے) اعضائے ظاہری کو حکم بھیجا کہ وہ ایک دوسرے سے جدا جدا ہو جائیں۔ چنانچہ آنتیں جو تنگ تھیں کشادہ ہو گئیں اور اعضاء جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے الگ الگ ہو گئے"۔

فرشتوں کے ذریعہ بچے کی خدمت

ثم اوحیت الی الملك الموکل بالارحام ان یخرجك من بطن امك فاستخلصك علی ریشة من جناحه، فاطلعت علیك فاذا انت خلق ضعیف لیس لك سن یقطع

ولاضرس یطحن، فاستخلصت لك فی صدر امك عرقا یدر لك لبنا بارداً فی الصیف حاراً فی الشتاء واستخلصته لك من بین جلد ولحم ودم وعروق۔ پھر میں نے فرشتے کو جو ارحام کی حفاظت کے لئے مقرر ہے حکم دیا کہ وہ تجھے تیری ماں کے پیٹ سے باہر نکال لائے۔ اس طرح میں نے اس کے بازوؤں کے ریشوں پر تجھے وہاں سے چھڑا نکالا، اب یہ دیکھ کر کہ تو ایک ناتواں کمزور مخلوق ہے۔ نہ تجھے دانت ہیں جو غذا کو توڑ سکیں اور نہ داڑھیں میسر ہیں جو اس کو چبا اور پیس سکیں تو میں نے تیری خاطر تیری ماں کی چھاتیوں میں ایک رگ کو اس قابل بنایا جس سے دودھ اترتا رہے جس کی صفت یہ ہو کہ گرما کے موسم میں تو وہ ٹھنڈا ٹھنڈا رہے اور سرما میں گرم گرم، پھر میں نے جلد اور گوشت اور خون اور رگوں کے درمیان سے یہ خالص دودھ بنا نکالا۔"

والدین کی شفقت اللہ کی رحمت

ثم قذفت لك فی قلب والدتك الرحمة و فی قلب ابیك التحنن فهما یکدان ویجهدان ویربیانك ویغذیانك فلما قطع سنك وطحن ضرسك اطعمتك فاکهة الصیف فی اوانها وفاکهة الشتاء فی اوانها۔ پھر میں نے تیری خاطر تیری ماں کے دل میں رحمت وشفقت، اور تیرے باپ کے دل میں محبت وہمدردی

ڈال دی۔ اب ان دونوں کا یہ حال ہے کہ وہ دونوں مل کر جدوکد اور محنت و مشقت میں لگے ہوئے ہیں اور تیری تربیت و پرورش کئے جا رہے ہیں اور تیرے کھانے پینے کے انتظام میں مشغول ہیں۔ پھر جب تیرے دانت اس قابل ہوئے کہ غذا کو توڑ سکیں اور تیری داڑھیں اس قابل ہوئیں کہ اس کو چبانے اور پیسنے لگیں تو میں نے تجھے طرح طرح کے میوے کھلائے۔ گرمی کے میوے اپنے وقت پر اور سرما کے میوے اپنے موسم پر۔"

انسان کی ناشکری اور اس کا علاج

فلما ان عرفت انی ربك عصیتنی فالان اذ عصیتنی فادعنی فانی قریب مجیب وادعنی فانی غفور رحیم۔ (ابونعیم) اب جبکہ تو نے خوب پہچان لیا کہ تیری پرورش و تربیت کرنے والا پروردگار ابتداء سے اس وقت تک بلکہ آئندہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے میں ہی ہوں اور صرف میں، تو میرے احکام کی نافرمانی کرنے لگا اور میرے ہی خلاف کیا جا رہا ہے۔ لہذا اب جبکہ تو میرے احکام کی خلاف ورزی کئے جا رہا ہے تو خیر مضی ما مضی اب بھی وقت ہے کہ میرے آگے ہاتھ پھیلا مجھ سے مانگ اور مجھے پکار کیونکہ میں سب سے قریب تر اور تجھ سے نزدیک تر ہوں تیری دعا کو قبول کرنے کیلئے اب بھی آمادہ ہوں میرے ہی آگے دعا کرتا رہ کیونکہ میں بڑا بخشنے والا اور نہایت ہی مہربان ہوں۔"

موت اور قبر بھی اللہ کی نعمت

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں ٹھہرایا۔ یعنی اس زندگی کی مدت کے ختم پر ان کو موت سے سابقہ پڑا۔ معلوم ہوا کہ موت بھی اللہ سبحانہ کی بہت بڑی نعمت ہے جبھی تو سابقہ انعامات اور احسانات کے سلسلے میں اس کا بیان فرمایا جا رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مرنے کے بعد اس کو قبر میں ٹھہرانے کا انتظام فرمایا۔ غور کرو تو موت اور موت کی طرح قبر بھی ایک جداگانہ بڑی نعمت ہے۔ موت نعمت اس لئے ہے کہ اسکی بدولت تمام تکالیف شرعیہ برخاست ہو جاتی ہیں۔ طہارت، نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور جہاد وغیرہ سارے فرائض و واجبات ساقط ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح تمام تر ذمہ داریاں جو تحصیل معاش اور دوسروں کی خبر گیری وغیرہ کے متعلق عائد حال تھیں وہ سب کی سب ختم ہو جاتی ہیں۔ اب دنیا میں اچھا واقعہ ہو یا برا گزرے مرے ہوئے آدمی کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف ہے :۔ الموت تحفۃ المؤمن "موت مومن کے حق میں ایک گراں بہا تحفہ ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جب مصائب و آلام میں گرفتار ہو جاتا ہے اور کوئی تدبیر ان سے خلاصی اور رستگاری کی کارگر ہوتی نظر نہیں آتی تو وہ موت کو یاد کرتا ہے۔ کتنے نا صبور انسان ایسی حالت میں خودکشی پر آمادہ ہو جاتے اور کتنے ہی خودکشی کر لیتے ہیں حالانکہ

شرع شریف میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ اللھم احفظنا۔

موت تحفہ مومن پھر موت مومن کے لئے جس طرح نادر تحفہ ہے ایسا ہی رفیق اعلیٰ اللہ سبحانہ سے جا ملنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے:۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی المحبوب۔ موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو اس کے محبوب سے ملاتا ہے" سب کو اس پل سے گزرنا لازم ہے۔ کسی کو اس سے بچنا ممکن نہیں۔ عمر بھر میں جو کچھ کیا ہے اس کی جزا موت کے بعد ہی ملیگی۔ جب نتیجۂ زندگی کا حصول اس پر موقوف و منحصر ہے تو موت بھی اللہ سبحانہ کی بڑی نعمت ٹھہری۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اکثروا ذکر ھاذم اللذات۔ تمام لذتوں کو قطع کرنے والی چیز یعنی موت کا ذکر بکثرت کرتے رہو" اس سے ہر مصیبت آسان اور طاقت صبر پیدا ہوتی ہے جو نصف ایمان اور تمام کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے۔

دفن کی فضیلت اسی طرح میت کے لئے قبر ایک فطری سادہ سہل الحصول مقام ہے جس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر کسی کا وقت آخر کسی سمندری سفر کے سلسلہ میں آپہنچے تو اس کو پانی میں چھوڑ دینا چاہیئے۔ انسان کی آفرینش اسی آب و گل سے ہوئی تھی۔ یہی دونوں چیزیں اس کے لوازم زندگی تھے۔ اس کے

کھانے پینے اور عیش و آرام کی ساری سہولتیں آب و گل سے ہی میسر ہوتی تھیں۔ ان ہی دو چیزوں سے اس کی طہارت اور پاکیزگی کا سامان، وضو، غسل اور تیمم کی صورت میں کیا گیا تھا گویا انسان کا وجود ابتدا سے انتہا تک اسی آب و گل کی امانت کا مجموعہ تھا۔ اور یہ قفس عنصری ہی اسی سے تیار ہوا تھا۔ اب جبکہ روح نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور روح انسانی رفیق اعلیٰ سے جا ملی تو اس کالبد انسانی کو جو درحقیقت آب و گل کی امانت تھی اس کو آب و گل ہی کے سپرد کر دینا حق بحقدار رسید کا مصداق ہے۔ لہٰذا جو حکم انسان کو بعد مردن قبر میں دفن کر دینے سے متعلق دیا گیا۔ یا پانی پر اس کی موت واقع ہوئی تو اس کو پانی میں چھوڑ دینے کا حکم آیا تو عقل و نقل ہر اعتبار سے مناسب و موزوں اور افضل و اعلیٰ ہوا۔

میت کو جلانا غیر فطری ہے

ایسے سادہ، سہل الحصول فطری طریق کو چھوڑ کر بعض لوگوں نے آگ میں جلا دینے یا جانوروں کا لقمہ بنا دینے کا جو خود ساختہ طریقہ اختیار کر لیا ہے اور اس سے بڑھ کر بعض قومیں جو اسکو خود ہی کھا لیا کرتی ہیں جس کو سن کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ان کی نسبت ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے وہ خود ہی اپنے نزدیک غور کر لیں کہ ان کا یہ عمل امانت الٰہیہ کی ادائی اور تسلیم و تفویض سے کس درجہ مطابقت رکھتا ہے۔ جب امانت الٰہیہ اور اپنی ہی میت کے ساتھ ان کا آخری سلوک اس نوعیت کا ہے تو زندگی کے دوسرے شعبوں میں اوروں کے حقوق اور امانات کی ادائی کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟ فاعتبروا

یا اولی الابصار۔ اگر یہ خیال ہو کہ اس طرح میت کو جلا دینے اور اس کی راکھ کو
ہوا میں اڑا دینے یا پانی میں بہا دینے سے دوبارہ اس کو زندہ کر کے لا کھڑا کرنا ممکن
نہ ہو سکیگا۔ یا اس کو برزخ کے سوال و جواب اور عذاب قبر سے نجات مل جائے گی تو
ایسا خیال محض باطل خیال خام ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو واقعہ نفس الامری
اور اللہ سبحانہ کی قدرت قاہرہ کا علم ہی نہیں۔ میت کا جو کوئی جزو جہاں کہیں بھی
ہے درندے کے پیٹ میں یا پانی یا ہوا میں یا کسی دوسرے انسان کے پیٹ میں
وہی اس کی قبر ہے اور وہیں اس سے باز پرس ہوگی اور جزاء و سزا مرتب ہوگی۔
اللہ سبحانہ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں جب کہ ساری کائنات اسی کے
قبضہ قدرت میں ہے۔

حشر و نشر

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۔ پھر جب چاہا اس کو لا کھڑا کیا۔ خواہ کوئی
قبر میں دفن ہو یا پانی میں بہا دیا گیا ہو یا آگ میں جلا دیا گیا یا کسی پرندے یا درندے
کو کھلا دیا گیا یا کسی کے پیٹ میں ہضم ہو کر جزو بدن بنا لیا۔ جو بھی صورت ہو جب مشیت الٰہی
جاری ہوگی کہ ہر ایک کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے تو وہ ہر ایک کو اٹھا کر میدان محشر میں لا کھڑا
کریگا۔ زمین جو اس کے زیر فرمان ہے۔ پانی اور آگ اسکے حکم میں ہے۔ ہوا پر اس کا حکم جاری ہے
درندے چرند پرند اور حشرات الارض اسکے حکم کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں جس طرح ساری کائنات

اس کے تابع فرمان ہے کسی کی کیا مجال کہ اس کے حکم کے آگے دم مار سکے یا اسکے حکم سے سرتابی کر سکے۔ حکم ہوتے ہی آن کی آن میں دیکھتے دیکھتے تعمیل ہو جائیگی۔ اور از آدم تا ایں دم جس جس کو حاضری کا حکم ہو گا خواہ وہ کہیں ہو اور اس کا ذرہ ذرہ بکھر گیا ہو۔ تمام ذرات ایک جگہ جمع ہو کر سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ کافر اگرچہ عمر بھر حشر اجساد کا انکار کرتے رہے ہوں مگر وقت آنے پر طوعاً و کرہاً سب کو حاضری دینی ہوگی۔ فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین۔ جب اللہ سبحانہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا تھا تو حکم دیا تھا کہ میرے پاس آؤ۔ خوشی سے یا زبردستی سے۔ تو آسمان و زمین دونوں نے عرض کیا تھا کہ ہم شوق و رغبت سے آحاضر ہوگئے۔ یہی حال آخرت کا بھی ہوگا کہ حکم کے ساتھ ہی سب کے سب آ کھڑے ہوں گے۔ مگر دنیا میں انسان کا عجب حال ہے۔

لما یقض ما امرہ کی تفسیر

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ۔ "کچھ نہیں اس نے ابتک اس کے حکم کو پورا نہ کیا"۔ ساری کائنات علوی ہو یا سفلی ہمارا حق پہچانتی اور ہمارے ہر حکم کے آگے سر بسجود ہے یہاں تک کہ انسان کے تمام اعضاء و جوارح اسکے بال اور ناخن ایک ایک رونگٹا تک جو اس کے حکم کے مطابق اپنے نمو او ترقی میں لگا ہوا ہے

اپنا فرض انجام دے رہا ہے مگر کوتاہی پائی جاتی ہے تو انسان میں اور صرف انسان میں کہ اس نے اپنے خالق کے عائد کئے ہوئے فریضہ کی ابتک تکمیل نہ کی۔ ہر فرض کو پورا پورا انجام دینا یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ لا یقضی احد ابداً کل ما افترض علیہ۔ فریابیؒ عبد بن حمیدؒ ابن المنذر) اس کے ہر فریضہ کو کوئی بھی پورا نہیں کیا اور نہ کر سکتا ہے۔" گو انسان کو اشرف المخلوقات بنانے کا تقاضا تو یہی تھا۔ مگر پورا کرتا تو کیسے کر سکتا۔ سب سے پہلے فرض شناسی کی ضرورت ہے۔ بہتیرے انسان اسی میں پیچھے ہیں بلکہ فرض کے منکر۔ اگر کوئی فرض کو فرض سمجھے تو اس کے بعد اس کی ادائی کے طور طریق پر غور کرے اس کا سامان فراہم کرے۔ تب کہیں ادائے فرض کی نوبت آئے۔ یہ تو منکر فرض ہیں۔ ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟ جو فرض شناس ہیں ان کو ادائے فرض کی دھن لگی ہوئی ہے۔ وہ اس کے اسباب فراہم کرتے اور اس کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رات دن اسی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں ایک ایک فرض انجام دیتے ہیں پھر کہتے ہیں:۔ ما عرفناك حق معرفتك وما عبدناك حق عبادتك۔ اے پروردگار عالم! آپ کو پہچاننے کا جو حق ہے اتنا ہم نہیں پہچانے اور آپ کی بندگی کا حق جس طرح ادا کرنا چاہیئے ہم سے ادا نہ ہو سکا:۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی سچ تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(٨٠ عبس آیت ٢٤ تا ٣٢)

جب عارفین کاملین اور فرمانبردار مطیعین کا یہ حال ہے تو ما و شما کا کیا ذکر؟ لیکن اللہ سبحانہ تعالیٰ کو انسان کی یہ عاجزی اور اس کا اظہار اور اپنی کوتاہی کا ایسا اقرار ہی پسند ہے۔ اور یہ صفت پیدا ہوتی ہے حق پہچاننے، اس کا سامان کرنے اور ادائے حق کی سعی کرنے ہی سے۔ ورنہ کچھ نہیں۔

آگے اس کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اللہ سبحانہ کے کم از کم ان احسانات پر غور کرنے سے۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۙ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا[1] ۙ

---

[1] قضباً ای رطبۃ والمقاضب الارض التی تنبتها والمقضیب نحو القضب لکن القضیب یستعمل فی فروع الشجر والقضب یستعمل فی البقل والقضب قطع القضب والقضیب وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا رأی فی ثوب تصلیبا قضبہ وسیف قاضب وقضیب ای قاطع فالقضیب ھھنا بمعنی الفاعل وفی الاول بمعنی المفعول (مفردات) قضباً سے تر چیزیں مراد ہیں۔ اور مقاضب وہ زمین جو تر چیزوں کو اگاتی ہے۔ قضیب بھی قضب کے معنی میں آتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ قضیب

وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۙ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ[2] وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۙ[3] مَّتَاعًا

لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ؕ اب چاہیئے کہ دیکھے انسان اپنے کھانے کو کہ ڈالا ہم نے پانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ [1])

درخت کی شاخہائے تر کو کہتے ہیں اور قضب کا استعمال ترکاریوں اور سبزیوں میں ہوتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم جب کپڑے میں کلف پاتے تو اسکو توڑ دیتے۔ (گویا قَضب کے معنی کاٹنے اور توڑ دینے کے بھی آتے ہیں۔) محاورہ عرب ہے:۔ سیف قاضب و قضیب یعنی تلوار کاٹنے والی ہے۔ لہذا لفظ قضیب یہاں فاعل کے معنی میں آیا ہے یعنی کاٹنے والی۔ اور اوپر جو قضیب کا لفظ آیا ہے وہ بمعنی مفعول ہے یعنی درخت سے کاٹی ہوئی شاخ"۔ بہرحال آیہ کریمہ میں قضباً کے معنی ہیں ترکاری و سبزی۔

[2] الاغلب الغليظ الرقبة يقال رجل اغلب وامرأة غلباء اى عظيمة الرقبة والجمع غُلْب قال وحدائق غُلْباً۔ (مفردات) اغلب سے موٹی گردن والا مراد ہے۔ عرب کہتے ہیں رجل اغلب و امرأة غلباء موٹی گردن والا شخص یا موٹی گردن والی عورت اسکی جمع غُلْب آتی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وحدائق غُلْبا اور پیدا کیئے درخت موٹی اور بڑی تنہ والے"

[3] الاب المرعى المتهيئ للرعى والجز من قولهم ابّ لكذا اى تهيّأ اَبّا وابابة وابابا وابّ الى وطنه اذا نزع الى وطنه نزد عا تهيّأ لقصده وكذ اابّ

اوپر سے گرتا ہوا، پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر پھر اُگایا اس میں اناج، اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں، اور گھنے باغ، اور میوہ اور چارہ، کام چلانے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے"

سامانِ حیات انسان کے آغاز اور انجام کا بیان فرمانے کے بعد اس کی بقا کا جو انتظام فرمایا گیا ہے اب اس کا بیان ہو رہا ہے کہ انسان کے نمو اور بقار کے لئے ضرورت ہے غذا کی۔ لہٰذا کم از کم انسان کو اپنی غذا کے انتظام و اہتمام ہی پر غور کرنا چاہئے کہ اللہ سبحانہ نے اس کے لئے کیا کیا تیاری کی ہے؟ نباتات اس کی عام غذا ہیں۔ اور یہ موقوف و منحصر ہیں پانی پر۔ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کا ایسا اہتمام فرمایا کہ زمین سے جو بخارات اٹھتے ہیں ان کو آسمان پر جمع کر کے وہاں سے برسانا شروع کیا۔ بارش پہاڑوں جنگلوں، دریاؤں، اور خالی زمین سب ہی جگہ برستی ہے اور کائنات ارضی کا ذرہ ذرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۳)

لسیفه اذا تهيأ لسلّه وابان ذلك فعلان منه وهو الزمان المهيأ لفعله ومجيئه (مفردات) چارہ جو چرنے یا کاٹے جانے کے قابل ہو اس کو اب کہتے ہیں۔ عرب کا محاورہ ہے ابّ لکذا۔ فلاں کام کے لئے تیار ہوا۔ اس کا مصدر ابّاً، ابابۃً، ابابًا ہے۔ اور ابّ الی وطنہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اپنے وطن جانے کیلئے تیار ہو کر نکل پڑے اور ابّ لسیفہ کہتے ہیں جب اپنی تلوار کی سل کھول دے۔ ابان بروزن فعلان سے وہ وقت مراد ہوتا ہے جو کسی کام کے کرنے کا ہو اس وقت آنا ہو"

اس سے سیراب ہوتا ہے۔ اور اسی ذریعہ سے زمین نرم اور قابل کاشت بنتی ہے۔
برسات کا موسم آتا ہے تو کسان اس کو صاف کرتے اور برسات کے منتظر رہتے ہیں۔ بارش
ہوتے ہی کاشت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تخم ریزی کیجاتی ہے۔ اس حد پر انسان کا کام
ختم ہوجاتا ہے۔ تخم کو نبات کی شکل دینا دست قدرت میں ہے جس طرح پانی برسانا قدرتی
کام تھا پھر گھاس کے تنکے کی مجال نہیں کہ وہ زمین کو شق کرکے سر اٹھا سکے۔ یہاں بھی
قدرت ہی معاون و مددگار ہوتی ہے اسی لئے ارشاد ہوا انا صببنا الماء صبا ثم
شققنا الارض شقا "ہم نے ہی پانی برسایا اور ہم نے ہی زمین کو شق کیا" کیونکہ
یہ کام کسی اور کے ذریعہ تکمیل نہیں پاسکتا۔ پھر اس تخم کو اگایا بھی تو ہم ہی نے :—

فانبتنا فیھا۔

ہفت گونہ رزق اب یہ تخم مختلف النوع ہیں۔ اناج، انگور، ترکاری، زیتون
کھجور، گھنے باغ، میوے اور چارہ۔ ان میں سے گھنے باغ کے سوا باقی جن چیزوں کا بیان
فرمایا گیا ہے وہ سب تخم سے پیدا ہونی والی ہیں۔ باغ اور کھیتیاں ان کے پیدا ہونیکی
جگہ ہے۔ اناج میں سبھی قسم کے غلے داخل ہیں جو انسان کی خالص غذا ہیں۔ انگور اور
کھجور غذا بھی ہیں اور میوہ بھی۔ ترکاری میں ہمہ قسم کا ساگ داخل ہے۔ بھاجی کی
قسم سے ہو یا آلو بیگن، کدو، شلجم وغیرہ، زیتون میں روغن دار حبوب بھی شامل ہیں،

جیسے تل، خشخاش وغیرہ نیز ککڑی، خربزہ، تربوز کا شمار بھی اسی میں ہے۔ نیز عربستان میں زیتون اور کھجور کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے اس لئے بطور خاص ان کو بیان فرمایا گیا ہے۔ میوے میں ہر قسم کا میوہ شریک ہے۔ خواہ اس کو بطور ذائقہ و تفریح طبع استعمال کیا جائے۔ یا غذا اور میوے کے طور پر یا تفکہ اور دوا کے طریق پر۔ جیسے انار، سیب وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں انسانوں کے لئے ہیں۔ اور چارے میں گھاس۔ پات۔ کڑبی۔ گٹھلیاں، جن کو جانور کھاتے ہیں داخل ہیں۔ پھر یہ جانور چونکہ کھیتی باڑی کے کام کرتے ہیں۔ نیز ان کا دودھ اور گوشت انسان کے کام آتا ہے اس لئے چارہ بھی انسان کے لئے خاص نعمت ٹھہرا، گو یہ نعمت بالواسطہ ہی کیوں نہ ہو۔ بہرحال یہاں سات نعمتوں کا بیان فرمایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: خلقتم من سبع و رزقتم من سبع فاسجدو اللہ علی سبع۔ تم سات چیزوں سے بنائے گئے ہو اور تمہارا رزق بھی سات چیزوں سے مقرر کیا گیا ہے لہٰذا اللہ سبحانہ کے آگے سات اعضا سے سجدہ کرتے رہو۔ پیدائش جن سات چیزوں سے ہوئی، وہ نطفہ، خون، بستہ خون، گوشت، ہڈی، اعضا کی تراش، پھر ان میں روح پھونکی جانا مراد ہے۔ جس کا بیان مختلف مقامات پر فرمایا گیا۔ سات قسم کا رزق وہی ہے جو ان آیات کریمہ میں بیان فرمایا گیا اور سجدے کے سات اعضا دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے، اور دونوں پاؤں اور ایک سر یہ بھی سات ہوئے۔ اس طرح

سجدہ کرنا کیا ہے؟ مذکورۂ بالا نعمتوں کے شکر کی صورت ہے۔

ایک نکتہ اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ انسان جب سجدے میں ہوتا ہے تو اس کا پورا جسم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک "محمدؐ" کی شکل اختیار کرتا ہے اور آپ کا نام مبارک بھی اللہ سبحانہ کو جس درجہ محبوب ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ نیز اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضورؐ کو عبدیت کاملہ حاصل ہے جس سے تمام پیغمبروں میں آپ کا امتیاز پایا جاتا ہے۔ پھر حدیث شریف میں ہے کہ انسان جب اللہ سبحانہ کی جناب میں سر بسجود ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ سے قریب تر ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ کے آگے سجدہ کرکے قرب الٰہی حاصل کیا جا سکتا ہے اور تخلیق رزق کا شکر بھی اس کے ضمن میں ادا ہوتا ہے اور "محمدؐ" کی شکل اختیار کرکے درجہ محبوبیت کی تحصیل اس کے علاوہ ہے جو تمام مدارج کمال میں بالاتر درجہ ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اللہ سبحانہ کے آگے سر بسجود رہتی ہیں۔ نیز یہ کہ جنین جب تک رحم مادر میں رہتا ہے اس کی شکل بھی "محمدؐ" ہوتی ہے۔

خدایا از تو خواہم مصطفیٰؐ را ۔ محمدؐ از تو می خواہم خدا را (آمین)

حضرت صدیق اکبرؓ کا تاثر حضرت ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیۂ کریمہ وفاکھۃ وابّا میں جو کلمہ ابّا وارد

ہوا ہے اس کی تفسیر دریافت کی گئی۔ تو آپ نے فرمایا:۔ ای سماء تظلنی وای ارض
تقلنی اذا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم۔ (ابو عبید، عبد بن حمید) کونسا آسمان
مجھ پر سایہ فگن ہوگا اور کونسی زمین مجھے اٹھائیگی اور پناہ دیگی جب کہ میں اللہ کی کتاب
میں کوئی کلام کروں جس کو میں نہیں جانتا۔" اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ
کا واقعہ مشہور ہے جس کو حضرت انس اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔ ان عمر قرأ
علی المنبر فانبتنا فیھا حبا و عنبا و قضبا و زیتونا و نخلا و حدائق
غلبا و فاکھۃ و ابا متاعا لکم ولانعامکم۔ قال کل ھذا قد عرفناہ
فما الاب ثم رفض عصا کانت فی یدہ فقال ھذا لعمر اللہ ھو
التکلف فما علیك ان لا تدری ما الاب اتبعوا ما بین لکم ھداہ
من الکتاب فاعملوا بہ ومالم تعرفوہ فکلوہ الی ربہ۔ (سعید بن منصور
ابن جریر، ابن سعد، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی، خطیب، حاکم بروایت صحیحہ)
حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے منبر پر آیات کریمہ فانبتنا فیھا حبا
سے وابا متاعا لکم ولانعامکم تک پڑھیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان آیات کریمہ میں
جن جن چیزوں کا بیان فرمایا گیا ہے ان سب کو ہم پہچان گئے لیکن اَبّاً کیا چیز ہے؟
(معلوم نہ ہوسکا) پھر عصا جو آپ کے ہاتھ میں تھا اس کو پٹک کر فرمایا خدا کی قسم!

یہ تکلف ہے اے عمر! اگر ایک لفظ ابّاً کے معنی تجھے معلوم نہ ہوں تو تجھ پر کوئی بڑی ذمہ داری نہیں۔ (پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا) کتاب اللہ کا اتباع ضروری ہے اس کی جو ہدایت واضح ہو اس پر عمل کئے جاؤ۔ اور جس کو تم پہچان نہ سکو اس کو اپنے رب کے تفویض کردو" امام بخاریؒ نے بھی اس روایت کے قریب قریب اس واقعہ کو نقل فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ سے لوگوں نے ابّاً کے معنی دریافت کئے تو آپ نے کبھی فرمایا: ـــ مه نهينا عن هذا التكلف۔ چھوڑو ہم کو ایسے تکلف سے منع فرمادیا گیا ہے" اور کبھی فرمایا: ـــ ما كلفنا هذا وما امرنا بهذا۔ ہم کو (ایک ایک کلمہ کے جاننے کی) تکلیف نہیں دی گئی اور نہ ہم کو ایسا حکم دیا گیا"

ایک شبہہ کا ازالہ اس تقریر سے بظاہر یہ دکھائی دیتا ہے کہ معانی قرآن کی دریافت اور تلاش اور مشکلات قرآن کریم کی تحقیق سے منع کرنا حضرت عمرؓ کا مقصد تھا؟ اس کے متعلق زمخشری لکھتے ہیں: ـــ لم يذهب الى ذلك ولكن القوم كانت اكبر همتهم عاكفة على العمل وكان التشاغل بشئ من العلم لا يعمل به تكلفا فاراد رضى الله تعالىٰ عنه ان الآية مسوقة فى الامتنان على الانسان بمطعمه واستدعاء شكره وقد علم من فحواها ان الابّ بعض ما انبت سبحانه للانسان متاعا له او لانعام فعليك بما هو اهم

من الخوض بالشكر له عزوجل على ما تبين لك ولم يشكل مما عدّد من نعمته تعالى ولا تتشاغل عنه بطلب معنى الاب ومعرفة النبات الخاص الذي هو اسم له واكتف بالمعرفة الجملية الى ان يتبين لك فى غير هذا الوقت ثم وصى الناس بان يجروا على هذا السنن فيما اشبه ذلك من مشكلات القرآن۔ حضرت عمرؓ کا منشا تحقیق سے روکنے کا نہ تھا۔ بلکہ جماعت صحابہ کی تمام تر کوشش عمل پر مرکوز تھی۔ کسی ایسی چیز کی تحقیق جس کا عمل سے تعلق نہ ہو اس کو وہ تکلف خیال کرتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ بتادینا چاہا کہ اس آیہ کریمہ کے ذریعہ ان احسانات کو جتایا جارہا ہے جو انسان کی غذا کے سلسلہ میں اس پر فرمائے گئے اور ان کے شکر گزار رہنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے اور فحوائے کلام سے صاف طور پر یہ معلوم ہورہا ہے کہ اَبًّا سے کوئی ایسی چیز مراد ہے جس کو اللہ سبحانہ نے انسان یا اس کے جانوروں کے فائدے کے لئے اگائی ہے لہذا اسکی شکر گزاری میں لگے رہو۔ یہی اہم ہے۔ رہا یہ کہ اَبًّا کے معنی کیا ہیں اور اس سے کونسی خاص چیز مراد ہے اس کا نہ جاننا شکر گزاری میں حارج نہیں ہے اتنا تو معلوم ہورہا ہے کہ اَبًّا نباتات کی قسم سے ہے اور اس میں ہمارے یا ہمارے جانوروں کے لئے کارآمد ہے پس ادائے شکر کے لئے اس قدر اجمالی علم کافی ہے۔ اس کلمہ کے خصوصی معنی کسی اور وقت پر دریافت ہوجائیں گے۔ پھر لوگوں کو آپ نے یہ تاکید کی کہ

قرآن کریم میں اگر کسی دوسری جگہ اسی طرح کی کوئی شکل درپیش ہو تو اشکال رفع ہونے تک عمل کو نہ چھوڑ بیٹھیں بلکہ اجمالی علم کو کافی جان کر اس پر عمل پیرا رہیں تفصیلی علم بعد کو ہو جائیگا۔"

فقیر عرض کرتا ہے اللہ سبحانہ کا وعدہ ہے:۔ اتقوا اللّٰہ ویعلّمکم اللّٰہ۔ اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے حکم کے مطابق عمل کئے جاؤ تو اللہ سبحانہ تم کو علم سے بہرہ ور فرما دیگا۔" چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور دیگر ائمہ تفسیر سے بعد کو آبًا کے حقیقی معنی معلوم ہو چکے کہ اس سے گھانس چارہ مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ عـه ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ (آیت ۳۳ تا ۳۴)

عـه الصاخّة شدۃ صوت ذی المنطق یقال صخّ یصخّ صخا صاخّ قال فاذا جاءت الصاخة وھی عبارۃ عن القیامۃ حسب المشار الیہ بقولہ یوم ینفخ فی الصور وقد قلب عنہ اصاخ یصیخ۔ (مفردات) کلام کرنے والے کی سخت آواز کو صاخّہ کہتے ہیں اس کا ماضی صخّ اور مضارع یصخ اور مصدر صخّ اور اسم فاعل صاخّ مستعمل ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ فاذا جاءت الصاخۃ۔ جب سخت دھما کو آواز آئے گی۔" اس سے قیامت مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ یوم ینفخ فی الصور میں اس طرف اشارہ

وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۭ پھر جب آئے وہ کان پھاڑنے والی (آواز) جس دن بھاگتا ہوگا ایک ایک شخص اپنے ہی بھائی سے اور اپنی ماں اور باپ سے اور اپنی ساتھ والی (بی بی) اور اپنے ہی بیٹوں سے ہر شخص کا ان میں سے ایک (عجیب پریشان) حال ہوگا جو اس کو ان سب سے بے نیاز کردیگا۔"

فاذا جاءت الصاخۃ کا ربط یہاں مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ان آیات کریمہ کا ربط و تعلق آیت سابقہ انھا تذکرۃ سے ہے یعنی یہ قرآن کریم نصیحتوں سے بھری ہوئی کتاب ہے۔ جو کوئی اس کی نصیحتوں سے فائدہ اٹھانا چاہے اس کے لئے موقع ہے کہ اس کو پڑھے سنے سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ واعظ اور متعظ یعنی وعظ سنانے والا اور وعظ سننے والا دونوں ایک جگہ جمع ہوکر بیٹھ سکتے اور کار نصیحت کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ پھر جب صور کی دھماکو آواز شروع ہوگی تو مل بیٹھنے کا موقع باقی نہیں رہیگا۔ چل کوچ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فرمایا گیا ہے۔ (یعنی جس دن صور پھونکا جائیگا) اور اس میں قلب کرکے اصاخ بصیغ باب افعال کے صیغے) بنائے گئے ہیں۔"

ٹھہرے گی۔ انسان ایک دوسرے سے گریزاں ہوگا اوروں کا تو کیا ذکر، خود اپنے ساتھ کے بھائی، بلکہ اپنے ماں باپ، اور بی بی بچوں سے بھاگتا ہوگا اور کوئی کسی کا خبرگیراں نہ ہوگا۔

قول ثانی دوسرا قول یہ ہے کہ ان آیات کریمہ کا ربط، ارشاد باری تعالیٰ قتل الانسان ما اکفرہ سے ہے۔ اس اعتبار سے معنی یوں ہوں گے کہ مارا جائے انسان کہ وہ کیا ہی ناشکرہ ہے۔ اس کی عاقبت کو سدھارنے کے لئے یہ کتاب اتاری گئی ہے مگر انسان کا یہ حال ہے کہ ایسی مبارک کتاب کو چھوڑ کر وہ اپنی برادری، ماں باپ، اور بی بی بچوں سے دل لگاتا ہے۔ وہ یاد رکھے کہ ایک دن اس پر ایسا بھی آنے والا ہے کہ ایک دھماکو آواز ہوگی۔ اس کے آتے ہی یہ سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور انسان اپنے ہم جنسوں، اور اپنے ہی عزیز قریب رشتہ داروں کی صورت سے بیزار ہوکر ان سے راہ فرار اختیار کرے گا حتیٰ کہ اگر اس کے پاس اس کا بھائی بھی آئے یا ماں باپ ہی نظر آجائیں یا بی بی بچے لپٹتے ہوں تو وہ ان سب سے بھاگ کر ادھر اُدھر بھٹکتا پھریگا۔ اور کسی حال اس کو چین نصیب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ خود اپنی فکر میں چور ہے۔ پھر دوسروں کی خبرگیری وہ کیا کرسکتا ہے۔ بلکہ اس کو ڈر ہے کہ انکی وجہ سے

کوئی نئی آفت اس پر نہ آجائے۔

کیفیت بعث ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ فرماتی ہیں کہ معدن الجود والکرم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:- یبعث الناس حفاۃً عراۃً غُرلاً قد الجمھم العرق وبلغ شحوم الاذان قلت یا رسول اللہ واسوأ تاہ ینظر بعضنا الی بعض قال شغل الناس عن ذلک و تلا یوم یفر المرء الی شان یغنیہ۔ (طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ بیہقی) لوگ برہنہ پا، برہنہ تن، بغیر ختنہ کئے ہوئے اٹھائے جائینگے (جیسے کہ پیدا ہوئے تھے) پسینہ ان کے منہ اور کان کی لو تک پہنچا ہوا ہوگا۔ یہ سنتے ہی میں نے عرض کیا:- یا رسول اللہ! ہائے بے ستری! کیا (اس برہنگی کی حالت میں) ہم میں کا ایک ایک دوسرے کو دیکھتا رہیگا؟ آپ نے فرمایا کہ اس طرف خیال ہی کسی کو کب آتا ہوگا؟ (اس وقت تو بڑی پریشانی اور سراسیمگی ہر طرف چھائی ہوئی ہوگی) پھر آپ نے یہ آیات کریمہ یوم یفر المرء سے شان یغنیہ تک تلاوت فرمائیں" امہات المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [علہ ۱]

علہ بڑی آفت میں چھوٹی باتیں فراموش ہوجاتی ہیں | اکثر دیکھا گیا ہے کہ دو فریق جنکی عمر

اعزہ اقربا سے پہلے بھاگنے والے

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:۔ ان اول من یفر یوم القیامۃ من ابیہ ابراھیم واول من یفر من امہ ابراھیمؑ واول من یفر من اخیہ ھابیلؑ واول من یفر من صاحبتہ نوح ولوط

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ایک دوسرے کے خلاف مقدمہ بازی میں گزرتی رہی جب کوئی عام پریشانی اور سراسیمگی پھیل جاتی ہے تو وہ باہمی مخالفت کو بھول جاتے اور سب کے سب مل کر اس پریشانی کو دفع کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ انسان تو انسان جانور بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ حیدرآباد میں رود موسی کو طغیانی ہوئی تو بعض لوگ درختوں پر چڑھ گئے۔ دیکھا کہ درخت پر ان سے پہلے سانپ وغیرہ موذی جانور بھی چڑھ آئے ہیں۔ انسان جس طرح سیلاب سے پریشان تھے سانپ بھی سراسیمگی کے عالم میں اپنی جان بچانے کی دھن میں تھے۔ نہ آدمیوں نے سانپوں سے تعرض کیا اور نہ سانپوں نے ان آدمیوں کو چھیڑا اسلئے کہ ہر دو فریق اپنی اپنی فکر میں غرق تھے۔ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ نے طوفان نوحؑ کا ایک نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

کشتئ آوردر دریا شکست ۔ تختۂ زاں جملہ بر بالا نشست
گربہ و موشے دراں تختہ بماند ۔ کارشاں با یک دگر بجختہ بماند
نہ ز گربہ موش را روئے گریز ۔ نہ بموش آں گربہ را چنگال تیز
ہر دو شاں از ہول دریائے عجب ۔ در تحیر باز ماندہ خشک لب
در قیامت نیز ایں غوغا بود ۔ یعنی آں جانے تو وے نا بود

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جب پانی میں رواں ہوئی تو اس کا ایک تختہ توڑ دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ چوہا اور بلی دونوں یک تختہ پر آرہے۔ نہ چوہے کیلئے جائے گریز رہی اور نہ بلی اس پر اپنے دانت تیز کرسکی۔ طوفان کچھ ایسا شدید تھا کہ دریا میں رہ کر بھی چوہا اور بلی پیاسے تھے۔ اسی طرح ہنگامۂ محشر بھی سمجھ لیا جائے کہ جب قیامت ہوگی تو من و تو کے سارے جھگڑے ایک طرف رہ جائینگے اور ہر کوئی نفسی نفسی کی فکر میں ڈوبا ہوا ہوگا۔ اللھم احفظنا آمین۔

وتلا هذہ الآیۃ ...... فیرون ان هذہ الآیۃ نزلت فیهم (ابن عساکر)

قیامت کے دن سب سے پہلے جو اپنے باپ سے بھاگیں گے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہونگے اور سب سے پہلے جو اپنی ماں سے بھاگیں گے وہ بھی حضرت ابراہیم ہی ہوں گے اور اپنے بھائی سے بھاگنے والوں میں سب سے پہلے حضرت ہابیل ابن آدم علیہما السلام ہوں گے۔ اور سب سے پہلے جو اپنی بی بی سے بھاگ جائیں گے وہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام ہوں گے۔ اس کے استشہاد میں آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ اس بنا پر مفسرین کرام خیال فرماتے ہیں گویا یہ آیات کریمہ ان ہی حضرات کی شان میں نازل ہوئیں"۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اس بنا پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو اپنے بیٹوں سے بھاگیں گے وہ حضرت نوحؑ ہونگے جو اپنے فرزند کنعان سے بھاگیں گے"۔

ایک نکتہ یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی شان میں اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ وازوجہٗ امھاتھم۔ "آپ کی بی بیاں ایمان والوں کی مائیں ہیں"۔ اسی بنا پر آپ کی ازواج مطہرات کو امہات المومنین کے مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ بایں ہمہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں ارشاد ہوا:۔ ما کان محمد ابا احد من رجالکم

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمھارے بالغ مردوں میں سے کسی کے باپ نہ ہوئے "۔ گو آپ کی صاحبزادیاں تھیں، اور صاحبزادے بھی ہوئے مگر وہ طفولیت ہی میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ سن بلوغ کو پہنچنے نہ پائے کہ ان پر رجال کا اطلاق ہو سکے۔ اس میں اس امر کی طرف ایماء موجود ہے کہ اگر آپ حضور اکرمؐ کو اہل ایمان کا باپ قرار دیا جاتا تو قیامت میں یوم یفر المرء کی آیات کے مطابق خیال ہوتا کہ آپ اپنی امت مرحومہ سے بھاگ جائیں گے۔ اور یہ صورت آپ کی شان شفاعت کبریٰ کے منافی ہوتی اس لئے ازدواج مطہرات کو امہات المؤمنین قرار دینے کے باوصف، حضور کی ابوت کی نفی فرمائی گئی۔ واللہ اعلم۔

بہرحال روز قیامت کی ہولناکی ان آیات کریمہ سے ظاہر ہے کہ بھائی بھائی سے، باپ بیٹے سے، ماں بھی اپنے بیٹے سے، میاں اپنی بی بی سے اس دن گریزاں ہوگا کوئی کسی کے کام نہ آئیگا۔ ہر شخص کو نفسی نفسی کی فکر لگی ہوگی صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہی وہ واحد ہستی مبارک ہوگی کہ آپ امتی امتی فرماتے ہوں گے۔ فداہ آباؤ نا وامھا تنا واخواننا واولادنا وانفسنا۔ آمین۔

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ۚ وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ

الْفَجَرَةُ ۵ۧ کتنے ہی چہرے اس دن روشن ہوں گے' ہنستے خوشیاں مناتے' اور کتنے ع ۲ /۵

چہرے ہوں گے اس دن غبار آلود' چڑھی آتی ہے ان پر سیاہی' یہ (روسیاہ)

وہی ہیں کافر بدکار"

اہلِ محشر کے چہرے دنیا میں مومن و کافر اور نیک و بد ایک ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ عالمِ آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ نہیں نہیں۔ دنیا دارالعمل ہے۔ امتحان و آزمائش کی جگہ ہے۔ امتحان میں سبھی شریک ہیں نیز امتحان گاہ میں شوقین اور بدشوق سبھی جمع ہیں۔ لیکن آخرت دارالجزاء ہے وہاں امتحان کے نتائج برآمد ہوں گے اور نتیجہ کے مطابق ہر ایک کو اپنی اپنی جزا ملیگی۔ کامیاب جماعت کا مقام جداگانہ ہوگا اور ناکام جدا مقام پر ٹھہرائے جائیں گے۔ پھر کامیابوں کے بھی مدارج ہوں گے۔ اعلیٰ' اوسط' ادنیٰ' ہر ایک کے ساتھ جداگانہ سلوک ہوگا۔ جن کی کامیابی کا اعلان ہوگا' ان کے چہرے فرطِ خوشی سے ظاہر ہے کہ روشن اور چمکتے ہونگے کیونکہ جب کسی کا جی خوش ہوجاتا ہے تو اس کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہے جیسا کہ درختوں کو جب پانی دیا جاتا ہے تو وہ ہرے بھرے سرسبز و شاداب نظر آتے ہیں۔ کمالِ مسرت سے ان کی باچھیں کھل جائیںگی وہ ہنستے اور خوش و خرم دکھائی دینگے۔ پھر ایک دوسرے سے کامیابی کی بشارت اور مبارکباد سن کر باغ باغ ہوتے جائینگے۔

مُسْفِرَۃٌ کی تفسیر مُسْفِرَۃٌ مشتق ہے اِسفار سے۔ محاورۂ عرب ہے اسفر الصبح صبح کی روشنی نمودار ہوئی۔ اچھا اُجالا ہو گیا۔ علامہ راغب لکھتے ہیں:۔ الاسفار مختص باللون۔ لفظ اسفار رنگ کے ساتھ خاص ہے“ اس اعتبار سے مسفرۃ کے معنی ہوئے کہ ان کا رنگ چمکتا درخشاں ہوگا۔

چہرے کی درخشانی تہجد گزاری کی نشانی فقیر عرض کرتا ہے کہ قیامت میں چہرے کی درخشانی نتیجہ ہے بعض اعمال صالحہ کا جو اہل ایمان دنیا میں کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان ذلك من قیام اللیل ان اہل ایمان کے چہروں کی درخشانی ان کی شب بیداری اور تہجد گزاری کا ثمرہ ہے“ اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من کثرت صلا ته باللیل حسن وجهه بالنهار۔ رات میں جس کی نمازیں زیادہ ہوں تو دن کو اس کا چہرہ نورانی رہیگا“ جب صلاۃ اللیل کی کثرت کا دنیا میں یہ حال ہو تو ظاہر ہے کہ قیامت میں جو وہ بھی پچاس ہزار برس کے برابر ایک دن ہے اس کا چہرہ درخشاں رہیگا۔

چہرے کی درخشانی وضو کی بدولت حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں:۔ من آثار الوضوء اہل ایمان کے چہروں کی یہ درخشانی آثار وضو کی بنا پر ہوگی“

اس کی تائید بھی احادیث شریفہ سے ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت شفیع الامم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان امتی یدعون یوم القیامۃ غرًا محجلین من آثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل (صحیحین) میری امت قیامت کے دن غرّ محجّلین کے لقب سے یاد کی جائیگی یا وہ ایسی حالت میں اٹھائے جائیں گے کہ ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے وضو کے اثرات سے روشن ہوں گے۔ لہٰذا تم میں جس سے ہوسکے کہ اپنی روشنی کو بڑھائے تو ان کو ایسا کرنا چاہیئے۔" اس سے اچھی طرح پورا وضو احتیاط کے ساتھ بنانا مراد ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ اپنے ہاتھ کہنیوں سے اوپر اور پاؤں ٹخنوں سے اوپر اور چہرہ اس کے حدود سے کچھ زیادہ دھولیا کرتے تھے تاکہ روشنی میں اضافہ ہو۔ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے:۔ تبلغ حلیۃ المومن حیث یبلغ الوضوء۔ (مسلم عن ابی ہریرہؓ) مومن کی آراستگی اور زینت کی رسائی وہاں تک ہوگی جہاں تک اس کے وضو کا سلسلہ پہنچتا ہوگا" اس سے بھی صحابۂ کرامؓ کے مذکورہ عمل کی تائید ہوتی ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وضو اس امۃ مرحومہ کا مخصوص عمل ہے لہٰذا وضو کی بدولت چہرے کی یہ درخشانی امۃ مرحومہ کی مختصہ فضیلت ہے۔ امم سابقہ میں وضو نہ تھا۔

چہرے کی درخشانی راہ خدا میں غبار آلود ہونے سے ایک قول یہ ہے:۔ من طول ما اغبرت

فی سبیل اللہ۔ مومنین کے چہروں کی یہ چمک دمک راہ خدا میں ان کے غبار آلود ہونے کے صلہ میں ہے" یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔ یا حج کی ادائی یا طلب علم کے لئے جو سفر اختیار کیا جائے یا نماز جمعہ و عیدین وغیرہ کے لئے طے مسافت میں چہرہ غبار آلود ہوتا رہے تو اس کی برکت سے قیامت میں ان کے چہرے درخشاں ہونگے۔ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے:۔ بشر المشائین الی المساجد فی ظلم اللیالی بالنور التام یوم القیامۃ۔ جو لوگ اندھیری راتوں میں مسجدوں کو جاتے آتے ہیں انکو خوشخبری سنادو کہ قیامت کے دن ان کو پورا پورا نور حاصل ہوگا" بہرحال یہ چند اعمال صالحہ ہیں جو بطور تمثیل و نمونہ پیش کئے گئے جن کی پابندی سے قیامت میں چہرے نورانی رہیں گے۔ اہل ایمان کو چاہیئے کہ ان میں سے کم از کم کسی ایک کے پابند رہیں۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ اپنے شوق و رغبت کے لحاظ سے کسی ایک کام کے پابند رہکر یہ دولت بے بہا حاصل کی جاسکتی ہے۔

ضاحکۃ مستبشرۃ کی تفسیر ضَاحِکَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ۔ ہنستے خوشیاں مناتے ہونگے" یعنی اہل ایمان اپنی کامیابی کی بشارت سنتے ہی (جہاں ان کے چہرے چمک اٹھیں گے) خوش و خرم ہوکر کمال شادمانی سے ہنستے ہوئے دکھائی دیں گے پھر کامیاب جماعت کے اصحاب میں باہم بشارت کے پیامات کا تبادلہ ہوتا رہیگا۔

یہ ان کو بشارت ومبارک باد دیں گے اور وہ ان کو بشارت ومبارکباد سناتے جائینگے۔ جیسا کہ ایسے مواقع پر عملدرآمد ہے۔ اور یہ ایک فطری امر ہے۔ پھر یہ بشارت اور مسرت جس درجہ کی ہوتی ہے اس کی مناسبت سے خوشی اور شادمانی کا اظہار ہوتا ہے آخرت کی کامیابی چونکہ مدۃ العمر کے کاموں کا نتیجہ ہے اسلئے اس کا سلسلہ بھی نا متناہی ہوگا۔ صالحین کے لئے جو نعمتیں اور جو جو سامان مسرت وہاں مہیا ہے وہ دوامی طور پر نئی نئی صورتوں میں جلوہ گر ہوتا رہیگا۔ اور وہ اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لطف اندوز ہو کر شکر گزار رہیں گے۔ پھر رویت باری تعالیٰ ایسی نعمت عظمیٰ ہوگی جس کا لطف کبھی ختم نہ ہوگا۔

اللھم اجعلنا منھم۔ آمین۔

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ۔ اور کتنے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے جن پر سیاہی چڑھ آتی ہوگی۔"

علیہا غبرۃ کی تفسیر | حضرت سیدنا امام جعفر صادقؑ اپنے والد ماجد حضرت سیدنا امام محمد باقرؑ سے، اور آپ اپنے والد ماجد حضرت سیدنا امام زین العابدین سے اور آپ اپنے والد ماجد حضور سیدنا امام حسینؑ علی جدہم وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یلجم الکافر العرق ثم تقع الغبرۃ علی وجوھھم فھو قولہ ووجوہ یومئذ علیھا غبرۃ۔ (ابن ابی حاتم)۔

کافروں پر پسینہ چھا جائیگا پھر ان کے چہروں پر غبار پڑیگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ووجوہ یومئذ علیھا غبرۃ کی یہ تفسیر ہے "پسینے سے چہرہ تربتر ہونے کے بعد جب اس پر غبار پڑیگا تو غبار خوب جم جائیگا اور چہرہ بدنما ہو جائیگا۔

ترھقھا قترۃ کی تفسیر ترھقھا قترۃ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں تخشاھا شدۃ وذلۃ۔ (ابن ابی حاتم، ابن المنذر) ان کے چہروں پر کمال درجہ کی شدت اور ذلت چھائی ہوئی ہوگی" دیگر مفسرین کرام نے قَتَرَۃٌ سے سیاہی مراد لی ہے جو کافر پر چھا جائیگی جو کسی مقصد میں ناکام رہ جانیکی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ کسی نے دھواں مراد لیا ہے اور حضرت سری السقطی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔ ظاھر علیھا حزن البعاد لانھا صارت محجوبۃ من الباب مطرودۃ۔ ان کے چہروں پر رحمت الٰہی سے دوری کا غم غالب آگیا ہو گا کیونکہ وہ وصال الٰہی سے محجوب اور بساط محبت میں آنے سے ممنوع و مطرود ہو چکے ہیں" اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ غلب علیھا اعراض اللہ عنھا ومقتہ ایاھا فھی تزداد فی کل وقت ظلمۃ وقترۃ۔ اللہ سبحانہ کے اعراض اور اس کی ناراضی وغضب کا ان پر غلبہ ہو گیا ہے جس کے باعث ان کی تاریکی اور سیاہی آناً فاناً بڑھتی ہی جاتی ہے"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ نتیجہ ان تمام تفاسیر کا ایک ہی ہے کہ جن لوگوں نے قیامت اور جزا پر یقین نہ کیا اور خدا اور رسولؐ کی تعلیمات پر توجہ نہ دی۔ قیامت کے دن ان کو حسرت ہوگی اور کمال حسرت سے ان کے چہرے اداس ہوں گے۔ اور ان پر ہوائیاں چھوٹتی رہینگی

الکفرۃ الفجرۃ کی تفسیر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۔ وہ (روسیاہ) وہی منکر ہیں بدکاری میں ڈوبے ہوئے "۔ یعنی فجور اور کفر یہ دونوں مذموم صفات جہاں جمع ہوں قیامت میں ان کا وہی حال ہوگا جو اوپر بیان فرمایا گیا۔ فجور کے اصل معنی کذب اور میل عن الحق کے ہیں یعنی جھوٹ پر قائم رہنا اور حق سے اعراض کرنا۔ خواہ قولاً ہو یا فعلاً یا اعتقاداً۔ فجور جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور قول و فعل اور اعتقاد سب پر چھا جاتا ہے تو وہ کفر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جیسا کہ صغیرہ گناہ پر کسی کا اصرار جاری رہتا ہے تو وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور کبائر جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو نوبت کفر کی آجاتی ہے۔ کیونکہ گناہ کی مذمت دل سے نکل جاتی ہے اور اس کو خفیف اور ہلکا سمجھا جاتا ہے۔ جب اس کی برائی اور حرمت ذہن سے فراموش ہو جاتی ہے تو استحلال معصیت کی نوبت آتی ہے کیونکہ گناہ کو جائز اور حلال تصور کرنا شرعاً کفر ہے۔ نعوذ باللہ منہ

ہاں جہاں فجور اس درجہ پر نہ پہنچا ہو یعنی کفر اس کے ساتھ جمع نہ ہوا ہو تو ان کا وہ حشر نہ ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔ مگر چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے بدکاری سے دوری اختیار

کی جائے کہ جہیں سے انسان صراط مستقیم سے ہٹتا جاتا ہے ۔ دوری اختیار کرنے کا طریقہ توبہ و استغفار ہے ۔ اگر کسی سے احیاناً کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو فوراً توبہ و انابت سے کام لے ۔ ارشاد باری ہے :۔ والذین اذا مسّھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون ۔ مومنین کی صفت یہ ہے کہ جب ان کو شیطانی خیال کبھی چھولیتا ہے تو وہ فوراً اللہ سبحانہ کی یاد کرتے اور آئندہ کے لئے بصیرت ایمان سے کام لینے لگتے ہیں۔

دُعا و خاتمہ اللہ سبحانہ ہم کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو نیک توفیق عطا فرمائے اور صراط مستقیم پر چلائے کہ یہی صورت فلاح و کامیابی کی ہے ۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علیہم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

سورۂ عبس کی تفسیر ختم ہوئی ۔ وللہ الحمد والمنہ ۔ ۱۶؍ شعبان المعظم ۱۳۷۹ھ

81 Takweer makky Verses 29

(۸۱)

سورۃ التکویر

مکیہ ہے اور اس میں (۲۹) آیتیں ہیں

اس سورت شریفہ کو "سورۂ کوّرت" اور "سورۂ اذا الشمس کورت بھی کہتے ہیں۔ تیسیر میں لکھا ہے کہ اس میں (۲۸) آیات ہیں بظاہر یہ کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ بسم اللہ کو جن بزرگوں نے داخل سمجھا اُن کے نزدیک اس میں (۲۹) آیات ہوئیں اور جنھوں نے خارج رکھا (۲۸) تعداد ٹھہری۔

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کا ربط ظاہر ہے کہ اس کے آخر میں قیامت اور اس کی ہولناکی کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس سورت شریفہ کی ابتدا ہی قیامت کے بیان سے فرمائی جارہی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ختم المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا: من سرہ ان ینظر الی یوم القیامۃ رأي العین فلیقرأ اذا الشمس کوّرت واذا السماء انفطرت و اذا السماء انشقّت (امام احمدؒ، ترمذی بروایت حسنؒ) جس کو خوشی ہو کہ قیامت کے دن کا آنکھوں دیکھا مشاہدہ کرے تو اس کو اذا الشمس کوّرت اور اذا السماء انفطرت

اور اذا السماء انشقت کی سورتیں پڑھ لینی چاہئیں'' کہ ان کے پڑھنے سے روز قیامت کی پوری پوری تصویر آنکھوں میں کھنچ جاتی ہے۔ امام بغویؒ کی روایت میں صرف اذا الشمس کورت آیا ہے۔ مابعد سورتوں کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

81-1
81-2
81-3
81-4
81-5
81-6
81-7
81-8
81-9
81-10
81-11
81-12
81-13
81-14

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ

سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ

سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَ

اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْجَنَّةُ

اُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝ جب آفتاب تاریک ہو جائے

---

[1] صاحب توضیح فرماتے ہیں:۔ ودخوله في امر كائن او منتظر لا محالة۔ اور کلمہ اذا ایسے امر پر آیا کرتا ہے جو بالضرور وقوع میں آئے اب یا آئندہ'' اور صاحب تلویح فرماتے ہیں:۔ ویکون استعماله فيما هو قطعي الوجود۔ اِذَا کا استعمال ایسے

اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں، اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں

چھٹی پھریں، اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں، اور جب دریا سلگائے جائیں، اور

جب جانیں جوڑ دی جائیں، اور جب زندہ دفن کی ہوئی سے پوچھا جائے کہ وہ کس

گناہ میں ماری گئی، اور جب اعمال نامے کھولے جائیں، اور جب آسمان کا پوست اتار

لیا جائے، اور جب دوزخ دہکائی جائے اور جب جنت نزدیک لائی جائے تو جان لیگا

ہر شخص جو لے آیا۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ علہ)

امور میں ہوا کرتا ہے جن کا وقوع پذیر ہونا قطعی اور یقینی ہو۔ یہ مذہب کوفیین کا ہے۔ اور بصریین کہتے ہیں:۔ دخول اذا انما یکون لامر کائن متحقق فی الحال او امر یقطع بتحققه فی الاستقبال مثل قوله تعالیٰ اذا السماء انفطرت۔ اذا ایسے امر پر آیا کرتا ہے جو فی الحال ثابت اور متحقق ہو چکا ہو یا ایسے امر پر داخل ہوتا ہے جس کا ثابت اور متحقق ہونا آئندہ زمانے میں قطعی اور یقینی ہو جیسا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اذا السماء انفطرت۔ یعنی جبکہ آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں۔" گو بحالت موجودہ آسمان میں کوئی شگاف نہیں ہے لیکن ایک ایسے وقت کی آمد یقینی ہے کہ اس میں شگاف پڑ جائیں گے۔ بہرحال نحاۃ کوفیین و بصرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اِذَا ایسے امور پر آیا کرتا ہے جو کہ متحقق ہو یا آئندہ قطعی طور پر وقوع میں آنے والا ہو۔

ان آیات کریمہ میں جن جن امور کا اِذَا کے ذریعہ ذکر فرمایا گیا ہے یعنی روشن اور درخشاں آفتاب کا تاریک ہو جانا، تاروں کا جھڑ پڑنا، پہاڑوں کا چلایا جانا، دس مہینے کی گابھن اونٹنیوں سے بھی استغنا برتا جانا، دریاؤں کا سلگا دیا جانا، اور انسانوں کا اپنے ہم مشربوں کے ساتھ جوڑ دیا جانا، زندہ درگور کی ہوئی لڑکیوں سے پوچھا جانا کہ تم کو کس جرم میں قتل کر دیا گیا تھا؟ نامۂ اعمال کا کھولا جانا، آسمانوں کا پوست اتار دیا جانا، دوزخ کو دہکایا جانا، اور جنت کو (اہل جنت سے) قریب کر دیا جانا، یہ تمام ایسے امور ہیں جن کا وقوع اگرچہ اب تک نہیں ہوا لیکن ایسا وقت ضرور آنے والا ہے اور قطعاً و یقیناً وہ وقت آ رہیگا کہ یہ سب باتیں اپنے اپنے وقت پر ہو رہینگی۔ اس میں کسی ریب و شک یا تردد کی گنجائش نہیں ہے اس وقت ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کی زندگی میں اس نے کیا کمایا تھا اور اب آج کے دن کے لئے کیا کارنامہ لے کر حاضر ہوا ہے؟ اگرچہ منکرین آج انکار کرتے ہوں لیکن کل انکی واقعیت آشکار ہو کر رہیگی۔

اذا الشمس کورت کی تفسیر

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ جبکہ آفتاب لپیٹ دیا جائے"۔ یعنی اس کو تہ کر کے رکھ دیا جائے۔ یہ اس کے اصلی اور حقیقی معنی ہیں۔ اور آفتاب کی روشنی گل ہو جانا اور اس کا بے نور ہو جانا، اس کے لازمی اور مجازی معنی ہیں۔

کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آفتاب کو تہ کرکے رکھ دیا جائے تو روشنی کہاں باقی رہیگی؟ سلف صالحین سے یہی منقول ہے جس کی روایات صحاح اور دیگر کتب احادیث شریفہ میں بکثرت موجود ہیں۔ مفسرین کرام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں جو بجائے خود بالکل درست ہیں یہ اس لئے ہوگا کہ آفتاب کی آفرینش دار دنیا کو روشن اور اس میں رہنے والوں کے فائدے کے لئے ہوئی تھی۔ جب اس کی مدت ختم ہوجائیگی اور دار آخرت در پیش ہوگا تو وہ دنیا اور اس کے لوازم سب برخاست ہوجائیں گے اور وہ عالم ہی دوسرا ہوگا جیسے کوئی تقریب ہوتی ہے تو اس کے مناسب حال انتظامات عمل میں لائے جاتے ہیں۔ جہاں تقریب ادا ہوچکی تو اس کی خاطر جو عارضی انتظامات کئے گئے تھے وہ سب مٹا دئے جاتے ہیں۔

چاند اور سورج کا حشر حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ الشمس والقمر مکوّران یوم القیامۃ۔ (بخاری)

اور مسند بزار میں اس پر اور اتنا اضافہ ہے:۔ فی النار۔ سورج اور چاند قیامت کے دن لپیٹ دیے جائیں گے اور ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا" اسکی وجہ حضرت ابومریمؓ کی روایت میں مذکور ہے جس میں بارگاہ رسالت سے ارشاد ہوا ہے:۔

اذا الشمس کوّرت قال کوّرت فی جھنّم واذا النجوم انکدرت قال انکدرت فی جھنّم وکل من عبد من دون اللہ فھو فی جھنّم الّا ما کان من عیسیٰ بن

مریم وامّه ولو رضیا ان یعبد الا دخلا ھا ۔ (ابن ابی حاتم دیلمی) اذا الشمس کورت کی تفسیر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ آفتاب لپیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائیگا اور اذا النجوم انکدرت کی تفسیر یوں ارشاد ہوئی کہ تمام تارے دوزخ میں جھڑ پڑینگے اس طرح ہر وہ چیز جس کی پرستش غیر اللہ کے پجاریوں کے ذریعہ دنیا میں ہوتی رہی وہ دوزخ میں ڈال دی جائیگی۔ اس سے حضرت عیسیٰ بن مریم اور آپ کی والدۂ محترمہ مستثنٰے رہیں گی (کیونکہ یہ اپنی پرستش کی جانے سے کبھی خوش نہ تھے) اور بفرض محال اگر یہ بھی اپنی پوجا کی جانے سے رضامند رہتے تو ان کے ساتھ بھی یہی عمل ہوتا۔"

ایک اشکال کا جواب

بعض روایات میں ہے کہ سورج وغیرہ کو دریا میں ڈال دیا جائیگا۔ اس پر بعضوں کو یہ اشکال درپیش ہے کہ دریا تو زمین کا ایک جزو ہیں اور آفتاب کا حجم پوری زمین سے کئی سو درجہ بڑا ہے پھر اتنی بڑی چیز کی سمائی اتنی چھوٹی شے میں کس طرح ہوگی؟ مگر ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اذا الشمس کوّرت ارشاد ہوا ہے جبکہ آفتاب لپیٹ دیا جائے۔ اور ردّ کر دیا جائے"۔ لپیٹنے اور ردّ کرنے کی حالت میں بڑی سے بڑی شے محدود اور مختصر ہو جاتی ہے پھر اس کو کسی چھوٹی چیز میں سما دینا کیا مشکل ہے؟ قبض اور بسط دو صفتیں اپنی جگہ مستقل حقیقت رکھتی ہیں۔ پھر قابض اور باسط یہ دونوں صفات باری ہیں تو لحاظ حالات مختلف اوقات میں ان صفات کا ظہور جُدا گانہ

تجلیات کی صورت میں مستبعد کیوں ہوگا؟ برگد کا درخت دیکھو کہ وہ کتنا بڑا اونچا اور کیسا پھیلا ہوا ہوتا ہے کہ ایک ایک میل تک اس کی شاخیں چلی جاتی ہیں۔ یہ اس کا بسط ہے۔ پھر اس کا بیج دیکھو کہ خشخاش کے برابر ہوتا ہے۔ یہ اس کا قبض ہے اور اسی میں اس کی جڑیں، تنہ، شاخیں، پتے، پھول اور پھل سب کچھ موجود ہیں۔ انسان پر کبھی ایک کیفیت قبض کی پیدا ہوتی ہے تو وہ نہایت منقبض رہ جاتا ہے۔ کوئی چیز اس کو پسند نہیں آتی۔ وہ سب سے روگرداں ہوکر گوشۂ خمول میں جا بیٹھتا ہے۔ پھر کبھی اس پر بسط کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کے دل میں وہ وسعت ہوتی ہے جس کا بیان اس حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے: لا یسعنی ارضی ولا سمآئی ولٰکن یسعنی قلب عبدی المؤمن۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میری سمائی نہ میری زمین میں ہوسکتی ہے اور نہ میرے آسمانوں میں لیکن میرے بندۂ مومن کے دل میں میری سمائی ہوسکتی ہے"۔ جس کی وسعت کی کوئی حد نہیں۔ عالم خواب و خیال بھی اسی قبض و بسط کا ایک بہترین نمونہ ہے کہ آنکھ بند ہوتے ہی کچھ ایسے نقشے اور وسیع میدان درپیش ہوتے ہیں جو کسی حد و حساب میں نہیں آسکتے کسی نے کیا خوب کہا۔ ؎

بخیالے ز تو راضی بخوابے خوشنود حاصل زندگیم خواب و خیالے دارد

واذا النجوم انکدرت کی تفسیر وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں" ایسی ہی تفسیر حضرت ضحاک اور حضرت قتادہ سے مروی ہے۔ اول الذکر فرماتے ہیں تساقطت۔ (عبد بن حمید) اور ثانی الذکر نے فرمایا:۔ تساقطت و تھافتت (عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) گر پڑیں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں" اور حضرت مجاہد نے فرمایا:۔ تناثرت۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) جھڑ پڑیں" ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:۔ تغیرت۔ ان کی روشنی، چمک دمک متغیر ہو جائے" بے نور اور مکدر ہو جائیں۔ ان تمام تفاسیر کا مآل ایک ہی ہے کہ یہ حالت برقرار نہ رہے۔ بہر حال کہیں اصلی اور حقیقی معنی بتائے گئے ہیں اور کہیں لازمی اور مجازی۔

تاروں کی کیفیت طریق سماع سے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی ملائکۃ من نور فاذا مات من فی السماوات والارض تساقطت من ایدیھم۔ (روح المعانی) تارے (جو اوپر نظر آتے ہیں) قندیلیں ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیان، نور کی زنجیروں سے جو نورانی فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں لٹکی ہوئی ہیں جب آسمانوں اور زمین کے رہنے والے فنا ہو جائیں گے (اور فرشتے خود باقی نہ رہیں گے) تو

وہ تمام معلق قندیلیں نیچے گر پڑینگی"۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تارے جرم فلک میں جڑے ہوئے نہیں ہیں جیساکہ متقدمین فلاسفہ اس کے قائل ہیں بلکہ فضا میں معلق ہیں۔ اس سے فلاسفہ جدید کے قول کی تائید ہوتی ہے جن کا قول تقریباً یہی ہے کہ تارے فضا میں معلق ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ان کو نورانی زنجیروں سے بندھا ہوا اور وہ زنجیریں نورانی مخلوق کے ہاتھوں میں دی ہوئی ہوتا بیان فرمایا گیا ہے فلاسفہ جدید نورانیت سے کوسوں دور ہونے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ تاروں میں باہمی کشش ہے اس کشش کی بدولت وہ فضا میں معلق ہیں۔

حدیث ابن عباسؓ کی تائید

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا مضمون دوسری احادیث شریفہ سے ملتا جلتا ہے جن میں سے ایک میں فرمایا گیا:۔ ان لکل شئ ملکا وان قطرۃ من قطرات المطر ینزل معھا ملك۔ ہر ہر چیز کے ساتھ ایک ایک فرشتہ لگا ہوا ہے یہاں تک کہ بارش کا ایک ایک قطرہ جو گرتا ہے تو اس کے ساتھ بھی ایک فرشتہ اترتا ہے" اسی طرح حضرت تاجدار دوجہاں علیہ صلوات الرحمان نے فرمایا:۔ اتانی ملك الجبال (الحدیث) میرے پاس پہاڑوں کا محافظ فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ فرمائیں تو مکہ کے یہ تمام پہاڑ سونے کے بنا دئے جائیں تو میں نے اس کی یہ درخواست قبول نہ کی۔

واذا الجبال سیرت کی تفسیر

وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ۔ اور جب پہاڑ

چلائے جائیں" یعنی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹادئے جائیں۔ یہ اس وقت ہوگا جبکہ قیامت کے قریب زمین کو زلزلہ ہوگا۔ ایسا شدید کہ زمین کا کوئی حصہ اور گوشہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیگا۔ جب زمین کی یہ کیفیت ہوگی تو ظاہر ہے کہ جس قدر پہاڑ اس پر جمے ہوئے ہیں وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ پہاڑوں کا تعلق دور کردیا جائے اور وہ روئی کے گالوں کی طرح ہلکے پھلکے ہوکر ہوا میں اڑتے پھریں۔ یا یہ کہ پہاڑ چورچور ہوکر غبار کی طرح اڑجائیں۔ اور یہ صورت دوسری دفعہ صور پھونکا جانے کے بعد نمودار ہوگی۔

واذا العشار عطلت کی تفسیر وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں" حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ سیبھا اهلوها اتاهم ما شغلهم عنها فلم تصر ولم تحلب ولم یکن فی الدنیا مال اعجب الیهم منها۔ (عبدبن حمید، ابن ابی حاتم) یعنی ان اونٹنیوں کے مالکین ان کو چھٹی پھرتی ہوئی چھوڑدیں گے۔ اس کا سبب یہ ہوگا کہ خود مالکین پر ایسی کٹھن آفت آن پڑی ہوگی جو ان کو اپنے سوا کسی اور طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ دیگی۔ نہ ان اونٹنیوں کے تھن کو باندھ کر دودھ کی حفاظت کی جاتی ہوگی اور نہ ان کا دودھ دوہ لیا جائیگا۔ بلکہ لاوارث مال کی طرح چھٹی پھرتی رہینگی حالانکہ دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں

اہل عرب کے دنیوی اموال میں نفیس ترین مال شمار ہوتی ہیں اس لئے کہ ایسی اونٹنی کی ولادت کا زمانہ قریب پہنچ گیا ہے اب وہ جنے گی تو دودھ اور بچے کے ذریعہ منفعت کی توقعات وابستہ ہو جاتی ہیں۔ خیال کیا جائے کہ جب ایسا نفیس، مرغوب اور پُر منفعت مال، ایسے کمال بے التفاتی اور ناقدری کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو اس کے مالک پر کیسی کٹھن گھڑی آئی ہوگی؟ دس مہینے تک اس کو کھلاتا پلاتا اور اس کی ہر طرح خدمت اور خبرگیری کرتا رہا۔ اور عین اس وقت جبکہ اس کے منافع سے متمتع ہونے کا وقت قریب تھا کہ ایسی مصیبت سر پر آن پہنچی جو اپنے سوا کسی اور طرف توجہ کرنیکا موقع ہی نہیں دیتی۔ یہی ہے ساعت قیامت۔

واذا الوحوش حشرت کی تفسیر

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں"۔ یعنی وحشی جانور پالتو جانوروں کے ساتھ ملا دئے جائیں۔ اور جو بیگانگت اور نفرت آج ان دونوں قسم کے جانوروں میں موجود ہے کہ بکری اور شیر دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک زبردست دن ایسا آنے والا ہے کہ اس کی دہشت کے آگے بکری کو خوف جو شیر سے تھا اور شیر کا شوق جو بکری کی جانب تھا وہ باقی نہ رہیگا۔ یہ مراد نہیں کہ ان دونوں گروہ میں محبت اور یگانگت پیدا ہو جائیگی اور محبت و پیار سے باہم زندگی گزارتے ہوں گے بلکہ قیامت کی ہیبت کچھ اس درجہ

ان کے دلوں پر مستولی ہوگی کہ وہ آپس کی فطری دشمنی بھول جائیں گے۔ سورۂ عبس کی آیۂ کریمہ یوم یفر المرء کی تفسیر میں اسی نوعیت کا کچھ بیان گزر چکا ہے اس کو ملاحظہ کرلیا جائے۔

واذا البحار سجرت کی تفسیر | وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۔ اور جب دریا سلگائے جائیں" حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں:۔ ست آیات قبل یوم القیامۃ بینما الناس فی اسواقھم اذ ذھب ضوء الشمس فبینما ھم کذلک اذ وقعت الجبال علی وجہ الارض فتحرکت واضطربت واختلطت ففزعت الجن الی الانس والانس الی الجن واختلطت الدواب والطیر والوحش فماجوا بعضھم فی بعض واذا الوحوش حشرت قال اختلطت واذا العشار عطلت اھملھا اھلھا واذا البحار سجرت قال الجن والانس نحن ناتیکم بالخبر فانطلقوا الی البحر فاذا ھی نار تاجج فبینما ھم کذلک اذ انصدعت الارض صدعۃ واحدۃ الی الارض السابعۃ والی السماء السابعۃ فبینما ھم کذلک اذ جاءتھم ریح فاماتتھم۔ (ابن ابی الدنیا، ابن حمید، ابن ابی حاتم)

(اس سورت شریفہ کی ابتداء بارہ نشانیوں سے فرمائی گئی ہے جن میں سے) چھ نشان

روز قیامت سے پہلے ظہور پذیر ہوں گے۔ وہ اس طرح کہ لوگ اپنے بازاروں میں ہونگے کہ یکایک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے جس سے ساری زمین حرکت اور اضطراب میں آجائیگی اور زمین کا ایک ایک حصہ دوسرے سے خلط ملط ہوجائے گا۔ پھر جن گھبرا کر انسانوں کے پاس اور انسان گھبرا کر جنوں کے پاس دوڑے ہوئے آئیں گے۔ نیز چوپائے، پرندا و وحشی جانور (بدحواس ہوکر) باہم خلط ملط ہوجائیں گے اور ایک گروہ دوسرے میں گھس آئیگا۔ ارشاد باری تعالیٰ واذا الوحوش حشرت میں اسی خلط ملط کی طرف اشارہ ہے اس وقت واذا العشار عطلت کے بموجب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں تک چھٹی پھرتی رہینگی، کسی کو ان کی پرواہ نہیں رہیگی۔ پھر واذا البحار سجرت کے مطابق جب دریاؤں کے سلگائے جانے کی نوبت آئیگی تو جنی جان، انسانوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے ہاں اس کی خبر پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ وہ سمندر کی سمت روانہ ہوں گے جب وہاں پہنچیں گے تو کیا دیکھیں گے کہ پورا سمندر دہکتی ہوئی آگ بنا ہوا ہے۔ پھر یہ سب اسی حالت میں ہونگے کہ زمین و آسمان یک دم پھٹ جائینگے زمین تحت الثریٰ ساتوں طبقوں تک پھٹ جائیگی اور آسمانوں کے پھٹنے کا سلسلہ بھی ساتوں آسمانوں تک چلا جائیگا۔ پھر سب اس حالت میں ہوں گے کہ ایک زبردست آندھی آئیگی جس سے روئے زمین کے تمام متنفس سب کے سب ہلاک ہوجائینگے۔

یہ چھ امور قیامت سے قبل کے تھے۔ اور وہ امور جو قیامت قائم ہونے کے بعد وقوع پذیر ہوں گے ان میں سے بھی چھ چیزوں کا بیان فرمایا جا رہا ہے :۔

واذا النفوس زوجت کی تفسیر وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ اور جب جانیں جوڑ دی جائیں" اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص اپنے ہم خیال و ہم مشرب کے ساتھ ملا دیا جائے اور اس طرح لوگوں کے طبقے طبقے قرار دئے جائیں چنانچہ حضرت قتادہ رضی فرماتے ہیں :۔ الحق کل انسان بشیعته الیهودی بالیهودی والنصرانی بالنصرانی (عبد بن حمید ابن ابی حاتم) ہر انسان اپنے پسندیدہ گروہ یا شخص سے ملا دیا جائے۔ یہودی یہودی کے ساتھ اور نصرانی نصرانی کے ساتھ" نیز سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :۔ یقرن بین الرجل الصالح مع الصالح فی الجنة ویقرن بین الرجل السوء مع السوء فی النار فذلك تزویج الانفس۔ (عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ سعید بن منصور، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ بیہقی، ابو نعیم) نیک آدمی کو نیک کے ساتھ جنت میں جوڑ دیا جائیگا۔ اور بد کو بد کے ساتھ دوزخ میں ملا دیا جائے گا۔ یہی جانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دینا ہے" دوسرے موقع پر فرمایا :۔ تزویجها ان یوتف کل قوم الی شبههم وقال احشروا الذین ظلموا وازواجهم۔ (ابن منیع) اہل محشر کا جوڑ دیا جانا یوں ہے کہ ہر قوم کو اس کی

(اعتقادی عملی) مشابہت رکھنے والوں کے ساتھ ملا دیا جائے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے گروہ ملائکہ!) ظالموں کو ان کے ہم مشربوں کے ساتھ اکٹھا کردو"
یہ صورت تفسیر القرآن بالقرآن کی ہے۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ارواح کو اجساد کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا یعنی ہر ایک مردہ جسم میں اس کی جان ڈال دی جائیگی۔

واذا الموءدۃ سئلت کی تفسیر وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔ اور جب زندہ دفن کی ہوئی سے پوچھا جائے کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی؟ ع

رسم جاہلیت روح المعانی میں ہے کہ جاہلیت میں کسی کے گھر لڑکی تولد ہوتی اور باپ اس کو زندہ چھوڑنا چاہتا تو اس کو کمبل وغیرہ کا جبہ پہنا کر بکریاں یا اونٹ چرانے کے کام پر لگا دیتا اور اگر اس کو مار ڈالنا چاہتا تو چھ سال کی عمر ہونے پر اس کی ماں سے کہتا کہ اس کو آراستہ پیراستہ کرے خوشبو لگا کر لائے تاکہ اس کے دیوروں کے ہاں لے جاؤں۔ اور ادھر قبل از قبل جنگل میں ایک گڑھا کھود کر رکھتا۔ پھر اپنی اس لڑکی کو بناؤ سنگھار کے ساتھ لیجا کر کہتا کہ بیٹا! اس کنویں میں جھانک کر تو دیکھ۔ جب وہ دیکھتی تو اس کو پیچھے سے ڈھکیل دیتا اور اوپر سے مٹی جھونک دیتا۔ پھر یہ مرض ترقی کرتا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی جو روایت حضرت ابن عباسؓ میں ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ الموؤدۃ ھی المدفوفۃ کانت المرأۃ فی الجاھلیۃ اذا ھی حملت فکان اوان ولادھا حفرت حفرۃ فتمخضت علی رأس تلک الحفرۃ فان ولدت جاریۃ رمت بھا فی تلک الحفرۃ وان ولدت غلاما حبسته (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) زمین میں دفن کی ہوئی کو موؤدۃ کہتے ہیں۔ جاہلیت کا عملدرآمد یہ تھا کہ عورت حاملہ ہوتی اور ولادت کا زمانہ قریب آجاتا تو وہ ایک گڈھا کھود رکھتی عورت کا دردزہ اسی گڈھے پر گزرتا۔ اگر لڑکی پیدا ہوئی تو اس کو اسی گڈھے میں پھینک دیا اور اگر لڑکا ہوا تو اس کو روک رکھا۔"

قیس تمیمیؓ کا واقعہ حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔ جاء قیس بن عاصم التمیمی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی وأدت ثمان بنات لی فی الجاھلیۃ فقال له النبی صلی اللہ علیه وسلم اعتق عن کل واحدۃ رقبۃ قال انی صاحب ابل قال فاھد عن کل واحدۃ بدنۃ۔ (بزار، حاکم، بیہقی) قیس بن عاصم تمیمیؓ حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جاہلیت کے دور دورے میں میں نے اپنی آٹھ لڑکیاں زندہ درگور کی ہیں۔ اس پر حضور رحمۃ للعالمین

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر لڑکی کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرو۔ میں نے عرض کیا کہ (میرے ہاں غلام نہیں ہیں) میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا پھر تو ہر لڑکی کے بدلے ایک ایک اونٹ کی قربانی دے دو۔"

صعصعہؓ کا واقعہ حضرت صعصعہؓ (شاعر مشہور فرزوق کے دادا) فرماتے ہیں:—

قلت یا رسول اللہ انی عملت اعمالا فی الجاھلیۃ فھل لی فیھا من اجر قال وما عملت قال احییت ثلاث مائۃ وستین موءودۃ اشتری کل واحدۃ منھن بناقتین عشراوین وجمل فھل لی فی ذلك من اجر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لك اجرہ اذ منّ اللہ علیك بالاسلام۔

(طبرانی) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے جاہلیت میں بعض کار ہائے خیر انجام دئے تھے۔ تو کیا مجھے اُن کاموں کا بھی اجر ملیگا؟ اس پر آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے وہ کیا کام کئے تھے؟ عرض کیا کہ زندہ درگور کی جانے والی تین سو ساٹھ جانوں کو بچایا۔ اس طرح کہ ایک ایک لڑکی کو دس دس مہینے کی دو گابھن اونٹنیاں اور ایک اونٹ دیکر خرید لیا کرتا تھا۔ تو کیا مجھے اس کا بھی کوئی ثواب ملیگا؟ تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ سبحانہ نے تم کو نعمت اسلام سے سرفراز فرمایا ہے تو تمھیں ان اعمال کا بھی اجر ملیگا۔"

اسی بنا پر شاعر فرزوق نے اپنے مفاخر میں یہ شعر کہا ہے :

وجدی الذی منع الوائدات فاحیا الوئید فلم توءد

میرے جد (دادا) وہ ہیں جنھوں نے کتنی زندہ درگور کرنے والیوں کو ان کے عمل سے روک دیا۔ اور اس طرح دفن کر دی جانے والیوں کی جانیں بچالیں پھر وہ زندہ درگور نہ کی جاسکیں۔"

جب قیامت ہوگی تو سب کے ساتھ ایسی لڑکیاں بھی اٹھائی جائینگی اور ایک ایک لڑکی سے پوچھا جائیگا کہ کس جرم میں تجھ کو قتل کیا گیا تھا؟ یہ سوال ایک خاص نوعیت رکھتا ہے کہ ظالم سے باز پرس کرنے کی جگہ مظلوم سے پوچھا جا رہا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جبکہ مظلوم کی مظلومیت عالم آشکار ہو تو ظالم اور مظلوم دونوں کو کھڑا کر کے ظالم کے روبرو مظلوم سے دریافت کیا جاتا ہے۔ اس میں کئی خوبیاں ہیں۔ ایک یہ کہ مظلوم کی تسلی خاطر ہوتی ہے اور اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ کامیابی اسی کے حق میں ہے۔ اور ظالم حد درجہ معتوب قرار پاتا ہے کہ لائق خطاب و التفات تک نہیں سمجھا گیا۔ نیز اس کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ جرم پوری طرح ثابت ہو چکا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :۔ یا عیسی بن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰهین من دون الله ۔ عیسی بن مریم! کیا آپ نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو

چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو اپنا خدا بنالو؟“ اس عنایت و سرفرازی سے فیضیاب ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کس شرح وبسط کے ساتھ جواب ادا فرمائیں گے اس کا بیان مذکورالصدر آیہ کریمہ کی تفسیر کے سلسلہ میں معلوم ہوگا۔ یہی صورت اس آیہ کریمہ میں بھی اختیار فرمائی گئی ہے

سئلت کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ سُئِلَتْ بصیغہ مجہول سَأَلَتْ بصیغہ معروف کے معنی میں ہے یعنی خود زندہ درگور کی ہوئی لڑکیاں بارگاہِ رب العزت جل جلالہ میں پیش ہو کر فریادی ہونگی اور پوچھتی جائینگی۔ پروردگارا! ہم کو جیتے جی زمین میں دفن کردیا گیا تھا۔ آج انصاف کا دن ہے۔ اس امر کی بھی دریافت ہونی چاہیے کہ ہم نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟ اور کس جرم کی پاداش میں ہم کو قتل کردیا گیا؟ کیونکہ ان میں بعض لڑکیاں ایسی بھی تھیں جو صرف پیدا ہوئی تھیں۔ ایسی نومولود لڑکی کو دفن کردیا گیا۔ بعض کو زیادہ سے زیادہ چھ سال کی عمر تک پہنچنے دیا گیا جیسا کہ اوپر گزرا پھر اس کے ساتھ بھی وہی وحشتناک سلوک کیا گیا۔ ان قاتلین سے دریافت فرمایا جائے کہ ایسا کیوں ہوا؟

واذا الصحف نشرت کی تفسیر وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ اور جب نامہ ہائے اعمال کھولے جائیں“ حضرت ابن جریج فرماتے ہیں:۔ اذا مات الانسان طویت صحیفتہ ثم تنشر یوم القیامۃ فیحاسب بما فیھا۔ (ابن المنذر) جب انسان مرتا ہے تو

اس کا صحیفہ (اعمال نامہ) لپیٹ دیا جاتا ہے۔ پھر قیامت کے دن اس کو کھولا جائیگا۔ اور اس میں جو کچھ لکھا ہوگا اس کے مطابق اس سے حساب لیا جائے گا۔" حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت رسول اکرم نبی افخم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یحشر الناس عراۃ حفاۃ۔ لوگ حشر میں برہنہ تن، برہنہ پا اٹھائے جائیں گے۔" اس پر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ عرض پرداز ہوئیں فکیف بالنساء۔ پھر عورتوں کا کیا حال ہوگا؟ تو فرمایا شغل النساء یا ام سلمۃ اے ام سلمہ! عورتوں کو اپنی آپڑی گی۔" حضرت ام سلمہ نے عرض کیا۔ وہ آپڑنے والی چیز کیا ہوگی؟ تو ارشاد مبارک ہوا:۔ نشر الصحف فیھا مثاقیل الذر ومثاقیل الخردل۔ اجی اعمال نامے کھولے جائیں گے جن میں ایک ایک ذرہ اور ایک ایک رائی کے دانے کے برابر اعمال تک درج رہیں گے۔" اس حدیث شریف کا کچھ بیان اوپر گزر چکا ہے۔ اور مرثد بن وداعہ کی روایت یوں ہے:۔

اذا کان یوم القیامۃ تطایرت الصحف من تحت العرش فتقع صحیفۃ المؤمن فی یدہ فی جنۃ عالیۃ وتقع صحیفۃ الکافر فی یدہ فی سموم و حمیم ای مکتوب فیھا ذلک وھی صحف غیر صحف الاعمال۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش اعظم کے نیچے سے صحیفے اڑتے ہوئے آئیں گے ان میں سے جو اہل ایمان سے متعلق ہوں گے وہ مومنین کے ہاتھوں میں آجائیں گے ان میں لکھا ہوگا کہ یہ بلند درجو والی

جنت میں رہیں۔ اور کافر کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں آپڑیگا۔ اس میں لکھا ہوگا کہ یہ دوزخ کی زہریلی گرم ہوا میں رہے "۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں صُحُف سے نامۂ اعمال مراد نہیں داخلہ کے اجازت نامے ہیں۔ واللہ اعلم۔

واذا السماء کشطت کی تفسیر | وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتۡ۔ اور جب آسمان کا پوست کھینچ جائے "۔ یعنی آسمان جو بطور حجاب ہیں ان کو ہٹا لیا جائے۔ اور ان کے اندر جو جو چیزیں ہیں وہ سب نظر آنے لگیں جیسا کہ ذبح کی ہوئی بکری کا پوست اتار لیا جائے تو اس کے اندر کی تمام چیزیں نظر کے سامنے ہو جاتی ہیں اسی طرح آسمانوں کے ساتھ بھی یہی عمل ہوگا۔ یہ صورت کب پیش آئیگی اس کے اوقات کے بیان میں روایات مختلف ہیں۔ حضرت محمد بن کعب قرظی نے یہاں صاحب افصاح کی یہ توجیہ نقل کی ہے جو بہترین قول فیصل ہے:۔

صاحب افصاح کا فیصلہ | تبدیل السماوات والارض یقع مرتین احدٰھما تبدیل صفاتھما فقط وذلک قبل نفخۃ الصعق فتنتثر الکواکب وتخسف الشمس والقمر وتصیر السماء کالمھل وتکشط عن الرؤس وتسیر الجبال ویصیر البحر نارا وعوج الارض وینشق الی ان تصیر الھیئۃ غیر الھیئۃ ثم بین النفختین تطوی السماء والارض وتبدل السماء بسماء اخریٰ۔ (مظہری)

آسمانوں اور زمین کی تبدیلی دو دفعہ ہو گی۔ پہلی تبدیلی صرف تبدیلی صفات کی حد تک محدود ہو گی' اور یہ تبدیلی بیہوش کرنیوالا صور پھونکے جانے سے قبل ہو گی جس کے نتیجہ میں تارے جھڑ پڑیں گے۔ سورج اور چاند کو گہن لگ جائیگا۔ اور آسمان کا رنگ گرم تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا۔ اور سروں کا پوست اتار لیا جائیگا۔ پہاڑ چلنا اور اڑنا شروع کر دیں گے۔ سمندر آگ ہی آگ ہو جائیگا۔ زمین کی کجی نشیب و فراز اور موڑ توڑ سب کچھ دور ہو جائیگا اور زمین پھٹ جائیگی جس کی وجہ سے اس کی ہیئت ہی کچھ اور ہو جائیگی۔ (یہ پہلی تبدیلی ہے جس میں کائنات کی چیزوں کے صرف اوصاف بدل جائیں گے۔ دوسری تبدیلی ذات ہے چنانچہ ایک صور پھونکے جانے کے بعد خود آسمان و زمین کو لپیٹ دیا جائے گا۔ نہ زمین زمین رہیگی اور نہ آسمان آسمان۔ بلکہ کچھ اور ہی آسمان و زمین ہونگے ؏ آں زمیں را آسمانے دیگر است

واذا الجحیم سعرت کی تفسیر وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ۔ اور جب دوزخ کو دہکایا جائے"۔ سابق میں معلوم ہو چکا ہے کہ قیامت کا دن' روز جزا ہے۔ اس دن ہر شخص کو اس کے کئے کی جزا ملیگی۔ اگر کوئی بد ہے تو اس کی جزا بھی بد ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ دوزخ بدکاروں کا مقام ہے۔ جہاں کافروں کو ابدالآباد اور خطاکاروں کو بقدر گناہ ٹھہرنا ہو گا۔ ایسوں کو جب سزا دینے کا وقت آئیگا تو

دوزخ کو تیز کردیا جائیگا تاکہ سزا کا مقصد بآسانی حاصل ہوسکے۔ گو دوزخ اسوقت بھی موجود اور سلگی ہوئی ہے لیکن سزا دہی کے موقع پر اس کو دہکایا جائے گا۔ جیسا کہ ریل یا موٹر کو رفتار میں لانا یا اس کی رفتار تیز تر کرنا ہوتا ہے تو اس کے انجن کو تیز کیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ سعرھا غضب اللہ تعالیٰ وخطایا بنی آدم "دوزخ کا دہکایا جانا' درحقیقت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے غضب کی تجلی ہے اور بنی آدم کی خطائیں اس کا سبب ہیں۔"

واذا الجنۃ ازلفت کی تفسیر | وَاِذَا الْجَنَّۃُ اُزْلِفَتْ۔ اور جبکہ جنت نزدیک کردی جائے۔" قریب لاکھڑی کی جائے۔ یہ مومنین متقین کے لئے ہوگا کہ جنت ان سے قریب تر کردی جائیگی۔ ایسا معلوم ہوگا کہ اب ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اس کے بعد جو قدم اٹھیگا وہ جنت ہی میں جا پڑیگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّھوات وحُفَّتِ الجَنّۃ بِالمکارہ۔ دوزخ خواہشات نفسانی سے گھری ہوئی ہے اور جنت' مشقتوں سے گھری ہوئی ہے۔" اس اعتبار سے جو کوئی نفسانی خواہشات کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے اس کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ دوزخ کی راہ اختیار کئے ہوئے ہے اور دوزخ سے قریب ہوتا جارہا ہے۔ بخلاف اس کے جو کوئی خداترس بندہ خواہش نفس کا خلاف کرتا اور خود کو محنت ومشقت کا عادی بناتا

جا رہا ہے درحقیقت وہ جنت کی راہ اختیار کئے ہوئے ہے اور جنت سے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ متقین جو طاعت الٰہی پر قائم ہیں ان کو کیسی ہی شوا ریاں پیش آئیں ان پر بہر قیمت غالب آتے اور طاعت کی راہ طے کئے جاتے ہیں کیوں کہ ان کو جنت نزدیک کر کے دکھائی گئی ہے۔ بہرحال جب یہ صورت حقیقی طور پر سامنے آ جائے اور قیامت میں ایسا ہوگا۔

علمت نفس ما احضرت کی تفسیر | عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ۔ تو جان لے گا ایک ایک متنفس کہ اس نے کیا حاضر لایا ہے " یعنی دنیا کی زندگی میں اس نے جو کچھ کیا ایا وہ عمل ایسا ہے جو آج کار آمد ہوگا۔ اور اس کے بہترین نتائج برآمد ہوں گے۔ ان کو سننے دیکھنے سے مسرت حاصل ہوگی۔ اس کامیاب زندگی پر مبارک باد دی جائے گی۔ اس کے ثمرات دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور بے ساختہ زبان پر کلمات حمد و شکر جاری ہوں گے:۔ الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء۔ اللہ سبحانہ کا لاکھ لاکھ شکر اور ساری خوبیاں اسی کے لائق اور سزاوار ہیں جس نے اپنا دیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا اور ہم کو ارض جنت کا وارث قرار دیا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانہ بنا سکتے ہیں "

حضرت عمرؓ کا تأثر حضرت اسلم بن عبداللہ کہتے ہیں :۔ قال عمرؓ لما بلغ علمت نفس ما احضرت قال لھذا اجری الحدیث۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سورۃ (اذا الشمس کوّرت) کی تلاوت کرتے ہوئے جب آیۂ کریمہ علمت نفس ما احضرت پر پہنچے تو فرمایا کہ سلسلۂ کلام اسی آیہ کریمہ کے لئے آغاز فرمایا گیا ہے "۔ یعنی سورۃ شریفہ کے آغاز میں بارہ ۱۲ شروط کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اُن میں سے چھ روز قیامت کے آنے سے پہلے نمودار ہونگی اور چھ بعد روز قیامت۔ جب یہ پوری بارہ شرطیں پائی جائینگی عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ۔ تو ایک ایک متنفس کو معلوم ہوجائے گا کہ اس نے اپنی زندگی بھر کا ثمرہ کیا لایا ہے۔ یہ بات تو اس قابل تھی کہ ہر وقت اس کو پیش نظر رکھا جاتا اور اسی نکتہ کے مدنظر ہر ہر کام انجام دیا جاتا۔ لیکن ہر ہر شخص سے یہ توقع کہاں کی جاسکتی ہے، لوگ تو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا۔ اس وقت لوگ سوئے ہوئے ہیں جب موت آئیگی تو بیدار ہوں گے"۔ مگر اس وقت کی بیداری کیا کام دیگی ؟ اسی طرح لوگ آج قیامت اور اس کے لوازم (حساب وکتاب سزا و جزا) سے غافل بلکہ اکثر منکر ہیں لیکن جب یہ بارہ صورتیں وقوع میں آجائینگی

جن کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہے تو اس وقت سب کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں جس مقصد کے لئے انھیں بھیجا گیا تھا اس میں کس حد تک کامیاب رہے ؟

حضرت ابن مسعودؓ کا تأثر | کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مجلس میں اس سورۃ شریفہ کو پڑھنا شروع کیا۔ اس کی تلاوت کرتا ہوا جب آیۂ کریمہ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ پر پہنچا تو حضرت ابن مسعود بے ساختہ بول اٹھے:۔ واانقطاع ظہریاہ۔ (روح المعانی) یہ آیۂ کریمہ کیا ہی کمر توڑنے والی ہے ؟

بہر حال جب اعمال لئے ہوئے اس طرح آخرت میں حاضر ہونا یقینی امر ہے تو انسان کو چاہئے کہ ابھی سے اپنے اعمال و احوال کا جائزہ لے۔ اور ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے فردائے قیامت' ندامت اٹھانی پڑے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ روزِ قیامت یوم الحسرت ہے۔ بدکار کو حسرت ہو گی کہ ایسا کام کیوں کیا اور نیکوکار کو بھی حسرت ہو گی کہ ایک ایک نیکی کی ایسی بہترین جزا مقرر ہے تو اس سے زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں کہ اس سے بھی بہتر ثمرہ ملتا۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا:۔

تو امروز فرصت غنیمت شمار   کہ فردا ندامت نیاید بکار

بکوش اے توانا کہ فرماں بری   کہ در ناتوانی بسے غم خوری

مَآ اَحْضَرَتْ کی تفسیر | مَآ اَحْضَرَتْ سے مراد یا تو اعمال نامے ہیں جو قیامت میں

ہر ہر شخص کو دئے جائیں گے کوئی نیک ہے تو اس کے داہنے ہاتھ میں اور اگر بد ہے تو
اس کے بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ پیچھے سے۔ اس طرح کہ بایاں ہاتھ سینہ میں سے پرو کر
پیچھے کی طرف نکالا جائے گا اور اس میں اعمال نامہ دیا جائیگا۔ یا یہ کہ جو اعمال دنیا میں
کئے تھے وہ اعمال خود حاضر کئے جائیں گے۔ خواہ وہ اعمال نیک ہوں یا بد۔ اگر اعمال
صالحہ ہوں تو ان کو اچھی شکل میں متشکل کر کے حاضر کیا جائے گا اور اگر اعمال بد ہوں تو
وہ بری شکل میں جو ہر ہر عمل کے مناسب حال ہو ظاہر کیا جائے گا۔ یہ اس اصول اور
قاعدے کے تحت ہے کہ دنیا میں جو چیزیں اعراض میں شامل تھیں آخرت میں وہ
جواہر کی صورت میں نمودار ہوں گی اور یہاں جو چیزیں جواہر کی شکل میں تھیں وہ
وہاں اعراض کی صورت میں ہونگی۔ کیونکہ آخرت کا عالم ہی جدا ہے جیسے عالم خواب
یا عالم مثال یا عالم برزخ وغیرہ کہ ان میں جو چیز دکھائی جاتی ہے اس کی شکل کچھ اور
ہوتی ہے۔ اور یہاں ان کی شکل کوئی اور ہی ہوتی ہے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ[1] ۙ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ[2] ۙ وَالَّيْلِ إِذَا 81-15 81-16 81-17

(۸۱ سورۃ ۱۵ تا ۲۱)

۱؎ خنس عنہ یخنُس و یخنِس خنسا وخنوسا رجع و تنحّیٰ و تأخّر
والقبض...... والخانس اسم فاعل ج خُنّس۔ والخُنّس الکواکب کلّھا

عَسۡعَسَ ۙ﴿ عٰلہ۳﴾ وَ الصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿ۙ﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ﴿ۙ﴾ 81-18
81-19

(بقیہ حاشیہ عله صفحہ گزشتہ)

او السیارۃ منها او النجوم الخمسۃ زحل والمشتری والمریخ والزہرۃ وعطارد وفی سورۃ التکویر فلا اقسم بالخُنَّس ۔ قال البیضاوی ای بالکواکب الرواجع من خنس اذا تاخر وھی ماسوی النیرین من السیارات (محیط المحیط)

خَنَسَ باب نصر اور ضرب سے آتا ہے خنس اور خُنُوس اس کا مصدر ہے ۔ اس کے معنی ہیں رجوع کیا، لوٹا، کنارے ہوا، پیچھے ہٹا، منقبض ہوا ۔ خانس اسم فاعل اور خُنَّس اس کی جمع ہے ۔ اس سے تمام ستارے مراد ہیں ۔ یا صرف سیارے یا پانچ سیارے (زحل، مشتری، مریخ، زہرہ وعطارد) مراد ہیں ۔ سورۃ تکویر میں فلا اقسم بالخُنَّس جو وارد ہوا ہے اس کی نسبت تفسیر بیضاوی میں ہے کہ خُنَّس سے پلٹنے والے سیارے مراد ہیں یہ معنی محاورۂ عرب خَنَسَ سے ماخوذ ہیں جبکہ کسی کے پیچھے ہٹ جانے کے موقع پر بولا جاتا ہے ۔ اور وہ چاند سورج کے سوا باقی سیارے ہیں ۔"

عله۲ الکنّس جمع کانس ای التی تغیب والجواری الکواکب السیّارۃ (مجمع البحار) وکنس الظبی یکنس دخل فی کناسہ کتکنّس وھو مستترہ فی الشجر لانہ یکنس الرمل حتی یصل ج کُنُس وکُنّس کرکع (قاموس) کُنّس جمع کانس کی ۔ یعنی چھپ جانیوالا اور جواری سے سیارے مراد ہیں ۔" کنس الظبی محاورہ ہے جب ہرن اپنے جھرمٹ میں گھس جاتا ہے تو

ذِی قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ؕ 81-20 81-21

پس قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے والوں کی' سیدھا چلنے والوں کی' چھپ جانے

والوں کی' اور رات کی جب پھیلے' اور صبح کی جب سانس لے' بے شک یہ پیام ہے

اس پیغامبر کے زبانی جو عزت والا' زور والا' عرش کے مالک کے پاس درجہ والا

ہے' وہاں اس کو مانا جاتا ہے' بڑا ہی امانت دار ہے"

الخنس اور الکنس کی تفسیر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آیہ کریمہ فلا اقسم

بالخنس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ خمسۃ انجم زحل و عطارد والمشتری وبھرام

(بقیہ حاشیہ علے صفحہ گزشتہ)

کہا جاتا ہے ایسی صورت میں تکنّس بھی کہتے ہیں جبکہ وہ جھاڑوں میں چھپ جائے۔ اصل میں کنس

جھاڑو دیکر کچرا کوڑا دور کرنے کو کہتے ہیں۔ ہرن بھی جب اپنے جھوپ میں جا بیٹھتا ہے تو تحت کی

زمین کو جھاڑو ہو جاتی ہے"

عـ۳ قوله والليل اذا عسعس اى اقبل وادبر وذلك فى مبدأ الليل ومنتهاه فا العسعة

والعساس رقة الظلام وذلك فى طرفى الليل۔ (مفردات) عسعس کے معنی متوجہ ہونے

اور پیٹھ پھیرنے دونوں کے آتے ہیں۔ ایسی صورت رات کے ابتدائی اور انتہائی حصوں میں درپیش ہوتی ہے

عسعسۃ اور عساس کے اصلی معنی خفیف سی تاریکی کے ہیں اور یہ رات کے دونوں کناروں ہی میں ہوا کرتی ہے"

والزهرة ليس فى الكواكب شيئ يقطع المجرة غيرها (ابن ابی حاتم)
پیچھے ہٹ جانے والے جن کی قسم کھائی جا رہی اور جن کو بطور گواہ پیش کیا جا رہا ہے وہ پانچ ستارے ہیں۔ زحل، عطارد، مشتری، بہرام اور زہرہ۔ تمام ستاروں میں ان پانچ کے سوا اور کوئی تارا نہیں جو آسمان کے دروازے کو طے کرے۔" نیز آپ نے الجوار الکنس کی تفسیر میں فرمایا:۔ هى الكواكب تكنس بالليل وتخنس بالنهار فلا ترى۔ (سعید بن منصور، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ) یہ بھی ستارے ہیں جو رات کو چھپ جاتے اور دن کو پیچھے ہٹ جاتے ہیں دکھائی نہیں دیتے۔" حضرت ابن عباسؓ سے اس طرح مروی ہے:۔ قوله فلا اقسم بالخنس الجوارى الكنس قال هى النجوم السبعة زحل وبهرام وعطارد والمشترى والزهرة والشمس والقمر خنوسها رجوعها وكنوسها تغيبها بالنهار۔ (ابن مردویہ، خطیب بغدادی)
ارشاد باری تعالیٰ میں خُنَّس اور کُنَّس سے سات سیارے مراد ہیں۔ زحل، بہرام، عطارد، مشتری، زہرہ، شمس، قمر۔ ان کے خنوس سے مراد ان ستاروں کا پلٹنا ہے اور کنوس سے مراد ان کا دن کو غائب ہو جانا ہے۔" بہرام سے مریخ مراد ہے۔

سیاروں کی رفتار | یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سیاروں کی رفتار مختلف قسم کی ہے جب انکی رفتار مغرب سے مشرق کی طرف رہتی ہے۔ یہ ان کی سیدھی راہ ہوئی۔ اور کبھی یہ سیارے آفتاب کے نزدیک آجاتے ہیں تو یہ بالکل گم ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ فنا ہو جاتے ہیں بلکہ سورج کی تیز روشنی کی وجہ سے ان کی روشنی ایسی ماند پڑ جاتی ہے کہ کئی دنوں تک دکھائی ہی نہیں دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالکل غائب ہو گئے ہیں۔ یہ ان کا چھپ جانا اور غائب ہو جانا ہوا۔ اسی طرح جب رات آنے لگتی ہے تو تاریکی آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوتی ہے اور تاریکی جیسی جیسی پھیلنا شروع ہوئی۔ ستارے نظر آنے لگے پھر جب تاریکی خوب چھا گئی تو آسمان ستاروں کی کثرت سے جگمگانے لگا۔ پھر شدہ شدہ جب رات ختم ہونے لگتی ہے تو دوبارہ ستاروں کی وہ کیفیت جو آغاز شب میں تھی عود کر آتی ہے اور صبح کی روشنی جیسی جیسی پھیلنا شروع ہوئی ستارے غائب ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مہر مبیں طلوع ہوا تو پھر کوئی ستارہ نظر نہ آیا صرف اسی نیر اعظم کی حکومت تمام عالم پر چھائی ہوئی رہی۔ ایسی کیفیت روزمرہ کا مشاہدہ ہے اس دائمی بدیہی اور واضح احوال کو گواہ گردان کر جس کا انکار نہیں ہو سکتا قرآن کریم کی حقیقت اور حقیقت کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ ایسے دلچسپ پیرایہ میں کہ اکی نظر نہیں ملکتی

بنی آدم کے مختلف ادوار | ستاروں کے اس بیان کے ضمن میں یہ اشارہ مقصود ہے کہ

آفرینش عالم سے لے کر اب تک مختلف ادوار آتے رہے ہیں۔ بنی آدم میں دینی اعتبار سے تاریکی پھیلتی رہی تو اللہ سبحانہ نے اپنے لطف وکرم سے ان ہی میں سے ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا کیں جو آسمان ہدایت کے نجوم، کواکب، سیارات، ثوابت وغیرہ ثابت ہوئے۔ ہر قوم میں ہادی یا نذیر، نبی یا رسول میں سے کوئی مبعوث ہوتے رہے۔ بلکہ ایک ایک وقت میں کئی کئی حضرات تشریف لا کر سیدھی راہ چلتے رہے اور تاریک دنیا کو اپنے اپنے نور سے روشن اور منور کرتے رہے۔ ایک نے پردہ فرمایا تو دوسرے جلوہ گر ہوئے اور یہی سلسلہ حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام تک جاری رہا۔ پھر رات کی تاریکی انتہا کو پہنچی اور ادھر جہالت کا ابر اس زور سے اٹھا کہ تمام نجوم، کواکب، سیارات و ثوابت نظروں سے اوجھل ہو گئے اور ان کی روشنی غائب ہو گئی۔ بمصداق ظلمات بعضها فوق بعض۔ جاہلیت کا ایسا دور دورہ رہا کہ خدا کی پناہ۔ تاریکی پر تاریکی۔ اور ایک سے ایک بڑھی ہوئی تاریکی کہ انسانیت بھی اس پر شرما رہی تھی۔ جب یہ حالات بھی اپنی انتہا کو پہنچے تو خدائے رحمٰن ورحیم کو منظور ہوا کہ ہمیشہ کے لئے بستی دنیا کی ہدایت کا ایک مستقل اور پائدار نظم قائم کیا جائے کہ دنیا میں کیسے ہی انقلابات آئیں مگر اللہ سبحانہ کا قائم کیا ہوا نظم اپنی جگہ مستحکم رہے۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ جاہلیت کی شب دیجور کٹی ' اور رشد و ہدایت کی صبح صادق نمودار ہوئی ۔ تمام انجم ' کواکب ' سیارے اور ثوابت رخصت ہوئے ۔ ان میں جو کوئی زیادہ روشن اور درخشاں تھے صبح صادق کے اجالے میں ان کی روشنی بھی مدہم پڑ گئی ۔ یہاں تک جب آفتاب رسالت اپنی شان کے ساتھ طلوع ہوا تو وہ روشن اور درخشاں ستارے بھی چھپ گئے ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ وصلوات اللہ سلامہ علیہم اجمعین ۔ جیسا کہ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :-

فانہ شمس فضل ھم کواکبھا یظہرن انوارھا باللیل فی الظلم

حتیٰ اذا اطلعت فی الکون عم ھداھا للعلمین واحیت سائر الامم

حضور رحمۃ للعلمین آفتاب فضیلت ہیں اور تمام انبیاء و رسل کواکب ہیں جن کے انوار صرف تاریک رات ہی میں ظاہر ہوتے ہیں ۔ تا آنکہ جب نیر اعظم عالم کون میں طلوع ہوا تو اس کی ہدایت تمام عوالم میں عام طور پر پھیل گئی اور ایسی پھیلی کہ (انبیائے سابقین کی) تمام امتوں میں بھی جان پڑ گئی اور سب کی سب زندہ ہو گئیں "

دوسری تفسیر یہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سیاروں کے سیدھا چلنے ' لوٹنے اور چھپ جانے سے فرشتوں کی آمد و رفت مراد لی جائے اور رات کے گزرنے سے جاہلیت کا ختم ہونا اور صبح صادق کے طلوع ہونے سے نزول قرآن کریم کی طرف اشارہ سمجھا جائے

جیسا کہ بعض مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے تو اس صورت میں مقسم علیہ کے ساتھ مقسم بہ کی مناسبت اور بھی زیادہ واضح ہو گی۔ مطلب یہ ہو گا کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو سیاروں کی طرح سیدھے چلتے، واپس ہوتے، صبح صادق کی طرح نمودار ہوتے پھر تاریک رات کی طرح غائب ہوتے ہیں۔ یہ تمام فرشتے اس امر کے گواہ ہیں کہ یہ قرآن کریم پیام ہے اس پیامبر کی زبانی جو ان صفات سے موصوف ہے۔ ظاہر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے وحی لانے پر دوسرے فرشتوں کی گواہی ایک مسلمہ اور ناقابل انکار حقیقت ہے واللہ اعلم۔

اس کے بعد قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کے سلسلے میں اس کے اتار لانے والے فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے یہ چند صفات گنائے جا رہے ہیں تاکہ اس کلام ربانی کی اہمیت ذہن نشین ہو جائے۔ ارشاد ہے:۔

قوت جبرئیلؑ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔ بے شک یہ قرآن عظیم پیام ہے اس پیامبر کی زبانی جو عزت والا ہے، زور والا ہے عرش بریں کے مالک کے پاس درجے والا ہے۔ وہاں اس کو مانا جاتا ہے بڑا ہی امانت دار ہے "اِنَّهٗ لقول رسول کریم کی تفسیر قبل ازیں کئی دفعہ گزر چکی ہے۔ حضرت جبرئیلؑ کی قوت اور امانت کا اندازہ روایت ذیل سے ہو گا:۔ حضرت معاویہ بن قرہؓ کہتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لجابریل ما احسن ما اثنی علیک ربک ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین۔ فما کانت قوتک وما کانت امانتک؟ قال اما قوتی فانی بعثت الی مدائن لوط وھی اربع مدائن وفی کل مدینۃ اربعمائۃ الف مقاتل سوی الذراری فحملتھم من الارض السفلی حتی سمع اھل السماء اصوات الدجاج ونباح الکلاب ثم ھدیت بھم فقلبتھم۔ حضرت سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا کہ آپ کے پروردگار نے (قرآن کریم میں) آپ کی کیا ہی بہتر تعریف فرمائی ہے کہ زور آور ہے، مالک عرش کے پاس درجہ رکھتا ہے۔ مانا ہوا ہے بڑا ہی امانت دار ہے۔" آپ کی قوت کتنی اور آپ کی امانت داری کیسی ہے؟ اس پر جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری قوت کا اندازہ اس سے فرمالیجئے کہ مجھے مدائن لوط کی بربادی کے لئے بھیجا گیا۔ یہ چار شہر تھے جن میں سے ایک ایک شہر میں چار چار لاکھ صرف جنگجو فوج تھی ان کی اولاد اور متعلقین رہے ایک طرف۔ میں نے ان کی سرزمین کو سب سے نیچے کے طبقے سے (اپنے پروں پر) اٹھالیا۔ اتنا کہ اس کو آسمان تک لے گیا تاآنکہ آسمان والے ان بستیوں کے مرغوں کی بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سن رہے تھے۔ پھر ان کو الٹا کر نیچے دے مارا اور (چشم زدن میں) سب کو تہس نہس کر دیا۔"

جبرئیلؑ کی امانت داری واما امانتی فلم اومر بشیئ فعدوته الی غیره۔
(ابن عساکر) رہی میری امانت داری اس کا یہ حال ہے کہ کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ
مجھے کسی چیز کا حکم دیا گیا ہو اور میں نے اس سے (ذرہ برابر بھی) تجاوز کیا ہو۔ یعنی
کبھی حکم کی تعمیل میں نہ کسی قسم کی کوتاہی کی اور نہ کسی طرح کی زیادتی عمل میں لائی جتنا
حکم ہوا ٹھیک ٹھیک اتنا ہی کیا۔ حضرت ابو صالح فرماتے ہیں: ـــ امین علی
سبعین حجابا یدخلها بغیر اذن۔ (ابن المنذر، ابو الشیخ) (جبرئیل امین کی امانت داری
اس درجہ مسلمہ ہے کہ) ستر پردوں میں بھی وہ بلا حصول اجازت داخل ہو سکتے ہیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ غالباً یہ ستر حجابات وہی ہیں جن کا بیان حضرت
ابن عباسؓ کی اس روایت میں ہے: ـ للّٰہ دون العرش سبعون حجابا
لو دنونا من احدها لاحرقتنا سبحات وجه ربنا۔ عرش اعظم سے
ورے اللہ سبحانہ کے ستر حجابات ہیں۔ اگر ہم ان میں سے کسی ایک سے بھی قریب
ہوں تو ذات الٰہی کی تجلیات ہم کو جلا کر خاکستر کر دیں۔" اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ
کی روایت میں حجاب کی تشریح اس طرح فرمائی گئی ہے: ـــ حجابه النور لو کشفه
لاحرقت سبحات وجهه ما انتهی الیه بصره من خلقه۔ (مسلم شریف)
اس کا پردہ نور کا ہے اگر اس کو اٹھا دے تو جہاں تک اس کی نظر کام کرتی ہے تجلیات ذات

اس کی ساری مخلوقات کو جلا کر خاکستر کر دیں" اور ظاہر ہے کہ اس کی نظر کی کوئی حد نہیں تو نتیجہ یہ نکلا کہ ساری مخلوقات دم بھر میں جل کر بھسم ہو جائیں۔ اللہ اکبر۔ بہرحال حضرت جبرئیل امین کی امانت داری کا یہ عالم ہے کہ ان کو ستر حجابات میں داخل ہونے کا اذن عام حاصل ہے۔ اذن جدید کی حاجت نہیں رہی۔

مطاع ثم امین کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی آیہ کریمہ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لجبریل لیلۃ الاسراء اکشف عن النار فکشف عنہا فنظر الیہا فذلک قولہ مطاع ثم امین علی الوحی۔ (ابن المنذر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب اسراء میں جبرئیل علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ حجاب دوزخ کو ہٹا دو۔ اسکی انھوں نے تعمیل کی حضور نے دوزخ کو ملاحظہ فرمایا (یعنی جو موانع حائل تھے سرکے سب چشم زدن میں دور کرا دیئے گئے) اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر آسمان کے جس دروازے پر پہنچے ہر ایک دروازہ کو کھلواتے گئے۔ تا آنکہ تمام دروازے جبرئیل علیہ السلام کے حکم پر کھلتے گئے۔ اس سے حضرت جبرئیل کے اقتدار کا اندازہ ہو سکتا ہے جو ان کو عالم ملکوت میں حاصل ہے نیز وہ وہاں مسلمہ طور پر امین کہلاتے ہیں لہذا) وحی الہی کے پہنچانے میں بھی وہ امین ٹھہرے"

ایسے ستودہ صفات رکھنے والی بزرگ ہستی کے پہنچائے ہوئے پیام کے منجانب اللہ ہونے میں

کیا کلام ہو سکتا ہے؟ یہاں تک تو جبرئیل امین اور ان کی پیام رسانی کا بیان تھا۔ اب یہ پیام جہاں آرہا ہے اس مبارک و برگزیدہ ہستی کا بھی مختصر احوال سن لیجئے۔ ارشاد ہو رہا ہے:۔

اُصول روایت علم روایت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی روایت کی صحت، راوی کے صفات کے اعتبار سے ہے۔ صفات یہ ہیں کہ راوی عادل، ضابط و حافظ، ثقہ اور امانت دار ہو۔ پھر جس میں یہ صفات جس درجہ اعلیٰ و اکمل ہوں اس کی روایت بھی ایسی ہی اعلیٰ و اکمل اور قابل قبول ہو گی۔ قرآن کریم جو اللہ سبحانہ کا کلام اور اس کے بندوں تک اس کا پیام ہے۔ وہ دو راویوں کے توسط سے بندوں تک پہنچا ہے۔ ایک راوی عالم ملکوت سے تعلق رکھتے ہیں یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ دوسرے وہ ذات قدسی صفات جن کا تعلق عالم ناسوت سے ہے یعنی رسول مقبول حضور اکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ان آیات بینات میں حضرت جبرئیلؑ کے صفات بیان فرمائے گئے ہیں کہ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یقیناً یہ پیام ایک پیامبر کی زبانی آیا ہے جو صفت کرم کے ساتھ موصوف ہیں۔ حدیث شریف ہے:۔ الکرم التقویٰ۔ تقویٰ ہی کرم ہے" اور ارشاد باری ہے:۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ تم میں جو زیادہ متقی ہے وہی سب سے زیادہ اہل کرم (با عزت) ہے" اس سے حضرت جبرئیلؑ کا عادل ہونا ثابت ہوا اس کے بعد ارشاد ہوا:۔ ذِیْ قُوَّةٍ۔ بڑی قوت والے"

وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝ 81-2…

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

قوت جبرئیل کی تشریح اوپر گزر چکی۔ اسی کے ضمن میں قوت ضبط و حفظ بھی ثابت ہوئی، نیز یہ بھی فرمایا گیا عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ۔ مالک عرش کے ہاں ان کی بڑی منزلت ہے۔" یہ منزلت اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں ہوئی۔ پھر فرمایا گیا:۔ مُطَاعٍ۔ ان کی بات بے چون و چرا مانی جاتی ہے۔" یہ مقبولیت ان کے ہم چشموں گروہ ملائکہ کرام میں ہوئی۔ اس تقریر سے پوری طرح ثابت ہوگیا کہ حامل وحی الٰہی، حضرت جبرئیل علیہ السلام جو پیام خداوندی کے راوی ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے عادل، ضابط، حافظ اور ثقہ ہیں۔ جو پیام ان کے متقی، ذی وجاہت ہونے کی بنا پر ان کو سنایا جاتا ہے وہ اسکو پوری طرح اپنے دل میں جگہ دیتے اور خوب یاد رکھتے ہیں۔ اس کا کوئی گوشہ یا شوشہ ان سے فراموش ہونے نہیں پاتا۔ پھر آخر پر ارشاد ہو رہا ہے:۔ أَمِينٍ۔ یعنی جب اس پیام کو پہنچانے کا وقت آتا ہے تو بغیر کسی قسم کی زیادتی و کمی کے پورا پورا پہنچا دیتے ہیں جیسا کہ امانت داری کا اقتضا ہے۔ ایسا مکرم، ضابط، حافظ، ثقہ، عادل اور امین پیمبر جب کوئی پیام پہنچائے جو پیام دینے والے کی بارگاہ میں باعزت، اور اپنے مقدس گروہ میں عام طور پر پسندیدہ و مقبول ہو تو اس کے ایسے پیام میں کسی ریب و تردد اور شک و شبہ کی گنجائش کہاں۔ ان ہی آیات کریمہ سے محدثین کرام نے احادیث شریفہ کی روایت کو تسلیم کرنے کے شروط و قواعد استنباط فرمائے اور علم حدیث کی بنیاد ایسے اعلیٰ اصول پر رکھی

81-24 وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ۝
81-25 فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ۝ اور تمھارے صاحب کچھ دیوانہ نہیں ہیں۔ اور بہ تحقیق
81-26 انھوں نے اس (فرشتے جبرئیل) کو دیکھا ہے آسمان کے روشن کنارے پر۔ اور یہ (نبی)
غیب بتانے میں بخیل نہیں اور نہ وہ مردود شیطان کا کلام ہے۔ پھر تم کہاں جاتے ہو؟

صاحبکم کی تفسیر سرتاج ملائکہ جو پیام الٰہی کے پہلے راوی ہیں ان کے صفات تو معلوم ہو چکے۔ اب رسول الثقلین حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات عالیہ بھی سن لیجئے کہ مذکورۂ بالا تمام صفات آپ کی ذات اقدس میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس کا بیان اتنی تفصیل کے ساتھ کرنے کی ضرورت نہیں رہی صرف ایک کلمہ صَاحِبُكُمْ ان تمام صفات کا جامع کلمہ ہے۔ چونکہ جبرئیل کو تم نے دیکھا نہیں اس لئے ان کے صفات تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت تھی۔ باقی اسی پیام کے دوسرے راوی تمھارے صاحب ہیں جو تم میں پیدا ہوئے ولادت باسعادت کے وقت سے لیکر چہل سالہ عمر شریف ہونے تک وہ تمھارے ساتھ ہی رہتے آئے ہیں۔ حیات طیبہ کے ہر دور میں تم ان کو دیکھتے، آزماتے، تجربہ کرتے رہے ہو۔ اس طویل وعریض مدت میں تم کو عمیق مطالعہ کا خوب موقع ملا ہے۔ خود غور کرلو کہ مذکورہ صفات کس درجہ آپ میں ودیعت ہیں۔ زبردستی تم نے ازراہ شرارت ان کو مجنون کہنا شروع کردیا ہے۔

کیا درحقیقت آپ کی جناب میں ایسا کلمہ کہا جا سکتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ تمہارے صاحب دیوانہ نہیں بلکہ ایسا کہنا خود دیوانہ پن ہے۔ آپ کو عقل کامل اور فہم و فراست سے ایسا بہرہ وافر اور حظ کامل عطا ہوا ہے کہ اگر روئے زمین کے عقلاء کی عقل و فہم کو میزان عدل کے ایک پلہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل و فہم کو دوسرے پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو آپ کی عقل و فہم کے مقابلہ میں تمام عقول و افہام کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے۔ ایمان سے کہو تم خود کہتے آئے ہو؛۔ انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتم الخلق عقلاً وارجحھم قیلاً واکملھم وصفاً واصفاھم ذھناً۔ آپ کی ذات ستودہ صفات تمام مخلوقات کے مقابلہ میں عقل کے اعتبار سے تمام تر اور کلام کے اعتبار سے راجح تر، اور اوصاف کے اعتبار سے کامل تر اور ذہن کے اعتبار سے اصفا و اعلیٰ ہے۔" پھر کس منہ سے آپ کی طرف جنون اور دیوانگی کی نسبت کرتے ہو۔

رویت و لقاء مروی عنہ اب رہ جاتی ہے ایک شرط کہ راوی ثانی نے راوی اول کو دیکھا ہو اور اس سے ملاقات کی ہو۔ جبھی تو یہ ان کی بات سن کر دوسروں سے بیان کر سکتے ہیں۔ رویت اور لقاء راوی بھی صحت روایت کی ایک شرط ہے۔ اسکو بھی بیان فرما دیا گیا؛۔ ولقد راٰہ بالافق المبین۔ بے شک وشبہ آپ نے

جبرئیل کو روشن کنارے پر ملاحظہ فرمایا۔ یہ رویت تو جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر دیکھنے کی تھی۔ لہٗ ستمائۃ جناح قد سدّ الافق۔ آپ کے چھ سو بازو تھے آپ کے وجود سے سارا افق بھر گیا تھا۔" پھر معراج میں بھی ان کو اصلی صورت میں دیکھا۔ اس کے علاوہ دحیہ کلبیؓ کی صورت میں اکثر حاضر دربار رسالت ہوئے اور حضور انور سے شرف ملاقات حاصل کرتے اور اللہ سبحانہ کے پیامات پہنچاتے رہے جب صحت روایت کے تمام شروط بدرجہ اتم و اکمل پائے گئے تو قبول و تسلیم میں کوئی کلام نہ رہا۔ اسی لیے آگے ارشاد ہو رہا ہے :—

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ کی تفسیر

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ۔ اور وہ یعنی تمہارے صاحب غیب کے بتانے میں کسی طرح کا بخل نہیں فرماتے ہیں۔" مطلب یہ کہ آپ کے فرمودات جب ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر اور آپ کی ہر بات بے چون و چرا قابل قبول و تسلیم ٹھہری تو تمہارا فرض ہے کہ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضری دیا کرو۔ اور اللہ سبحانہ کے پیامات جو آپ کے پاس آتے رہتے ہیں ان کو سیکھتے رہو پیامات کیا ہیں۔ عالم غیب کی باتیں ہیں۔ جہاں عقل انسانی کی رسائی نہیں ہو سکتی عالم شہادت کی انتہا' عالم غیب کی ابتدا ہے۔ یہی حال عقل انسانی کا ہے کہ عالم شہادت اس کی آخری حد ہے۔ اور رسولوں کی باتیں اس سے ماوراء کی ہوتی ہیں لہٰذا آپ سے

اللہ سبحانہ کے پیامات واحکامات دریافت کرتے رہو۔ ان کے بتانے میں آپ کسی نوع کی کوتاہی نہیں فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ پیامات تم کو سنانے کے لئے ہی آئے ہیں پھر اس میں آپ بخل کیوں فرمانے لگے؟

وماھو بقول شیطان کی تفسیر | وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ۔ اور نہ وہ مردود شیطان کا کلام ہے پھر تم کہاں جاتے ہو۔" بخلاف اس کے تم لوگ کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جاتے ہو۔ ان کے پاس کوئی پیام اللہ سبحانہ کا نہیں آتا۔ وہ اپنی من گھڑت باتیں بیان کردیتے ہیں اور تم ان کو مان لیتے ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر کبھی کسی جن یا شیطان نے فرشتوں کی کوئی اک آدبات چوری چھپے سے سن پائی تو اس کو کاہنوں تک پہنچادیا۔ چونکہ یہ ناتمام بات ہوتی ہے اس لئے وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ تک بندی کرلیتے، قافیہ پیمائی کرتے اور بات کا بتنگڑ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور اس کو بھی وہ اس وقت تک نہیں بتاتے جب تک کہ تمہاری طرف سے کچھ پیشکش، (میوہ مٹھائی یا نقد وجنس وغیرہ) نہ ملے۔ اور ایسا معاملہ محض ان کی حرص وآز، بخل اور کمینگی کی بنا پر ہوتا ہے۔ اللہ کے پیغمبروں کا تم سے کوئی مطالبہ نہیں۔ وہ صاف صاف فرماتے ہیں:۔ لآ اسئلکم علیہ اجرا۔ میں اس تعلیم وتلقین، تبلیغ اور پیام رسانی کا کوئی صلہ یا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا۔" ان اجری الا علی اللہ۔

ہمارا معاملہ تو صرف اللہ سبحانہ کی ذات سے ہے" غور کرو کہ کہاں ان جھوٹے کاہنوں کی تراشی ہوئی باتیں۔ اور کہاں اللہ کے سچے پیغمبروں کی تبلیغ رسالت۔ کیا ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے؟ پھر تم کو ہمارے پیام و کلام کو سننے اور ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں تامل و تردد کیوں ہے؟ سوچو سمجھو اور خوب سمجھو۔ یہ بیان رسولِ ملائکہ اور رسولِ بشر کی پیام رسانی کا ہوا۔ آئندہ خود اس پیام و کلام کی حقیقت پر روشنی ڈالی جا رہی ہے ارشاد ہے:۔

-27 اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۙ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝
-28
-29 وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ع یہ تو محض نصیحت ہے

تمام جہاں کے لئے، اس شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہتا ہے، اور تم چاہ نہیں سکتے بغیر چاہنے اللہ کے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے"

ذکرٌ للعٰلمین کی تفسیر

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ کے ذریعہ یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اے کفار قریش! اگر تم کو قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اس کو شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ یا اس کی کوئی سورت، رکوع یا آیت پڑھ لو تو صاف طور پر تم کو معلوم ہو جائیگا کہ اس میں جو کچھ ہے اللہ سبحانہ کی یاددہانی اور نصیحت ہے اس میں دارین کی بھلائی اور نجات کی صورتیں بتائی گئی ہیں۔ سارے جہاں کے لوگ

خواہ وہ کسی جگہ رہتے ہوں اور کسی بھی زمانے سے ان کا تعلق ہو وہ اس کو پڑھ کر اور اس کی بتائی ہوئی باتوں پر قائم رہ کر اپنی دنیا بھی سدھار سکتے ہیں اور آخرت کی کامیابی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ کسی قوم، نسل، رنگ روپ، زمان و مکان کی تخصیص نہیں۔ ہر قوم، ہر نسل، ہر رنگ روپ والا، ہر زمانے کا اور ہر جگہ کا رہنے والا اس یاددہانی اور نصیحت سے فائدہ اٹھا سکتا اور حیات دنیوی اور حیات اخروی کی کامیابی کا سامان فراہم کر سکتا ہے۔

یستقیم کی تفسیر لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ کے ذریعہ یہ بتلانا منظور ہے کہ قرآن کریم جہاں بھر کے لئے نصیحت تو ہے لیکن اس نصیحت سے حقیقی طور پر نصیحت پذیر وہی ہوگا جو قرآن کریم کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلنا بھی چاہے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے جو صراط مستقیم پر چلنا ہی نہیں چاہتا تو اس کتاب عزیز سے اس کو کیا فائدہ پہنچ سکیگا؟ اس کی مثال ایک مجرب دوائی سی ہے جو کسی مرض کو دفع کرنے کیلئے بنائی گئی ہو۔ یہ اسی وقت کسی مریض کے لئے مفید ثابت ہوگی جبکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی صحت کو دوبارہ حاصل کرنے کا آرزومند ہو، پھر وہ کسی طبیب سے رجوع ہوا اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس کا استعمال کرتا ہوا اور اس کی ہدایات پر عمل کر رہا ہو۔ فرض کیجئے کہ کوئی مریض ایسا ہے کہ وہ اپنی صحت چاہتا ہی نہیں یا اپنے زعم میں

خود کو مریض ہی تصور نہیں کرتا اور بزعم خود اپنے کو صحت مند کہتا ہے تو طبیب، دوا اور پرہیز سے اس کو کیا تعلق ہوگا اور جب یہ سب کچھ نہیں تو اسکی صحت کی امید کیسے کیجا سکتی ہے؟ یا ایک بدشوق لڑکا جس کو طلب علم سے کوئی واسطہ نہیں وہ نہ کسی مدرسہ کو جاتا اور نہ کسی استاذ کے آگے زانوے ادب تہ کرتا، نہ کتاب کھولتا، نہ پڑھتا تو اس کی کامیابی امتحان کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم سارے جہاں کے لئے نصیحت ہے بشرطیکہ اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہو۔ اور اس کے ہدایات پر عمل پیرا رہو۔

مشیت الٰہی کے بغیر کچھ نہیں وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اور تم چاہ نہیں سکتے بغیر چاہنے اللہ کے جو تمام جہاں کا پروردگار ہے" حضرت سلیمان بن موسیٰؒ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت لمن شآء منکم ان یستقیم قال ابوجہل الامر الینا ان شئنا استقمنا وان شئنا لم نستقم فانزل اللہ وما تشآؤن الآ ان یشآء اللہ رب العٰلمین۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) جب آیہ کریمہ لمن شاء منکم ان یستقیم نازل ہوئی تو ابوجہل نے کہا سارا معاملہ ہمارے ہاتھ ہے ہم اگر چاہیں تو راہ راست پر قائم رہیں اور اگر چاہیں تو قائم نہ رہیں۔

(بوجہل کا مطلب اس سے یہ تھا کہ سب کچھ ہمارے ہاتھ ہے تو پھر ہم کو قرآن کریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے لئے کیوں کہا جاتا ہے؟ تو اس نوبت پر اللہ سبحانہ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی کہ تمہارا چاہنا شرط ضرور ہے مگر واقعۃً تم چاہ ہی نہیں سکتے تاآنکہ پروردگار عالم نہ چاہے (تاثیر مشیت الٰہی پر موقوف ہے بعض لوگوں کے لئے متعلق ہوتی ہے اور بعض کے لئے ان کے سوء استعداد کی بنا پر متعلق نہیں ہوتی)"۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور قاسم بن مخیمرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

حدیث فطرت معروف حدیث شریف ہے:۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ وابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ۔ ہر بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی، مجوسی بناتے ہیں"۔ یا خود انسان بری صحبت، یا اپنی کج روی کے باعث، قانون فطرت کی خلاف ورزی کرکے طریقہ استقامت سے دور جا پڑتا اور اپنی فطری استعداد و صلاحیت کو کھو دیتا ہے اور اس کا دل گناہوں کی شامت سے سیاہ ہوجاتا ہے ایسا کہ اس پر زنگ چڑھ گیا ہے۔ نور ہدایت کے قبول کرنے کی تمام راہیں بند ہوجاتی ہیں۔ جب استعداد اور صلاحیت ہی کھوئی گئی تو اس کی ہدایت کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ

بعض کفار مکہ ابوجہل وغیرہ کا حال تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کا مرض ترقی کرکرکے لاعلاج حد تک پہنچ گیا ہو۔ اب نہ کوئی دوا اس کے لئے مفید ہو سکتی ہے اور نہ کوئی طبیب اس کے شفایاب ہونے کی کوئی تدبیر کر سکتا ہے۔ اس نوبت پر بآسانی یہ سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ مشیت الٰہی بھی یہی تھی۔ چونکہ انسان کا علم محدود ہے اس لئے وہ اس آخری نوبت پر مشیت الٰہی کو سمجھتا ہے اور اللہ سبحانہٗ کی صفتِ علم ازلی ابدی ہے اور اس کی کوئی حد و انتہا نہیں تو ماننا پڑیگا کہ مشیتِ انسانی بھی مشیت الٰہی کی تابع ہے جس طرح انسان کے سارے صفات اس کے تابع ہیں۔ محض مشیت انسانی کچھ نہیں تاآنکہ مشیت الٰہی اس کی مؤید نہ ہو۔

ہر امر میں مشیت کارفرما ہے

حضرت ابوبکر واسطی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:—

اعجزك فی جمیع صفاتك فلا تشاء الا فی مشیئته ولا تعمل الا بقدرته ولا تطیع الا بفضله ولا تعصی الا بخذلانه فماذا یبقی لك وبماذا تفتخر باعمالك ولیس منها شیئ الیك الا بتوفیقه' اللہ سبحانہ نے تجھے تیرے تمام صفات میں عاجز کر رکھا ہے' چنانچہ تو کسی چیز کو چاہ نہیں سکتا بجز اس کے کہ اس میں اس کی بھی مشیت ہو' اور تو کوئی کام نہیں کر سکتا مگر یہ کہ اس نے کام کرنے کی قوت عطا فرمائی ہو' تیری ساری طاعت

اس کے فضل کی بدولت ہے اور تیری نافرمانی اس کے خذلان اور رسوائی سے ہے۔
پھر اے انسان! تیرا کیا رہا، اور اپنے اعمال پر تیرا فخر کرنا کیسا؟ درحالیکہ اس کی توفیق کے سوا کوئی چیز تیرے حیطۂ اختیار میں نہیں۔"

مشیت کا انکار کفر ہے حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں:— قرأت اثنین وتسعین کتابا کلها انزلت من السماء وجدت فی کلها ان من اضاف الی نفسه شیئا من المشیئة فقد کفر۔ (ابن سعد، بیہقی) میں نے بیانوے کتابیں پڑھیں جو سب کی سب آسمان سے نازل ہوئی تھیں۔ ان تمام کتابوں میں میں نے یہ لکھا ہوا پایا کہ جس نے امر مشیت سے کچھ بھی اپنی طرف منسوب کیا تو یقیناً وہ کفر کا مرتکب ہوا۔" (اعاذنا اللہ منہ) مطلب یہ کہ حقیقت میں مشیت الٰہی ہی ہر امر میں ازلاً ابداً کارفرما ہے۔ اللہ سبحانہ کی مشیت کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا مشیت کا انکار کفر ہے انکار کی صورت میں اللہ سبحانہ کا عجز لازم آئیگا۔ کیونکہ جس کام کو اللہ سبحانہ نے نہ چاہا اور وہ کام انجام پاجائے یہ امر محال ہے۔ رہا معاملہ مشیت و فیضان احدیت کا ہر ایک کی استعداد و صلاحیت کے لحاظ سے جاری ہوتا ہے۔ میرے استاذ محترم حضرت حسرت مدظلہ فرماتے ہیں ؎

تونے وہ دیا جو میں نے مانگا تھا تیرا کمال فی سوالی

ہر ایک کی استعداد اللہ سبحانہ کے علم میں ہے۔ اگر استعداد اچھی ہے تو مشیت بھی اس کے لحاظ سے جاری ہوگی۔ اور اگر معاملہ برعکس ہے تو مشیت بھی اسی طرح ہوگی۔ کیوں کہ اللہ سبحانہ کی ایک صفت حکیم بھی ہے۔ لہٰذا جو مشیت بھی ہوگی وہ عین حکمت ہوگی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ اللہ سبحانہ سے دعا ہے کہ ہم کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو حسن استعداد نصیب فرمائے اور سوء استعداد سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

سورۂ تکویر کی تفسیر ختم ہوئی وللہ الحمد والمنہ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ ۱۴؍ شعبان المعظم ۱۳۷۹ھ

82 Infitaar Makky Verses 19

(۸۲)

سورۂ انفطار

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس میں (۱۹) آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کی ماقبل سورت سے مناسبت اور ربط بالکل ظاہر ہے کہ دونوں کی ابتداء ایک ہی نہج پر کلمۂ اِذَا کے ذریعہ ہوئی ہے۔ اس میں بھی قیامت کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں جن کا وقوع میں آنا یقینی ہے۔ اور ہر نشانی کو کلمۂ اِذَا کے ذریعہ فرمایا گیا ہے' بالفاظ دیگر یوں سمجھنا چاہیے کہ سورۂ انفطار سورۂ تکویر کا ضمیمہ یا تکملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن احادیث شریفہ میں جہاں سورہ تکویر کی فضیلت بیان ہوئی ہے اس کے ساتھ ساتھ سورۂ انفطار کا ذکر بھی آیا ہے اس سورت شریفہ کو سورۂ انفطرت اور سورۂ منفطرہ بھی کہتے ہیں اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کسی چیز کے ایک سے زیادہ نام اس کے شرف و فضیلت کی دلیل ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۙ 82-1 82-2

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ 82-3 82-4
نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۝ جب آسمان پھٹ جائے، اور جب 82-5

عـه يقال بعثرت المتاع و بحثرته اي جعلت اسفله اعلاه وجعل اسفل القبور اعلاها انما هو باخراج موتاها وقيل لسورة براءة المبعثرة لانها بعثرت اسرار المنافقين وهما مركبان من البعث والبحث مع راء ضمت اليهما وقال الراغب من رأى تركيب الرباعي والخماسي نحو هلل وبسمل اذا قال لا اله الا الله وبسم الله يقول ان بعثر مركب من بعث واثير اي قلب ترابها واثير ما فيها وهذا لا يبعد في هذا الحرف فان البعثرة تتضمن معنى بعث واثير (روح البيان) محاورہ عرب میں بعثرت المتاع و بحثرتہ کہا جاتا ہے جبکہ اس کے نچلے حصے کو اوپر اور اوپر کو نیچا بنا دیا جائے۔ قبروں کے نچلے حصے کو اوپر کر دینا اسی وقت ہوتا ہے جبکہ اس کے مُردوں کو نکال باہر کیا جائے۔ سورۂ براءت کو مبعثرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں منافقین کی چالوں کو آشکارا کر دیا گیا ہے۔ بعثر اور بحثر بعث اور بحث سے ترکیب دیئے گئے ہیں اور ان کے آخر میں ایک راء اضافہ کر دی گئی ہے۔ امام راغب کہتے ہیں کہ جس نے چار حرفی یا پانچ حرفی کلمات پر غور کیا ہے جیسے هلّل اور بسمل یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی

ستارے جھڑ پڑیں، اور جب سمندر بہ نکلیں اور جب قبریں زیر و زبر کردی جائیں، جان لیگا ہر شخص جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑ آیا ہے "

قیامت کی پہلی نشانی سورۂ تکویر میں قیامت کی بارہ نشانیاں بیان ہوئی تھیں، یہاں مزید چار نشان اور بتائے جا رہے ہیں جن میں سے دو کا تعلق عالم علوی سے ہے اور دو کا عالم سفلی سے۔ عالم علوی کے نشانوں سے ایک یہ کہ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ جبکہ آسمان پھٹ جائے " یعنی آسمان جو صاف شفاف، ایک سطح اور ایک جسم نظر آتے ہیں۔ قیامت کے قریب ان میں جا بجا سے شگاف پڑ جائینگے اور سارا آسمان پھٹ جائیگا۔ اس صورت سے ظاہر ہے کہ جو کچھ انتظامات ملأ اعلیٰ کے ہیں وہ سب برخاست ہو جائیں گے اور جو فرشتے وہاں متعین ہیں وہ سب نیچے اتر آئیں گے۔ آسمان کا پھٹ جانا ایک انقلاب عظیم ہوگا جو اس امر کی علامت ہوگی کہ اب تک جو نظم قائم تھا وہ درہم برہم ہو چکا ہے اب کوئی دوسری ہی صورت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لا الہ الا اللہ اور بسم اللہ پڑھے تو یہ مان لیگا کہ بُعْثِرَ مرکب ہے بُعِثَ اور اُثِیْرَ سے جس کے معنی ہیں اس کی مٹی زیر و زبر کی گئی اور اس میں جو کچھ ہے اس کو نکال دیا گیا، اور یہ معنی اس لفظ میں متبعد نہیں ہیں۔ کیونکہ بُعْثِرَ کہنے کے ضمن میں بُعِثَ اور اُثِیْرَ کہنا سمجھ میں آتا ہے "

نمودار ہوگی جو پہلی صورت سے بالکل مختلف ہوگی۔ اس لئے کہ پہلا نظم جو قائم فرمایا گیا تھا وہ دار العمل کے لئے تھا اور اب جو صورت درپیش ہوگی وہ دار الجزاء کے مناسب حال ہوگی۔

دوسری نشانی | وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں"۔

یہ عالم علوی کا دوسرا نشان ہے۔ یہ ستارے جن جن مقاصد کے مدنظر بنائے گئے تھے ان تمام مقاصد کے احوال سے تو اللہ سبحانہ ہی بہتر علیم ہے۔ چند فوائد جو قرآن کریم نے ہم کو بتلائے یہ تھے:۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُونَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔ ہم نے قریب تر آسمان کو تاروں کے ذریعہ زینت بخشی ہے۔ ہر سرکش شیطان سے بچاؤ کے لئے کہ وہ ملأ اعلیٰ کی باتیں سننے نہ پائیں۔ ہر طرف سے ان کو مار بھگا دیا جاتا ہے اور ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے۔ اس پر بھی کسی نے اگا دبات اڑالی تو ساتھ ہی اس پر شہاب ثاقب ٹوٹ پڑا"۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظام بھی دار العمل کے لئے تھا اور جب یہ برخاست ہو رہا ہے تو ایسے نظم کو برقرار رکھنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔

تیسری نشانی | وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۔ اور جب تمام سمندر بہ نکلیں گے یہ عالم سفلی کا پہلا نشان ہے اس وقت یہ نظم قائم ہے کہ ہر سمندر اپنی جگہ قائم و برقرار ہے کہیں دو دریا ایک ساتھ رواں ہیں اور ان میں سے ایک کھاری ہے اور دوسرا شیریں ۔ تو دونوں مل کر رواں رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے کھاری اپنی جگہ ہے اور شیریں اپنی جگہ ۔ لیکن قیامت کے قریب یہ نظم بھی برخاست ہو جائیگا ۔ ایک جوش ہو گا جس سے کھاری اور شیریں ایک دوسرے سے خلط ملط ہو جائیں گے ۔ اور وہ بہ نکلیں گے ۔ پھر کیا ہے کہ سمندر کا سارا علاقہ جو تری کا حصہ کہلاتا تھا سب کا سب خشک ہو کر رہ جائیگا ۔

سمندروں کا خشک ہو جانا | حضرت ربیع بن خثیمؒ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں : ۔ فجر بعضھا فی بعض فذھب ماؤھا ۔ (عبد بن حمید) بعض سمندر بعض میں بہ نکلیں گے ۔ اس طرح سمندروں کا تمام پانی چلا جائیگا " حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ بعض دریاؤں کو بعض میں بہا دیگا تو اس کا پانی خشک ہو جائیگا ۔ (ابن کثیر) دریاؤں اور سمندروں کا اس طرح بہ کر خشک ہو جانا یہ بھی ایک ہولناک منظر ہے ۔ جب ایسا ہو گا اور یقیناً ہو گا تو یہ بھی قیامت کے قریب ہونے کی ایک کھلی ہوئی نشانی ہو گی کیونکہ پانی ہی سے انسان کی زندگی ہے ۔ اور یہ پانی جو

درحقیقت ہمارے لئے آبِ حیات ہے۔ خشک ہوجائے تو زندگی کیا صورباقی رہیگی؟

چوتھی نشانی وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ۔ اور جب قبریں زیروزبر کردی جائیں" یہ عالم سفلی کا دوسرانشان ہے۔ اس کی تفسیر میں حضرت ابن جریج فرماتے ہیں:۔

اخرج ما فیھا من الموتیٰ۔ (ابن المنذر) قبروں کو زیروزبر کردینے سے مراد یہ ہے کہ ان میں جو اموات دفن ہیں وہ سب (دوبارہ زندہ کرکے) باہر نکال کھڑے کئے جائیں" اور قیامت نام ہے اسی کا کہ تمام مرے ہوئے انسان از آدم تا ایں دم جس قدر زمین میں دفن تھے ان سب کو زندہ کرکے باہر نکال لایا جائیگا۔ اور یہاں سے دوسری قسم کی اُٹھان کا آغاز ہوگا۔ کیونکہ قیامت کے معنی اٹھان کے ہیں۔ جب یہ چاروں نشان ظاہر ہوجائیں اور ان سب کا ایک ایک کرکے ظہور میں آنا یقینی امر ہے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ۔ تو ایک ایک نفس جان لیگا اس کو جو اس نے آگے بھیجا اور اس کو جو پیچھے چھوڑ آیا" آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا؟ اس کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ جو ہر ایک بجائے خود درست ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔

ما قدّمت واخّرت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

ما قدّمت من خیر واخّرت من سنّۃ صالحۃ یعمل بھا بعدہ

فانّ لہ مثل اجر من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورہم شیئًا او سنۃ سیئۃ یعمل بہا بعدہ فانّ علیہ وزر من عمل بہا ولا ینقص من اوزارھم شیئًا۔ (ابن مبارک، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) یعنی قیامت قائم ہوگی تو ہر شخص کو معلوم ہو جائیگا جو اس نے دنیا میں بھلا کام کیا تھا۔ اور جو پیچھے چھوڑ آیا تھا اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اچھا نمونہ چھوڑ آیا تھا جس پر اس کے بعد کے لوگ عمل کرتے رہے۔ کیوں کہ اس صورت میں نیک عمل چھوڑنے والے کو بھی اس پر عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملتا رہتا ہے۔ اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اور اگر کوئی برا طریقہ ایجاد کرکے آیا ہے اور لوگ اس پر عمل کرتے رہے تو اس موجد پر بھی اس پر عمل کرنے والوں کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے اور خود عمل کرنے والے بھی اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے "۔ ایسی ہی تفسیر حضرت حذیفہ رض و حضرت ابن عباس رض سے بھی مروی ہے۔

دیگر تفاسیر حضرت عکرمہ نے فرمایا:۔ ما ادّت الی اللہ مما امرھا بہ و ما ضیعت۔ (سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن المنذر) ما قدّمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس کو جو جو احکام دئے تھے ان کو کس حد تک انجام دیا۔ اور ما اخّرت سے یہ مراد ہے کہ ان احکام میں سے کتنے پس پشت ڈال دئے یعنی ان کو ضائع کر دیا اور

انجام نہیں دیا۔" حضرت سعید بن جبیرؒ قتادہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔
وقیل ما قدمت من الصدقات واخرت من الزکاۃ۔ کسی نے یوں تفسیر
کی کہ قدّمت سے خیرات وصدقات مراد ہیں جو درحقیقت نفل ہیں جن کو انسان
وقتاً فوقتاً دیتا رہتا ہے اور اخّرت سے زکات مراد ہے جو فریضۂ محکمہ ہے مگر
اکثر لوگ اس سے غافل رہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے زکاۃ کی جگہ ترکات لکھا ہے۔
اس صورت میں صدقات سے خیرات اور زکاۃ دونوں مراد ہوں گے اور ترکات سے
میراث مراد ہوگی۔ یعنی ہر ہر شخص نے عبادت مالیہ میں کس قدر حصہ لیا اور کس قدر
میراث چھوڑی؟ وقیل معناہ بل قدمت الدنیا علی الآخرۃ او بالعکس
بعضوں نے یوں کہا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی یا آخرت کو دنیا پر۔ یہ سب اس روز
معلوم ہو جائیگا۔ بہرحال ان تمام تفسیروں کا مآل ایک ہی ہے اگرچہ تعبیر جدا جدا
ہے۔ واللہ اعلم۔

82-6 يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي
82-7
82-8 خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝

اے انسان! کس چیز نے تجھے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے جس نے تجھے پیدا کیا
پھر تجھے درست کیا، پھر تجھے معتدل بنایا، جس صورت میں کہ اس نے چاہا تجھے

جوڑ دیا"

انسان سے خطاب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے انسان! ایک طرف تو قیامت کے ایسے ہولناک مناظر درپیش ہونے والے ہیں اور تیرا یہ حال ہے کہ اپنے کرم والے پروردگار ہی سے غافل ہے۔ تجھے کس چیز نے فریب میں ڈال رکھا ہے جس نے محض اپنے لطف و کرم سے تجھے پیدا کیا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے تو نے کوئی کام ایسا نہیں کیا تھا جس کی بنا پر پیدا کئے جانے کا مستحق ٹھہرتا۔ پھر نہ صرف تجھے وجود بخشا بلکہ تجھے سالم الاعضاء بنایا۔ ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ، ناک، دل دماغ، عقل و فہم حواس ظاہری و باطنی سبھی کچھ ودیعت کئے۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ہر ہر عضو کو معتدل، حسین، خوب صورت، وضع دار بانکا بنا کر جس صورت میں چاہا جوڑ دیا۔ اس طرح کہ کروڑہا ان گنت انسان ہیں لیکن ہر ایک کی صورت جدا ہے جو ایک دوسرے سے نہیں ملتی۔ بلکہ ایک ایک کی انگلی تک دوسرے سے ممتاز ہے۔ قد و قامت جسامت، رنگ روپ، وضع ترکیب، ہر ایک کی جداگانہ ہے۔ پھر یہ سب کچھ محض اپنے فضل و کرم سے کیا۔ کسی نوع کا استحقاق کسی انسان کو ان حالات میں نہ تھا۔

انسان سے سوال اب انسان سے سوال کیا جا رہا ہے کہ جس کرم والے پروردگار نے تیرے ساتھ ایسا سلوک فرمایا ہو کہ تجھے اشرف المخلوقات بنایا۔ چاہتا تو پتھر بنا دیتا

جو ایک جگہ بے حس و حرکت پڑا رہتا۔ چاہتا تو درخت بنا سکتا تھا۔ اگر ثمر دار ہوتا تو اس پر پتھر برسائے جاتے۔ اور جو بے ثمر ہوتا تو کاٹ کر اس سے ایندھن کا کام لیا جا سکتا تھا۔ یا چاہتا تو کسی جانور کی صورت دیدیتا۔ گدھا گھوڑا بیل کتا بندر وغیرہ۔ پھر تیرے ساتھ وہی عمل ہوتا جس کا وہ جانور مستحق ہے تو اپنے پروردگار کا کرم دیکھ کہ تجھ کو انسان بنایا تو کیا شیوۂ انسانیت یہی ہے کہ تو اپنے خالق اور رب سے ہی غافل ہے۔ یہ ایک فریب اور دھوکا ہے جس میں تو گرفتار ہے۔ ایسا دھوکا تجھے کس نے دیا؟

شان نزول حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں:۔ یا ایھا الانسان ماغرک قال ابیّ بن خلف۔ (ابن المنذر) یہاں یا ایھا الانسان سے مشہور کافر ابی بن خلف مراد ہے۔ جس کے باب میں یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ یہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کٹر دشمن تھا۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیات کریمہ ولید بن مغیرہ کے باب میں نازل ہوئیں۔ کلبی کہتے ہیں کہ اسید بن کلدہ کے بارے میں اتریں جس نے حضور اکرمؐ کے ساتھ گستاخی کی تھی مگر آپ نے انتقام نہیں لیا۔ اللہ سبحانہ نے یہ آیات نازل کر کے قیامت تک اس کو رسوا کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک دفعہ اس سورت شریفہ کی تلاوت فرمائی۔

جب آیہ کریمہ ماغرك بربك پر پہنچے تو فرمایا:۔ غرہ واللہ جھلہ۔ (سعید بن منصور، ابن ابی حاتم، ابن المنذر) خدا کی قسم! انسان کو اس کے جہل نے فریب دیا۔“ حضرت ربیع بن خثیم اور خود حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔ یہ روایات ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ انسان چونکہ اپنے رب سے بالکلیہ جاہل اور ناواقف محض ہے اس لئے دھوکہ اور فریب میں پڑا ہوا ہے۔ اگر اس کو اپنے خالق پروردگار کی کچھ بھی معرفت حاصل ہوتی تو وہ ایسا نہ کرسکتا تھا۔

یا یھا الانسان کا خطاب عام ہے | یہ خطاب تو جہال سے تھا جن کو معرفت الٰہی سے کچھ بھی بہرہ نہیں ملا۔ کاملین اس خطاب پر سر دھنتے اور وجد کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ مامنکم من احد الا سیخلو اللہ بہ یوم القیامۃ فقال یا ابن آدم ما غرك بی یا ابن آدم ماذا عملت فیما علمت یا ابن آدم ماذا اجبت المرسلین (مظہری) تم میں سے ہر ہر شخص سے اللہ سبحانہ تعالیٰ قیامت کے دن تفنن طبع کے طور پر فرمائے گا اے ابن آدم تجھے کس چیز نے ہماری طرف سے دھوکے میں ڈال رکھا؟ اے ابن آدم! جن چیزوں کو تو جانتا تھا اس کے بموجب تو نے کس حد تک عمل کیا؟ اے آدم کے بیٹے! ہمارے رسولوں کی دعوت کا جواب تو نے کیا دیا؟ اس سے

معلوم ہوا کہ ما غرک بربک الکریم کا سوال ہر شخص سے ہوگا تو ظاہر ہے کہ ہر ایک کا جواب اپنے ظرف اور اپنی استعداد کے مطابق ہوگا۔

خطابِ تلقین حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں:۔ لو اقامنی بین یدیه فقال یا یحیی ما غرک بی قلت برک بی سابقا و آنفا۔ اگر خدائے عزوجل مجھے اپنے روبرو کھڑا کر کے سوال فرمائے کہ یحییٰ! تجھے ہمارے باب میں کس چیز نے فریب میں ڈالا؟ تو میں عرض کروں گا۔ پروردگار! آپ کے سابقہ و لاحقہ احسانات نے "حضرت ابوبکر وراق فرماتے ہیں:۔ لو قال لی ما غرک بربک الکریم لقلت غرنی کرم الکریم۔ اگر خدائے رحیم و کریم مجھ سے پوچھے کہ تجھے اپنے کرم والے رب سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تو میں صاف صاف عرض کروں گا کریم کا کرم ہی تھا" اسی بنا پر بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ خطابِ تلقین ہے۔ یہاں رب کی صفت کریمی کا بیان فرمانا اور دیگر صفات قہار، منتقم وغیرہ کا ذکر نہ فرمانا گویا بندے کو جواب کی تلقین فرمانا ہے کہ جواباً یوں کہے ؎

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ ۔۔۔ وگرنہ ایں چنیں طاقت کجا بود

مگر کفار جو محروم ازلی ہیں ان کو یہ توفیق کہاں۔ یہ مقام تو سعادت مندان ازلی کا ہے۔

حکایت کسی عورت نے قاضی کے پاس مقدمہ پیش کیا کہ اس کے شوہر نے اس زوجہ کے ہوتے ہوئے ایک اور عورت سے بھی نکاح کیا ہے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ اس نے کیا برا کیا؟ شرع مرد کو اجازت ہے کہ چار عورتوں سے نکاح کرے۔ عورت نے جواب دیا کہ قاضی صاحب! اگر پردے کا حکم نہ ہوتا اور حیا مانع نہ ہوتی تو میں ابھی اپنا چہرہ آپ کو دکھا کر پوچھتی۔ کیا مجھ جیسی حسینہ جمیلہ یکتائے زماں پر بھی کسی عورت کو لانا جائز ہو سکتا ہے؟ یہ سنتے ہی کسی صاحب دل نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے۔ افاقہ ہوا تو کہنے لگے:۔ سمعت الهاتف يقول الم تسمع قول الضعيفة ولولا حجاب الكبرياء والعظمة لابرزت لكم من الجلال والجمال الذى لا يسعه المقابل وسألتكم انه من استطاع الاشتغال بمثلى فهل يجوز الاشتغال بغيرى ومن مثلى واين يكون مثلى فليس يكون فاطلبنى تجدنى۔ میں نے ہاتف غیبی سے سنا وہ کہہ رہا تھا۔ کیا اس ناتواں عورت کی بات سنی نہیں؟ اسی طرح اگر کبریائی اور عظمت کا پردہ نہ ہوتا تو میں بھی اپنا جلال و جمال ظاہر کر دیتا جس کی تاب کسی مقابل میں نہ ہو۔ اور تم سے پوچھتا کہ جس کے لئے مجھ سے لو لگانا ممکن ہے کیا اس کو کسی اور سے دل لگانا جائز ہے؟ اور مجھ جیسا کون ہے اور کہاں ہو سکتا ہے؟ لاریب کوئی نہیں ہو سکتا آپ ہی محبوب حقیقی ہیں۔ آپ ہی کی ذات پاک مجمع الکمالات ہے

جو سب سے ٹوٹ کر آپ کا ہو گیا وہی فائز المرام ہوا۔

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی ممانعت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا:۔ اذا قام الرجل فی الصلاۃ اقبل اللہ عز وجل بوجھہ فاذا التفت قال یا ابن آدم الی من تلتفت الی من ھو خیر منی اقبل الیّ فاذا التفت الثانیۃ قال مثل ذلک فاذا التفت الثالثۃ صرف اللہ تبارک وتعالی عنہ وجھہ (بزار)۔ جب انسان نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو خدائے عز وجل پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ کسی چیز کی طرف دیکھنے لگتا ہے تو ارشاد باری ہوتا ہے:۔ اے آدم زاد! کس کی طرف دیکھتا ہے؟ کیا مجھ سے بہتر کسی اور کی طرف؟ (او نادان!) میری طرف متوجہ رہ۔ پھر اگر وہ دوبارہ کسی طرف نظر التفات کرتا ہے تو پھر یہی خطاب ہوتا ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی تیسری دفعہ بھی کسی اور طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے اپنا رخ پھیر لیتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ غور کیجئے کہ عنایاتِ الٰہیہ کا اقتضا کیا ہے اور بنی آدم کدھر جا رہے ہیں؟

82-9 كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝ۙ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ۙ
2-10

ع ۳ (۱۲) ۷ آیات ۱۲ تا ۲

كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝ ہرگز نہیں بلکہ تم جھٹلاتے ہو 82-11
انصاف کو' اور بے شک تم پر نگہبان مقرر ہیں' عزت والے عمل لکھنے والے' وہ 82-12
جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو"

تکذبون بالدین کی تفسیر

کلا بل تکذبون بالدین ۔ ہرگز نہیں بلکہ تم جھٹلاتے ہو انصاف کو" یعنی دھوکا کھانے اور فریب میں مبتلا ہونے کی کیا بات ہے' اصل واقعہ تو یہ ہے کہ اعمال کی جزا ملنے اور یوم الجزاء کے آنے کا نہ صرف تم کو انکار تھا بلکہ تم اس کو جھٹلاتے تھے ۔ جبھی تو ہماری طاعت سے اجتناب کرتے اور معصیت پر اڑے ہوئے تھے ۔ سمجھتے تھے کہ ہمارے اعمال کو دیکھنے والا اور ان پر محاسبہ کرنے والا کون ہے؟ ہم خود مختار ہیں جو چاہیں کریں ہم کو پوچھنے والا کوئی نہیں ۔ مر گئے' بس سارا قصہ ختم ہوا ۔ یہی چیز باعث تھی تمہارے اس کفر کی اور ان تمام نافرمانیوں کی ۔ نہ خدا و رسول سے تم کو کوئی تعلق' نہ اللہ کی کتاب سے کوئی دلچسپی نہ قیامت کا خوف' نہ سزا و جزا پر ایمان ۔ جب صورت حال یہ ہو تو من مانی زندگی گزارنے میں کون امر مانع ہو سکتا ہے؟ مگر حقیقت حال ایسی نہیں جیسی تم خیال کرتے ہو ۔ تم تو انصاف کے وقوع میں آنے ہی کے منکر ہو جبھی تو انصاف کو جھٹلاتے ہو

وان علیکم لحافظین کی تفسیر

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۔ اور حقیقت حال

یہ ہے کہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔" سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: کم من ملک علی الانسان ہر انسان پر کتنے نگہبان فرشتے مقرر ہیں؟ فذکر علیہ الصلاۃ والسلام عشرین ملکا۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک ایک پر بیس بیس محافظ فرشتے مقرر ہیں۔" رات کے محافظین الگ ہیں اور دن کے الگ۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان کی منزلت و مرتبت اللہ سبحانہ کے نزدیک کیسی ہے؟

کراماً کاتبین کی تفسیر

کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون۔ ایک شخص یا ان کے سوا اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں جو نہایت درجہ ثقہ عادل اور اللہ سبحانہ کے نزدیک باعزت ہیں۔" یوں تو تمام فرشتوں کا یہی حال ہے لیکن اعمال لکھنے والے ان میں بھی بڑے ہی باعزت ہیں۔ ان میں سے جو انسان کی نیکیاں لکھنے پر مامور ہیں ان کا مقام انسان کا داہنہ شانہ ہے اور دوسری چیزیں لکھنے والے کا مقام بایاں شانہ ہے۔ یہ فرشتے ہمیشہ انسان کے دوش پر رہتے ہیں لیکن چونکہ یہ نورانی مخلوق ہیں اس لئے ان کا کوئی ثقل یا بوجھ انسان کو محسوس نہیں ہوتا۔ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ نیکی کا ارادہ کرتے ہی ایک نیکی اور نیکی کرنے پر

دس نیکیاں فوراً لکھ لیتا ہے، اور دوسرا برائی کے ارادے پر کچھ نہیں لکھتا پھر اگر انسان برائی کرے بھی تو چھ گھنٹوں تک فرشتہ اس کو نہیں لکھتا۔ اس اثناء میں انسان اگر معصیت کبیرہ صادر ہونیکے بعد توبہ کرلے یا صغیرہ کی صورت میں کوئی نیک کام کرلے جس سے صغیرہ کا کفارہ ہوجاتا ہے تو وہ برائی نہیں لکھی جاتی۔ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ میں اسی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ برائی ان کے علم میں رہتی ہے لیکن وہ اس کو لکھتے نہیں اس کے کفارے یا توبہ کا چھ گھنٹے تک انتظار کرتے ہیں۔ اگر چھ گھنٹے گزرنے تک بھی وہ توبہ نہ کرے تو ایک بُرائی لکھی جاتی ہے کراماً کاتبین سے انسان کی ہر چیز کی کتابت متعلق ہوتی ہے۔ اعتقاد ہو یا نیکی کا عزم قول ہو یا فعل یا تقریر سب کچھ لکھا جاتا ہے۔ برائی کا عزم نہیں لکھا جاتا۔ مگر اعتقاد، قول وفعل اور تقریر کو لکھ لیا جاتا ہے۔ تقریر سے یہ مراد ہے کہ دوسرے کو کوئی کام یا کلام کرتا ہوا دیکھا اگر قابل منع تھا پھر بھی منع نہ کیا تو یہ ایک برائی ہوئی جب کہ وہ منع کرنے پر قادر ہو۔

برہنگی کی ممانعت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان اللہ تعالی ینھاکم عن التعری فاستحیوا من ملائکۃ اللہ تعالی الذین معکم الکرام الکاتبین الذین لا یفارقونکم

الا عند احدی ثلاث حاجات الغائط والجنابۃ والغسل (بزار)

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم کو برہنگی سے منع فرمایا ہے لہٰذا اللہ سبحانہ کے فرشتوں سے جو تمھارے ساتھ ساتھ رہتے ہیں شرم کیا کرو۔ وہ اعمال لکھنے والے معزز فرشتے ہیں جو ہمیشہ تمھارے ساتھ رہتے ہیں۔ تم سے کبھی جدا نہیں ہوتے مگر تمھاری تین ضروری حاجات کے وقت کنارے ہو جاتے ہیں۔ پیشاب پاخانے کے وقت اور جماع کے وقت اور غسل کے وقت؛ کیونکہ ان حالات میں انسان برہنہ رہتا ہے لیکن اس وقت بھی تمھارے اعمال واقوال وغیرہ کو لکھنے سے کوئی امر مانع نہیں۔ اعتقاد قلبی جو ایک پوشیدہ امر ہے اس کا علم ان کو ہو جاتا ہے تو اعمال و اقوال پر بدرجۂ اولیٰ ان کو اطلاع ہو جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ نے کچھ علامات اور نشانیاں ان کو بتلا دی ہیں جن کی مدد سے خیر و شر پر ان کو آگاہی ہو جاتی ہے۔ اعمال واقوال پر اطلاع ہونا تو معمولی بات ہے۔ دل کے اعتقاد کا علم ان کو اس طرح ہو جاتا ہے کہ اگر نیت و اعتقاد اچھا ہے تو اس کی خوشبو ان کو محسوس ہوتی ہے اور اگر کوئی بدنیتی یا سوء اعتقاد کا شکار ہوا تو اس کی بدبو سے وہ فوراً باخبر ہو جاتے ہیں۔ اگر برہنگی کے عالم میں ایسی کوئی چیز انسان سے صادر ہوئی تو کراماً کاتبین سے وہ پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ جب انسان اپنی مذکورہ حاجات ضروریہ سے

فارغ ہو جاتا اور اس کی برہنگی دور ہو جاتی ہے تو پھر وہ حسب معمول آجاتے ہیں۔ اس طرح وہ مدۃ العمر انسان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ جب انسان مرتا ہے تو یہ فرشتے تا قیامت اسکی قبر پر متعین رہتے ہیں۔ بندہ اگر نیک ہے یعنی مسلمان تو یہ تسبیح و تہلیل میں مشغول اور اسکے حق میں دعائے خیر کرتے رہتے ہیں۔ ان فرشتوں کی تسبیح و تہلیل کا ثواب اس انسان کے نامۂ اعمال میں لکھا یا جاتا ہے اور اگر بد ہے یعنی کافر تو یہ اس پر تا قیامت لعنت کرتے رہتے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک۔

کراماً کاتبین کون ہیں؟ کراماً کاتبینؑ ہر شخص کے لئے جو دو دو مقرر ہیں، آیا یہ مقررہ شخصیتیں ہیں یا ان کی جماعت ہے؟ اس میں قول راجح یہی ہے کہ دو شخصیتیں ہیں ایک کاتب خیر اور دوسرا کاتب شر۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کاتب حسنات کی بدلی ہوتی رہتی ہے اور کاتب سیئات ایک ہی ہوتا ہے۔ اس میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ نیکی کے گواہ متعدد اور برائی کا گواہ صرف ایک ہی رہتا ہے جس سے نصاب شہادت کی تکمیل نہیں ہوتی علمائے کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص مجنون ہو اس کے اعمال لکھنے پر کوئی مامور نہیں ہوتا کیونکہ مجنون مرفوع القلم ہے۔ اس کے اقوال و افعال پر داروگیر نہیں۔ نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی کچھ نیکیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان دو فرشتوں کے

سوا اور کوئی نہیں لکھتا۔ واللہ اعلم۔

کتابت اعمال کا مطلب احادیث شریفہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ کتابت سے حقیقی کتابت مراد ہے۔ یعنی ہم جیسا لکھتے ہیں ایسی ہی فرشتوں کی کتابت بھی ہوا کرتی ہے رہی یہ بحث کہ آلات کتابت، یعنی قلم، دوات، روشنائی اور کاغذ وغیرہ۔ اس کی تفصیل بتلائی نہیں گئی لہٰذا ان چیزوں کو علم الٰہی کے تفویض کر دینا ہی محتاط صورت ہے ہم کو ان تفصیلات میں جانے اور خواہ مخواہ اس کی بحث میں پڑنے اور وقت ضائع کرنے کی حاجت نہیں۔

توبہ و استغفار کی اہمیت حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ما من حافظین یرفعان الی اللہ ما حفظا فی یوم فیری فی اول الصحیفۃ وآخرھا استغفارا الا قال اللہ قد غفرت لعبدی ما بین طرفی الصحیفۃ۔ (بزار) روزانہ دونوں محافظ فرشتے (کراماً کاتبین) جو اس انسان کا اعمال نامہ لیکر اللہ سبحانہ کی جناب میں پیش کرتے رہتے ہیں تو خداوند جل علاء اس صحیفہ کے صرف اول و آخر پر نظر فرماتا ہے۔ اگر اول و آخر اس میں توبہ و استغفار لکھا ہو تو ارشاد باری ہوتا ہے کہ اس صحیفہ کے درمیان جو کچھ (برائی بھی لکھی) ہو میں نے اس کو اپنے بندے کے حق میں بخش دیا۔" یہی سبب ہے کہ

بزرگانِ دین روزانہ نیند سے اٹھتے ہیں تو توبہ استغفار کرتے اور رات آرام کرتے
ہیں تو بھی ان کا آخر کلمہ توبہ و استغفار ہوتا ہے۔ اس سے توبہ و استغفار کی اہمیت
ظاہر ہے۔ کیوں نہیں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ
وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔ یقین جانو کہ اللہ سبحانہ کو توبہ کرنے والوں سے محبت ہے
اور پاکی کا خیال رکھنے والوں سے بھی محبت ہے۔" یہ دونوں گروہ محبوبانِ الٰہی ہیں
اللہم اجعلنا منہم آمین۔

2-13 2-14 اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝ یَّصْلَوْنَهَا
2-15 2-16 یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ۝ بے شک نیک لوگ یقیناً
نعمتوں میں ہوں گے، اور بے شک بدکار یقیناً دوزخ میں ہوں گے وہ اس میں
انصاف کے دن داخل ہوں گے۔ اور وہ اس سے غائب نہ ہو سکیں گے۔"

ابرار کون ہیں اعمال لکھنے والے فرشتے جب ایسے ثقہ، عادل، معتبر، باعزت، امانت دار
ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں حق حق لکھتے ہیں۔ ان کے لکھے کا اعتبار نہ کیا جائے تو
یہ سارا انتظام بے فائدہ عبث ٹھہریگا۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اب جو لوگ نیکو کار
ہوں گے ان کا کیا پوچھنا۔ یقیناً وہ نعمتوں میں ہوں گے۔ ہر قسم کا لطفِ جاوید ان کو
حاصل رہیگا جس کی کوئی انتہا نہیں۔ دو روزہ دنیا کی طرح اگر ان کا یہ لطف ختم ہو گیا تو

وہ لطف ہی کیا ہوا ایک طرح کا خواب ہوا۔ ابرار یعنی نیکوکار وہ لوگ ہیں جو حسن سلوک کرتے ہیں۔ یہ حسن سلوک کئی طرح ہے۔ سب سے مقدم اللہ سبحانہ کے ساتھ یعنی اس پر ایمان لانا جس میں اس کی کتابوں، رسولوں، فرشتوں اور تقدیر اور یوم آخر پر ایمان لانا داخل ہے۔ پھر اس کی طاعت میں لگے رہنا۔ احکام کی تعمیل کرنا اور نواہی سے بچنا۔ پھر برّ الوالدین (ماں باپ کا ادب اور انکے ساتھ حسن سلوک) پھر برّ الاساتذہ اپنے استادوں کا ادب اور ان کے ساتھ نیک سلوک۔ پھر مرید کو اپنے شیخ کا ادب اور حسن سلوک۔ اسی طرح اپنی اولاد، شاگردوں اور مریدین کو اچھی راہ پر لگانا اعتقادات فاسدہ اخلاق ذمیمہ، اعمال قبیحہ سے دور رکھ کر طاعت و انقیاد کی تعلیم و تلقین کرنا۔ اسی طرح جو لوگ بدکار یعنی کافر ہوں گے بالضرور وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ ان کے دوزخ میں ڈالے جانے کا وقت روز جزا ہوگا۔ کیونکہ انصاف کا دن وہی ہے۔ پھر کفار جہاں دوزخ میں جھونک دئے گئے تو ابدالآباد یہیں اس میں پڑے رہیں گے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی وہ وہاں سے نہیں نکل سکتے اور نہ کہیں بھاگ سکتے ہیں۔ فجور کے اصل معنی شق یعنی کسی چیز کو چیر دنے کے ہیں۔ فاجر چونکہ اپنے کفر اور معصیت کے ذریعہ اپنے دین اور دیانت کا پردہ چاک کر لیتا ہے اس لئے اس کو فاجر کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسوں کا حال ابرار کے خلاف

اور ان کی ضد یہ ہے اس لئے ان کی جزا بھی اسی مناسبت سے ہوگی ۔

حضرت ابوحازمؒ کا واقعہ | زاہد زمانہ حضرت ابو حازمؒ مدنی سے خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کے ایک بیٹے نے دریافت کیا :۔ لیت شعری مالنا عند اللہ ؟ کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ سبحانہ کے ہاں ہمارے لئے کیا چیز مقرر ہے ؟ حضرت ابوحازم نے فرمایا :۔ اعرض عملك على كتاب الله ۔ اپنے عمل کو کتاب اللہ پر پیش کرو (تو جواب مل جائیگا) ۔ اس نے کہا کہ کتاب اللہ تو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے ۔ اس کے کس حصے پر پیش کروں ' حضرت ابو حازم نے فرمایا ارشاد باری ہے :۔ ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم ۔ یہ سن کر خلیفہ کے بیٹے نے کہا (یہ تو اعمال کی جزا ہوئی) پھر اللہ سبحانہ کی رحمت کہاں ہے ؟ حضرت ابوحازم نے فی الفور جواب دیا ۔ قریب من المحسنین ۔ احسان کرنے والوں اور اچھے سلوک والوں کے پاس ہی ہے "

2-17 وَمَا أَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَا أَدْرٰىكَ مَا
2-18 يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۗ وَالْأَمْرُ
2-19 يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ ع اور تمہیں کیا خبر کہ کیسا ہے دن انصاف کا ؟ پھر بھی تمہیں
کیا معلوم کہ کیسا ہے دن انصاف کا ؟ جس دن کہ بھلا نہ کر سکے کوئی شخص بھی کسی

شخص کا کچھ بھی' اور حکم اس دن کا اللہ ہی کا ہے "۔

یوم الدین کی اہمیت یعنی روز جزا کی اہمیت' اور اس کی عظمت اور ہولناکی کیسی ہے اس کی کسی کو کیا خبر؟ غور کرو اور سوچو' اور خوب تفکر سے کام لو تو اس کی حقیقی صورت کسی کے سمجھ میں نہیں آ سکتی اور اگر اس کی حقیقی تصویر کسی کے سامنے آئے تو کس طرح آئے۔ اس لئے کہ انسان اپنے غور و فکر سے کام لیتا ہے تو اسی حد تک جو اس نے کبھی دیکھا یا کسی سے سنا ہو۔ دنیا میں طوفان' طغیانی' سیلاب' آندھی' امراض وبائی' جنگ' زلزلہ وغیرہ ہولناک واقعات جو درپیش ہوئے ہوں چھوٹے بڑے۔ پس اسی حد تک وہ سوچ سمجھ سکتا ہے۔ عالم آخرت کی ہر چیز ایسی ہے کہ ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر یعنی نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خطرہ ہی گزرا۔ نعمتوں کا حال بھی یہی ہے اور آفتوں کا حال بھی یہی۔ اسی لئے بار بار سوال کیا جا رہا ہے وما ادرٰئک مایوم الدین ثم ما ادرٰئک مایوم الدین۔ تمھیں کیا خبر کہ انصاف کا دن کیا ہے اور کیسا ہے؟ پھر غور کرو' سوچو سمجھو کہ انصاف کا دن' جس میں از آدم تا ایں دم جتنے کام کھلے چھپے کئے گئے

ان سب کا فیصلہ ہوگا اس کی تمھیں کیا خبر کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے؟ جب عمر بھر میں تم نے یا اور کسی نے ایسا منظر دیکھا ہی نہیں تو کیا بتا سکتے ہو کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے؟ جب تم بتا نہیں سکتے تو اس کی مختصر سی روداد ہم سے سنو۔ ہم ہی بتائے دیتے ہیں۔

یوم لا تملك کی تفسیر يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ کوئی بھی کسی کے کچھ بھی کام نہ آسکیگا اور ساری حکومت اس دن اللہ کی ہوگی " نہ بیٹا باپ کے کام آسکتا ہے اور نہ باپ بیٹے کے' نہ بھائی بھائی کے نہ کوئی عزیز قریب اپنے رشتہ دار قرابت دار کے' نہ شوہر بی بی کے اور نہ بی بی شوہر کے' نہ پڑوسی اپنے پڑوسی کے' نہ جان پہچان والا اپنے جان پہچان والے کے' سب کو نفسی نفسی لگی ہوگی الا ما شاء اللہ۔ اس دن ساری حکومتیں ختم ہو جائینگی۔ نہ پادشاہت رہیگی نہ شہنشاہت' نہ یہ مجلس اقوام ہوگی اور نہ جمعیتہ الاقوام یہ تمام شیرازے بکھر جائیں گے اور جملہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اس دن حکومت رہیگی اللہ کی اور صرف اللہ کی تو سوچو سمجھو کہ تمھاری نجات کس میں ہے۔ خدا کو ماننے اور اسکی

اطاعت انقیاد میں یا اس کے انکار اور اس سے انحراف میں؟ واللہ الموفق

الحمدللہ کہ سورۂ انفطار کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ

وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ

83 Tayfeef Makky Verses 36

(۸۳)

سورۂ تطفیف

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور اس میں (۳۶) آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کی مناسبت اس طرح ہے کہ مکذبین یعنی

ــــــــــــــــ

عـہ مصاحف شریفہ میں عموماً اسی طرح لکھا ہے مگر تفاسیر میں روایات مختلف ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن زبیرؓ اور ضحاک سے مروی ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حضرت حسن بصریؒ عکرمہ اور سُدّی نیز حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت یہ ہے کہ یہ سورت شریفہ "مدنیہ" ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کا کچھ حصہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور کچھ مدینہ میں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ آخر ما نزل بمکۃ سورۃ المطففین (ابن الضریس) اور یہ بھی فرمایا:۔ اوّل ما نزل بالمدینۃ ويل للمطففین (ابن مردویہ، بیہقی) سب سے آخری سورت جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی وہ ویل للمطففین ہے۔ اور سب سے اول جو سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی وہ ویل للمطففین ہے۔ ان دونوں روایات کو ملانے سے یہی نتیجہ نکلا کہ اس کا کچھ حصہ مکہ مکرمہ میں اور کچھ مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ اس اعتبار سے

جھٹلانے والوں کا بیان ماقبل سورت میں بھی فرمایا گیا تھا۔ اس سورت شریفہ میں بھی ان کا ذکر آرہا ہے۔ نیز سورۂ انفطار میں ابرار اور فجار کے احوال مذکور ہوئے تھے یہاں بھی ذکر فرمائے جا رہے ہیں پھر یوم الدین یعنی یوم الجزاء اور انصاف کے دن کی اہمیت اوپر کی سورت میں بیان ہوئی تھی۔ اسی سلسلہ میں یہاں ایک خاص معصیت (ناپ تول میں کمی کرنے) کا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ یہ معصیت دیکھنے کو تو بالکل معمولی اور حقیر نظر آتی ہے کہ سیر بھر غلے میں سے تولہ دو تولے کم دیدئے۔ یا گز بھر کپڑے میں سے اکاد گرہ یا انچ کم کرکے کاٹ دیا جس سے خاطی کا نہ تو پیٹ بھر سکتا ہے اور نہ اس کا تن ڈھک سکتا مگر مفت کی معصیت اپنے سر لے لی۔ یہ گناہ اگرچہ معمولی و حقیر دکھائی دیتا ہے لیکن اللہ سبحانہٗ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اس کو مکیہ کہنا یا مدنیہ کہنا ہر دو بجائے خود صحیح ہے۔ اسی بنا پر بعض مفسرین نے فرمایا:- انھا لیست من احدھما بل نزلت بین مکة والمدینة لیصلح اللہ تعالیٰ امر اھل المدینة قبل ورود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیھم۔ یہ سورت شریفہ نہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور نہ مدینہ منورہ میں بلکہ ان دونوں حرمین شریفین کے درمیان نازل ہوئی اس لئے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ رونق افروز ہونے سے پیشتر ہی اہل مدینہ کے بعض امور کی اصلاح فرمادے شان نزول کے سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں ان سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس پر بھی باز پرس ہوگی اور اس کی سزا ملیگی تو یوم الدین کی اہمیت اور نمایاں ہوئی اور اس کی عظمت دلوں پر قائم ہوئی، اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہیں جن سے مناسبت و ربط ظاہر ہوتا ہے جن کا ذکر موجب طوالت ہے۔

شان نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة کانوا من اخبث الناس کیلا فانزل اللہ ویل للمطففین فاحسنوا الکیل بعد ذلک۔ (نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی)

جب نبی اعظم و اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا تو یہاں کے بیوپاریوں کا حال ماپ تول میں بہت ہی بدتر تھا۔ اسلئے اللہ سبحانہ نے سورۂ ویل للمطففین نازل فرمایا۔ اس کا مفید اثر یہ ہوا کہ ان لوگوں کا ماپ تول سب سے اچھا ہوگیا" ظاہر ہے کہ اس کی بدولت یہاں کے رہنے بسنے والوں کے دل اسلام کی خوبیوں کے معترف ہو رہے ہوں گے۔ اور ہر کس و ناکس اسلام اور مسلمانوں کو دل سے چاہنے لگا ہوگا۔ اور سچائی و راستبازی کا تخم ان کے قلوب میں جاگزیں ہوا ہوگا۔ اور عدل و انصاف کا شجرہ بارآور ہونے کی آس لگ گئی ہوگی۔ اور کیا چاہیئے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ''

3-1 3-2 وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ
3-3 يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝

خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کرلیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں

اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں ''

ایک تاجر کی بدمعاملگی سُدی کہتے ہیں:۔ قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ وبہا رجل یقال لہ ابو جہینۃ ومعہ صاعان یکیل باحدہما ویکتال بالآخر فانزل اللہ تعالی ویل للمطففین حضرت رسول دو جہاں علیہ صلوات الرحمان مدینے تشریف لائے تو وہاں ایک بیوپاری تھا جس کو لوگ ابو جُہینہ کہتے تھے۔ اس کے پاس صاع یعنی غلہ ماپنے کے دو پیمانے تھے۔ ایک سے لوگوں کو غلہ ماپ کر دیا کرتا اور دوسرے سے غلہ ماپ لیا کرتا۔ اس وقت اللہ سبحانہ نے سورۂ ویل للمطففین کو نازل فرمایا'' ظاہر ہے کہ اس کے پاس دو پیمانے تھے ایک سے دیا کرتا اور دوسرے سے لیا کرتا تو دینے کا پیمانہ چھوٹا اور لینے کا بڑا ہوگا۔ جبھی تو اس کی مذمت وارد ہوئی اور ایسے عمل سے روکا گیا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بیوپاریوں اور خصوصاً بنیوں کی عام عادت ہے کہ وہ ڈنڈی مارتے ہیں جس سے ان کی ناانصافی اور کمینگی و خست ظاہر ہوتی ہے اور برکت اٹھ جاتی ہے۔ اپنا حق پورا پورا وصول کر لینا فی نفسہ برا نہیں لیکن اس کی قباحت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ دوسروں کے حق کی حفاظت نہ کی جائے۔ یہاں یہی صورت تھی اسی وجہ سے اس واقعہ کو مذمت کے موقع پر بیان فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا شخص ناانصاف ہے اور دوسروں پر ظلم کرتا ہے اور اپنے حق کو اوروں کے حقوق کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔ نیز یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ ماپ تول میں کمی کرنے سے جو حق تلفی کی جاتی ہے گو یہ حق تلفی نہایت حقیر ہے لیکن جب اللہ سبحانہ نے ایسی معمولی بات کو ناپسندیدہ عمل قرار دیا ہے اور اس کو موجب عذاب بتلایا ہے تو جو حق تلفی اس سے زیادہ ہو وہ بدرجۂ اولیٰ ناپسندیدہ اور موجب عذاب شدید ہوگی۔

لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے کہ یہ حقوق العباد ہیں۔

ماپ تول کی کمی موجب قحط سالی

حضرت بریدۃؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ خمس بخمس ما نقض قوم العهد الا سلّط الله عليهم عدوّهم وما حكموا بغير ما انزل الله الا فشا فيهم الفقر وما ظهرت فيهم الفاحشة الا فشا فيهم الموت

ولا طففوا المکیال الا منعوا النبات واخذوا بالسنین ولا منعوا الزکاۃ الا حبس منہم القطر (حاکم) پانچ چیزیں پانچ چیزوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ جو کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے ان پر ان کا دشمن مسلط ہو جاتا ہے (یعنی ان کی حکومت جاتی رہتی ہے) اور جو قوم اللہ سبحانہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے خلاف فیصلے کرتی ہے ان میں افلاس پھیل جاتا ہے اور جس قوم میں فحش کاری (زنا وغیرہ) علانیہ ہونے لگتی ہے ان میں موت (طاعونؔ وبا وغیرہ) پھیل جاتی ہے اور جو قوم ماپ تول (یا گز گنتی) میں کمی کرنا شروع کرتی ہے تو وہاں کی پیداوار روک دی جاتی اور قحط سالی کا شکار ہوتی ہے اور جو قوم زکاۃ دینا چھوڑ دیتی ہے وہاں بارش نہیں ہوتی۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں:۔

ابر نایدا ز پئے منع زکات   از زنا افتد وبا اندر جہات

ماپ تول کی کمی کی شامت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

ما ظہر الغلول فی قوم الا القی اللّٰہ فی قلوبھم الرعب ولا فشا الربوا فی قوم الا کثر فیھم الموت ولا نقص قوم ن المکیال والمیزان الا قطع عنھم الرزق والا حکم قوم بغیر حق الا فشا فیھم الدم ولا ختر

قوم بالعھد الا سلط اللہ علیھم العدو۔ (طبرانی، امام مالک) جس قوم میں علانیہ خیانت غالب آجاتی ہے تو اللہ سبحانہ ان کے دلوں میں دشمن کا رعب ڈال دیتا ہے۔ اور جن میں سود خواری پھیل جاتی ہے وہ امراض و بائیہ کا شکار ہوتی ہے اور جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے تو ان کا رزق چھین لیا جاتا ہے۔ اور جو قوم ناحق فیصلے کرتی ہے ان میں خونریزی کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اور جو قوم عہد شکنی کرنے لگتی ہے اللہ ان پر ان کے دشمن کو مسلط فرما دیتا ہے"۔

روٹی، رزق سے محرومی جو ماپ تول میں کمی کی شامت میں نصیب ہوتی ہے اس کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ اس کو دانے دانے کا محتاج کر دیتا ہے۔ اور ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاس سب کچھ میسر و مہیا ہوتا ہے لیکن وہ اس میں سے کھا نہیں سکتا۔ مثلاً کسی مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اطبا سخت پرہیز بتلاتے ہیں جس کے باعث ایسے لوگ بہت ساری نعمتوں سے میسر ہونے کے باوجود محروم ہیں اللھم احفظنا۔ آمین۔

ابن عمرؓ کا اہتمام حضرت ابن عمرؓ کا عمل درآمد تھا:۔ کان یمرّ بالبائع فیقول اتق اللہ اوف الکیل والوزن فان المطففین یوقفون یوم القیامۃ حتیٰ ان العرق لیلجمھم الی انصاف آذانھم۔ (بغوی) آپ بازار میں

گشت لگاتے اور ایک ایک بیوپاری کے پاس سے گزرتے اور فرماتے تھے کہ میاں! اللہ سے ڈرو' برابر ناپو' برابر تولو' کیونکہ اس میں کمی کرنے والے قیامت کے دن اتنا کھڑے کئے جائیں گے کہ نصف کان تک پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اور ایسا دکھائی دیگا کہ ان کو پسینہ کی لگام لگا دی گئی ہے"

ویل کی تفسیر بہرحال ارشاد ہو رہا ہے کہ ماپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے ویل ہے۔ لفظ ویل کے کئی معانی ہیں۔ شدۃ الشر۔ حد درجہ کی خرابی اور برائی' والحزن والهلاك بڑا دکھ اور تباہی و بربادی۔ عذاب الیم نہایت دردناک عذاب' جبل فی جھنم۔ دوزخ میں ایک پہاڑ ہے۔ ظاہر ہے کہ پہاڑوں میں خوفناک درندے' زہریلے سانپ' بچھو' اژدہے رہتے ہیں۔ فی زمانا کوہ ہمالیہ پر چڑھائی کیلئے جو لوگ روانہ ہوتے ہیں ان کو اقسام کے مصائب و آلام سے سابقہ رہتا ہے۔ پھر جہنم میں ایسا مقام ہو تو وہ کیسا ہیبت ناک اور خوفناک مقام ہوگا۔ جہاں ان کو ٹھہرایا جائیگا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ویل واد فی جھنم یھوی فیه الکافر اربعین خریفا قبل ان یبلغ قعرہ۔ (امام احمدؒ ترمذی) جہنم کی ایک وادی کا نام ویل ہے جس میں کافر چالیس سال تک اترتا ہی رہیگا اور ابھی اس کی تہ تک پہنچنے نہیں پاتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں تصریح ہے: — وادٍ فی جھنّم من قیح ۔ (ابن ابی حاتم) ویل نامی ندی جو جہنم میں ہے وہ پیپ کی ندی ہے" اس میں ناپ تول کی کمی کرنے والے غوطے کھاتے رہیں گے۔ نیز صحیح ابن حبانؒ اور مستدرک حاکم کی روایت صحیحہ میں مزید صراحت یہ ہے: — وادٍ بین جبلین یھوی فیہ الکافر الخ ویل نامی ندی جہنم کے دو پہاڑوں کے درمیان سے بہتی ہے کافر اس میں چالیس سال تک غوطے کھاتا رہیگا" نہ اس کو عبور کر سکتا ہے اور نہ اس کی تہ تک پہنچ سکتا ہے پھر پہاڑوں کے درمیان ہونے سے وہاں کے سانپ اور اژدہوں وغیرہ سے جدا سابقہ رہیگا۔ نیز ویل کا لفظ کمال حسرت و ندامت کے معنی میں بھی آتا ہے۔

تطفیف کی مختلف صورتیں حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں: — انّما الصلوٰۃ مکیال فمن اوفیٰ اُوفی لہ ومن طفّف فقد سمعتم ما قال اللّٰہ فی المطففین (سعید بن منصورؒ ابن ابی شیبہ) نماز بھی ایک پیمانہ ہے (جس سے انسان کے ایمان کا اندازہ کیا جاتا ہے) لہٰذا جس نے نماز کا حق ادا کیا اس کو پورا پورا صلہ دیا جائیگا۔ اور جس نے اس میں کمی کی تو اس کی جزا کیا ہوگی اُس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے ماپ تول سے صرف غلہ وغیرہ کا لین دین مراد نہیں بلکہ ہر عمل میں ماپ تول ہے جیسا کروگے ایسا ہی پاؤگے۔

حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں :۔ ترک المکافاۃ تطفیف قال اللہ
ویل للمطففین ۔ (عبد بن حمید، بیہقی) کسی کے احسان کا حق ادا نہ کرنا بھی حق تلفی ہے
اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے خرابی ہے حق تلف کرنے والوں کی ۔" ارشاد باری ہے :۔
ھل جزاء الاحسان الا الاحسان ۔ احسان کا بدلہ احسان ہی ہو سکتا ہے ۔" اگر
کوئی تمھارے ساتھ نیک سلوک کرے تو تم کو اس کا حق ماننا چاہیئے ۔ اگر تم حسن سلوک
نہ کر سکو تو کم از کم اس کے حق میں دعائے خیر کرو اور اس کے شکر گزار رہو ۔ ورنہ اس کی
حق تلفی ہوگی ۔

3-4 اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۙ یَّوْمَ
3-5 یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ کیا یقین نہیں رکھتے وہ لوگ کہ وہ اٹھائے
3-6 جائیں گے ، اس بڑے دن کے واسطے جس دن کھڑے ہوں گے تمام لوگ رب العالمین
کے انتظار میں ۔"

انتظار صبر آزما ہے یعنی یہ لوگ اپنے حق کی حفاظت تو خوب جانتے ہیں لیکن
دوسروں کے حقوق سے اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں ۔ کیا ان کو یقین نہیں آتا کہ مرنے
کے بعد ایک دن اٹھنا ہے ۔ اور وہ دن حد درجہ ہولناک ہوگا جس میں ذرے ذرے
کا حساب لیا جائے گا ۔ اور حساب کے لئے تمام بنی آدم اکٹھے کئے جائیں گے ۔ یہ حساب

رب العالمین کے حضور میں ہوگا جہاں رب العالمین کے انتظار میں عرصہ دراز تک کھڑے رہنا پڑیگا۔ انتظار کیسا صبر آزما ہے اس کو سب جانتے ہیں۔ الانتظار اشد من الموت۔ کسی کی راہ دیکھتے رہنا، موت سے بھی سخت تر ہے۔" اور یہاں تو رب العالمین کا انتظار ہے جس پر کسی کا کچھ نہیں چل سکتا۔

طول قیام کا اثر حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین حتی یغیب احدھم فی رشحہ الی انصاف اذنیہ۔ (امام مالکؒ، ہناد، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن المنذر، ابن مردویہ) جس دن تمام لوگ رب العالمین کے انتظار میں کھڑے رہیں گے تو اتنا کھڑے رہنا ہوگا کہ ان میں کا ایک ایک شخص اپنے پسینے میں نصف کان تک ڈوبا ہوا ہوگا۔"

مدت انتظار مدت انتظار کے باب میں روایات مختلف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے:۔ اذا حشر الناس قاموا اربعین عاما۔ جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو رب العالمین کے انتظار میں چالیس سال تک کھڑے کے کھڑے رہینگے۔" حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:۔ یقوم الناس علی اقدامھم یوم القیامۃ ثلاث مائۃ سنۃ۔ (ابن مردویہ) لوگ اپنے پاؤں پر قیامت کے دن تین سو سال تک

کھڑے رہیں گے"۔ حضرت ابوہریرہؓ حضرت قتادہ اور کعب احبار کی روایات میں بھی یہی مدت مذکور ہے۔ (عبدبن حمید، ابن المنذر، ابن مردویہ) حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت میں ہے:۔ انّہ قال یا رسول اللّٰہ کم قیام الناس بین یدی رب العالمین یوم القیامۃ قال الف سنۃ لا یوذن لھم (طبرانی) خود عبداللہ بن عمروؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کے دن لوگ رب العالمین کے حضور میں (یا انتظار میں) کب تک کھڑے رہیں گے؟ تو ارشاد ہوا کہ ایک ہزار سال تک۔ ان کو بیٹھنے کی اجازت تک نہ ہوگی"۔ قاسم بن ابی بزہؓ کہتے ہیں:۔ حدثنی من سمع ان عمرؓ قرأ ویل للمطففین حتی بلغ یوم یقوم الناس لرب العالمین بمقدار نصف یوم من خمسین الف سنۃ۔ (امام احمدؒ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنتے ہوئے لوگوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی آپ نے سورہ ویل للمطففین کی تلاوت کی۔ یہاں تک کہ آیۂ کریمہ یوم یقوم الناس رب العالمین پر پہنچے تو فرمایا کہ لوگ قیامت کے پچاس ہزار برس کے برابر دن میں اس کے آدھے دن تک (یعنی پچیس ہزار برس تک) کھڑے رہیں گے"۔ یہ قیام کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ چالیس سال یا تین سو سال اور ایک ہزار سال یا پچیس ہزار سال کی مدت کا اختلاف ان کفار کے کفر کے اعتبار سے ہے۔ جو کوئی اپنے کفر میں جیسا

شدید اور کٹر ہوگا اس کے لحاظ سے اس کی مدت قیام بھی دراز تر ہوگی۔
اس کی صراحت حضرت مقدادؓ کی حدیث میں آگے آرہی ہے۔

مومن کی شان رہا مومن، اس کی نسبت ان ہی مذکورہ احادیث شریفہ میں صراحت فرمائی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ روایت میں ہے:۔

فیھون ذلك الیوم علی المؤمن کتدلی الشمس للغروب حتی تغرب۔

(امام احمدؒ) وہی دن مومن کے حق میں اتنا سہل اور آسان ہو جائیگا جیسے غروب کے وقت آفتاب جھک جاتا ہے تا آنکہ وہ غروب ہو جائے" حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ ویخفف اللہ ذلك الیوم ویقصرہ علی المومن کمقدار نصف یوم او کصلاۃ مکتوبۃ (عبد بن حمید) اور اللہ سبحانہ اسی دن کو مومن کے حق میں اتنا خفیف اور مختصر فرمادیگا جیساکہ (ایام دنیا سے) نصف دن، یا ایک فرض نماز کی ادائی میں جتنا وقت درکار ہوتا ہے" حضرت حذیفہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے یہاں بھی اوقات کا اختلاف مومن کی قوت ایمانیہ اور اس کے اعمال صالحہ وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔

قیامت کی ہولناکی یہ تو قیامت کے دن لوگوں کے کھڑے رہنے کا بیان ہوا۔ اسی طرح قیامت کی ہولناکی سے متعلق دوسری چیزیں جو درپیش ہوں گی اس کا بھی

کچھ بیان مختصراً سن لیجئے۔ مثلاً اس قیام کے دوران ہیں یہ لوگ پسینے میں جو شرابور ہونگے اس باب میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یعرق الناس یوم القیامۃ حتی یذھب عرقھم فی الارض سبعین باعاً و یلجمھم حتی آذانھم۔ (بخاری شریف، مسلم شریف) قیامت کے دن لوگ اس درجہ پسینہ پسینہ ہو جائیں گے کہ نیچے کی زمین سات باع تک تربتر ہو جائیگی اور پسینہ ان کے کانوں تک پہنچ جائیگا۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ ان الکافر یلجم بعرقہ یوم القیامۃ حتی یقول یا رب ارحنی ولو الی النار (طبرانی، ابو یعلیٰ، ابن حبان) قیامت کے دن ایک ایک کافر کو پسینہ اس کے ہونٹوں تک بھرا ہوا ہوگا یہاں تک کہ اس کی تاب نہ لاکر وہ کہنا شروع کریگا کہ پروردگار من! مجھے اس سے چھٹکارا دلائیے اگرچہ دوزخ میں پہنچا کر ہی سہی" حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان العرق لیلجم الرجل فی الموقف حتی یقول یا رب ارسالک لی الی النار اھون علی مما اجد وھو یعلم ما فیھا من شدۃ العذاب۔ (حاکم) موقف میں (جہاں کفار کو ٹھہرایا جائیگا) ایک ایک شخص کو پسینہ اس کے لگاموں تک پہنچا ہوا ہوگا۔ بالآخر وہ فریاد کرنے لگیگا کہ اے میرے پروردگار! اگر آپ مجھے دوزخ میں ہی بھیجدیں تو

شاید یہ صورت میرے حق میں سہل تر ہو اس تکلیف کے مقابلہ میں جس کو میں یہاں پا رہا ہوں۔ حالانکہ دوزخ میں جو عذاب شدید رکھا گیا ہے اسکی کیفیت اسکو بخوبی معلوم ہوگی"۔

پسینہ کا سبب آفتاب کی قربت کفار پسینہ میں اس درجہ شرابور ہونے کا سبب کیا ہے؟ اس کو حضرت مقداد بن اسودؓ کی اس حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے وہ فرماتے ہیں: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول تدنوا الشمس یوم القیامۃ من الخلق حتی یکون منھم مقدار میل۔ (مسلم شریف) میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن آفتاب مخلوقات سے اتنا قریب ہوجائیگا کہ ان دونوں میں صرف ایک میل کی مسافت رہ گئی ہے"۔ بحالت موجودہ جب کہ آفتاب ہم سے کروڑوں میل دور ہے تو اس کی تمازت خصوصاً موسم گرما میں اتنی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ غور کیجئے کہ جب وہ ایک میل کے فاصلہ پر آجائے تو کیا حالت ہوگی؟ یہی وجہ ہے کہ پسینے میں لوگ اتنے بھر جائینگے۔ اور اسکی ایسی شدت محسوس کرکے دوزخ میں ڈال دئے جانے ہی کو نجات سمجھیں گے۔

پسینے کی کمی زیادتی بدعملی کے اعتبار سے اس حدیث شریف کے راوی سلیم بن عامرؒ فرماتے ہیں:۔ فواللہ ما ادری ما یعنی بالمیل امسافۃ الارض ام المیل الذی یکحل بہ العین فیکون الناس علی قدر اعمالھم فی العرق فمنھم من یکون الی کعبیہ

ومنھم من یکون الی رکبتیہ ومنھم من یکون الی حقوتہ ومنھم من یلجمہ العرق لجاما واشار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہٖ الی فیہ۔ (مسلم شریف) پھر تو خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ یہاں میل سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ میل جس سے زمین کی مسافت دریافت کی جاتی ہے یا وہ سلائی جس کو (سرمہ لگانے کیلئے) آنکھوں میں پھرایا جاتا ہے (کیوں کہ "سلائی" کو بھی عربی میں میل کہتے ہیں)۔" (پھر حضور اکرمؐ نے فرمایا) لوگوں کا پسینہ ان کے برے اعمال کے اعتبار سے کم زیادہ ہوگا۔ کوئی پسینہ میں اپنے ٹخنوں تک ڈوبا ہوا ہوگا۔ کوئی اپنے گھٹنوں تک، کوئی اپنی کمر تک اور کوئی اپنے لگاموں تک۔ راوی کا بیان ہے کہ جب حضور نے آخری کلمہ ارشاد فرمایا یعنی کسی کا پسینہ اس کے لگاموں تک ہوگا تو اپنے دست مبارک سے اپنے دہن شریف کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں تک پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا۔" حضرت عقبہ بن عامرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے (امام احمدؒ، طبرانیؒ، ابن حبانؒ حاکم بروایت صحیح، بیہقی) حضرت ابو امامہ باہلیؓ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے:۔

ویزاد فی حرّھا کذا وکذا تغلی منھا الھوام کما تغلی القدور (امام احمدؒ، طبرانیؒ)

اور اس کی حرارت اور تپش اتنی زیادہ ہوگی کہ اس کی وجہ سے سر میں کا بھیجا جوش کھاتا رہیگا جیسا کہ ہانڈی جوش کھاتی رہتی ہے۔"

قیامت کا دن موت سے بھی سخت تر ہے | حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور

سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لم یلق ابن آدم شیئا منذ خلق اللّٰہ اشد علیہ من الموت وھو اھون مما بعدہ وانھم لیلقون من ھول ذلک الیوم شدۃ حتی یلجمھم حتی ان السفن لواجریت لجرت۔ (امام احمدؒ طبرانی بسند جید) ابن آدم کو اللہ سبحانہ نے جب سے پیدا کیا ہے کسی ایسی چیز سے کبھی سابقہ ہی نہیں پڑا کہ وہ چیز اسکے حق میں موت سے بھی سخت تر ہو۔ لیکن موت کے بعد اس کو ایسی ایسی چیزوں سے سابقہ رہیگا کہ ان کے مقابلے میں موت بھی حقیر سمجھی جائیگی۔ اس دن لوگ اتنی شدت محسوس کریں گے کہ پسینہ ان کے منہ تک آئیگا۔ اور اس درجہ ہوگا کہ اگر اس میں کشتیاں ڈالی جائیں تو وہ بھی اس میں رواں ہوسکیں گی۔"

قیامت میں اہل ایمان کا اعزاز حضرت ابن عمروؓ فرماتے ہیں:۔ یشتد کرب ذلک الیوم حتی یلجمھم الکافر العرق قبل الحساب قیل لہ فاین المومن قال علی کراسی من ذھب ویظل علیھم الغمام۔ (بیہقی) اس دن کی سختی اتنی شدت اختیار کرجائیگی کہ حساب لینے سے پیشتر ہی ایک ایک کافر اپنے پسینے میں منہ تک ڈوبا ہوا ہوگا۔ یہ سن کر لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ پھر اہل ایمان کہاں ہوں گے؟ تو فرمایا مومنین طلائی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ ان پر ابر رحمت سایہ فگن ہوگا۔" حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس مضمون کی روایات آئی ہیں۔

دوسرا اعزاز عریانی سے محفوظ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں:۔ تدنی الشمس من رؤس الخلائق یوم القیامۃ قاب قوسین ویعطی حر عشر سنین ولیس احد من الناس علیہ یومئذ صحرۃ الی خرقۃ ولا یری عورۃ مؤمن ولا مؤمنۃ ولا یجد حرّھا مؤمن ولا مؤمنۃ وأما الکافر فیطبخھم طبخاً حتی یسمع لاجوافھم عق عق۔ (ہنادؒ ابن المبارک) قیامت کے دن آفتاب، لوگوں کے سروں سے دو کمانوں کی مقدار قریب کیا جائیگا۔ اور اس میں دس سال کی تپش اور حرارت ڈالدی جائیگی اس دن لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کے بدن پر کپڑے کی ایک دھجی بھی ہو (یہ کافروں کے حق میں ہوگا۔) کسی مرد مومن یا کسی ایمان دار عورت کا قابل ستر حصہ دکھائی نہ دیگا۔ اور آفتاب کی گرمی یا تپش کسی مسلمان مرد یا عورت پر اثر انداز نہ ہوگی۔ رہا کافر وہ تو تمام کے تمام خوب پکتے رہیں گے، اتنا کہ پکنے کی آواز ان کے پیٹ سے عق عق (کھت کھت) آتی رہیگی۔" اللھم احفظنا آمین بجاہ سید المرسلینؐ۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِىْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ 83-7 83-8
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ 83-9 83-10
بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى 83-11 83-12
عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ایسا نہ کرنا چاہیئے بے شک 83-13

ـــہ السجّین مشتقّ من السّجن بمعنی الحبس فی القاموس السجّین کالسکّین الحبس الدائم الشدید قال الاخفش فعّیل من السجن کما یقال فِسّیق وشرّیب معناہ لفی حبس شدید وقال عکرمۃ لفی سجّین ای فی خسار و ضلال لما کان کتاب الفجّار ای ما فی الکتاب من الاعمال موجبا لکونہم فی الحبس والخسار والضلال اسند ذلك الی الکفّار مجازا۔ (مظہری) سجّین سجن سے مشتق ہے جس کے معنی قید کے ہیں۔ قاموس میں ہے: سِجّین بروزن سکّین دائمی قید با مشقت۔ اخفش نے کہا یہ لفظ سجن سے بنا ہے فِعّیل کے وزن پر جیسے کہا جاتا ہے فسّیق پر لے درجہ کا فاسق، شِرّیب بڑا پیوٹ۔ اب معنی یہ ہوئے کہ فجار سخت قید میں ہوں گے۔ اور عکرمہ نے کہا کہ لفی سجین کے معنی یہ ہیں کہ فجار سخت گھاٹے اور گمراہی میں ہوں گے۔ کیونکہ اعمال نامہ میں ان کے جو اعمال درج ہوں گے چونکہ ان کے قید میں ہونے اور سخت گھاٹے اور گمراہی میں

اعمال نامہ گنہ گاروں کا سجّین میں ہے، تمھیں کیا معلوم کہ کیا ہے سجّین ؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا، خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی، جو جھوٹ جانتے ہیں انصاف کے دن کو، اور اس کو جھٹلاتا ہے وہی جو بڑھ چڑھنے والا گنہگار ہے، جب پڑھی جاتی ہیں اس پر ہماری آیتیں تو کہتا ہے یہ تو صرف نقلیں ہیں اگلوں کی۔"

تفسیر آیات یعنی یہ خیال کہ انسان دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر رب العالمین کے حضور میں حساب دینے کے لئے کھڑا نہ ہوگا ایسا خیال نہ کرنا چاہئے بلکہ ضرور اس کو کھڑا ہونا اور عمر بھر کا حساب دینا ہوگا اور اسی ضمن میں اس نے کسی کی حق تلفی کی تھی مثلاً ماپ تول میں یا گز گنتی کے ناپ میں کمی کی تھی تو اس کا حساب بھی دینا اور اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا اس لئے کہ اللہ سبحانہ نے دار آخرت میں فجار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہونے کا باعث ہوں گے اس لئے اس کی نسبت کفار ہی کی طرف مجازاً فرمائی گئی ہے۔" راغب لکھتے ہیں:۔ والسجین اسم لجھنم بازاء علّیّین وزید لفظہ تنبیھا علی زیادۃ معناہ وقیل ھو اسم للارض السابعۃ۔ (مفردات) سجّین دوزخ کا ایک نام ہے علّیّین کے مقابلہ میں۔ اس میں زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سجّین زمین کے ساتویں طبقہ کا نام ہے۔"

اور ابرار دونوں فریق کے اعمال نامے لکھ رکھے اور ان کو متعلقہ دفاتر میں محفوظ کر رکھا ہے
چنانچہ کتاب الفجار یعنی کافروں کے اعمال نامے ان کے متعلقہ دفتر میں محفوظ ہیں جس کا
نام "سجین" ہے۔ اے مخاطب! تجھے کچھ معلوم ہے کہ سجین کیا ہے؟ لکھا ہوا دفتر
ہے جس میں تمام اعمال ناموں کا اتارا لے لیا گیا ہے اور ہر ایک کی مثل مرتب کر کے اصل
نامۂ اعمال کے ساتھ محفوظ کی گئی ہے۔ اس وقت تو وفات پائے ہوئے لوگوں کے
اعمال نامے اور ان کی اشلہ متعلقہ بند اور محافظ خانے میں داخل دفتر کر دی گئی ہیں
جب یہ لوگ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور رب العالمین کے حضور میں
پیش کئے جائیں گے تو محافظ خانہ کھولا جائے گا اور ہر ایک کا مواد اشلہ متعلقہ
سے برآمد کیا جائے گا۔

ویل یومئذ کی تفسیر | وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۔ اس دن اس انتظام
کو جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔" کیونکہ ان کو اس کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے
من مانے کام کرتے رہے۔ نہ کتاب اللہ کو اللہ کی کتاب سمجھا اور نہ پیغمبروں کو اللہ
کے بھیجے ہوئے رسول مانا۔ بلکہ ان کا یقین کرنے اور ان پر ایمان لانے کی جگہ ان کو
جھٹلاتے رہے۔ جب یہ حالت تھی تو اپنے اعمال کا جائزہ کب لیا گیا اور ان کے اصلاح
کی کونسی فکر کی گئی۔ ساری زندگی اسی تکذیب۔ استہزاء تمسخر میں گزری۔ اسی حالت میں

جب بیدار ہوئے تو میدان محشر سامنے تھا۔ اب سوائے کف افسوس ملنے کے چارۂ کار اور کیا ہے؟ اور وقت گزرجانے کے بعد افسوس سے کیا فائدہ ہے؟ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اس دن مکذبین کی بڑی خرابی ہے۔

مکذبین کون ہیں؟ یہ مکذبین ہیں کون؟ تو ارشاد ہو رہا ہے:۔ اَلَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ وَمَا یُکَذِّبُ بِہٖٓ اِلَّا کُلُّ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ۔ یہ وہی لوگ ہیں جو یوم الدین یعنی یوم الجزاء کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ اور تکذیب سوجھتی ہے اسی کو جو شرارت میں حد سے بڑھا ہوا اور سر تا پا گناہوں میں گرفتار ہو"یوم الدین کا یقین نہ ہونے کے باعث نہ تو وہ ماپ تول کے معمولی گناہ سے چوکتا ہے اور نہ بڑے بڑے گناہ سے اور نہ اپنے خالق اور منعم کا حق مانتا ہے۔ نہ اس کی کتابوں کو تسلیم کرتا ہے اور نہ اسکے رسولوں پر ایمان لاتا۔ چنانچہ اللہ کے پیغمبر جب اس کی کتابوں کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں تو کمال بے پرواہی اور حد درجہ کی ڈھٹائی سے کہتا ہے یہ تو وہی اگلے لوگوں کی حکایتیں اور نقلیں ہیں۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہیں عاد و ثمود کے قصے ہیں اور کہیں لوطؑ و شعیبؑ کی کہانیاں ہیں۔ جن کو سنتے سنتے ہمارے کان بہرے ہو چکے ہیں اب یہ تمام پارینہ نقلیں ختم کر دیجئے۔

ارواح کفار سے آسمان و زمین کی بیزاری حضرت ابن عباسؓ نے عالم یہود

حضرت کعب احبار سے آیۂ کریمہ ان کتاب الفجار لفی سجین کی تفسیر دریافت کی تو انھوں نے فرمایا :۔ ان روح الفاجر یصعد بھا الی السماء فتأبی السماء ان تقبلھا فیھبط بھا الی الارض فتابی الارض ان تقبلھا فیدخل بھا تحت سبع ارضین حتی ینتھی بھا الی السجین و ھو خد ابلیس فیخرج لھا من تحت خد ابلیس کتابا فیختم و یوضع تحت خد ابلیس لھلاکہ للحساب فذلك قولہ تعالی وما ادرٰك ما سجین کتاب مرقوم۔

(ابن المبارک، عبد بن حمید، ابن المنذر) کافر بدکار کی روح کو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے تو آسمان اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے پھر اس کو زمین پر اتار دیا جاتا ہے تو زمین بھی اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ پھر اس کو سات طبق زمین کے نیچے لیجا کر اس کے نچلے حصے میں جہاں سجین ہے پہنچا دیا جاتا ہے جو ابلیس کی خوابگاہ ہے پھر ابلیس کے رخسار کے نیچے سے ایک تحریر نکال کر اس پر مہر لگا دی جاتی اور اس کو ابلیس کے رخسار کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے تاکہ یوم الحساب میں اس شخص کی تباہی و بربادی کا سامان فراہم ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ وما ادرٰك ما سجین کتاب مرقوم کا مطلب یہی ہے“

سجین کی تفسیر حضرت محمد بن کعبؓ فرماتے ہیں :۔ قد رقم اللہ علی الفجاؔ

ماھم عاملون فی سجین فھو اسفل والفجار منتھون الی ما رقم اللّٰہ علیھم (سعید بن منصور، ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے (اپنے علم ازلی کی بنا پر فجار کے متعلق سجین (دفتر اعمال) میں وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جو وہ (دار دنیا میں) کرنے والے تھے پس سجین سب سے نچلا مقام ہے اور فجار اللہ سبحانہ کے لکھے کے پاس آکر رک جاتے ہیں" یعنی ان کا عمل اس سے آگے بڑھنے نہیں پاتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ الفلق جبّ فی جھنّم مغطی واما سجین فمفتوح۔ (ابن جریر) فلق نامی جہنم میں ایک بڑی باؤلی ہے جس کا دہانہ ڈھکا ہوا ہے رہا سجین (وہ بھی ایک بڑی باؤلی کا نام ہے (جو جہنم میں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ) اس کا دہانہ کھلا ہوا ہے" حضرت مجاہدؒ نے ارشاد باری کلا ان کتاب الفجار لفی سجین کی تفسیر میں فرمایا:۔ تحت الارض السفلیٰ فیھا ارواح الکفار واعمالھم اعمال السوء (عبد بن حمید) سجین صخرۃ تحت الارض السابعۃ فی جھنم تقلب کتاب الفجار تحتھا۔ (ابو الشیخ محاملی) سجین سب سے نچلی زمین میں ہے جہاں کافروں کی روحیں اور ان کے اعمال جو درحقیقت برے اعمال ہیں رکھے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ سجین دوزخ میں پتھر کی ایک چٹان ہے جو ساتویں زمین کے نیچے واقع ہے۔ (جب کوئی کافر مرتا ہے تو) اس چٹان کو اٹھایا جاتا اور

اس کا اعمال نامہ اس کے نیچے رکھا جاتا ہے۔" حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں: — حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الملك یرفع العمل للعبد یری ان فی یدہ سرورا حتی ینتھی الی المیقات الذی وصفہ اللہ لہ فیضع العمل فیہ فینادیہ الجبار من فوقہ ارم بما معك فی سجین وسجین الارض السابعۃ فیقول الملك ما رفعت الیك الا حقا فیقول صدقت ارم بما معك فی سجین۔ (ابن مردویہ) فرشتہ بندے کے عمل کو اٹھا لیجاتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ موجب مسرت ہے۔ تاآنکہ وہ اس حد پر آکر رک جاتا ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اسے بتلادیا ہے اور اس عمل کو وہ وہاں رکھ دیتا ہے۔ اتنے میں صدر سے جبار تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہے اس کو سجین میں پھینکدو۔ سجین ساتویں زمین پر ہے۔ اس پر فرشتہ عرض کرتا ہے کہ میں جو کچھ اٹھا لایا ہوں وہ حقیقت نفس الامری ہے۔ اس پر ارشادِ باری ہوتا ہے کہ تم سچ کہتے ہو اس کو سجین میں پھینک دو۔"

ارواح المومنین کی آزادی عبداللہ بن کعب بن مالکؓ کہتے ہیں: — لما حضرت کعبا الوفاۃ اتتہ ام بشر بنت البراء فقالت ان لقیت ابنی فاقرئہ منی السلام فقال لھا غفر اللہ لك یا ام بشر نحن اسفل من ذلك

فقالت اما سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول انّ نسمۃ المؤمن تسرح فی الجنّۃ حیث شاءت وانّ نسمۃ الکافر فی سجّین قال بلیٰ فھو ذلک

(عبد بن حمید، ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی) جب (میرے والد ماجد) کعب بن مالکؓ کی وفات ہونے لگی تو ان کے پاس حضرت براء بن عازبؓ کی دختر ام بشرہؓ آئیں اور فرمائش کی کہ اگر میرے (مرحوم) بچے سے آپ کی ملاقات ہو جائے تو اس کو میرا سلام پہنچا دیجئے کعبؓ نے کہا: — اے اُم بشرؓ! اللہ سبحانہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ ہم تو اُن سے نیچے کے درجہ میں ہوں گے (پھر ملاقات کی کیا صورت؟) اُم بشرؓ نے کہا کیا آپ نے حضرت رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سُنا، آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ مومن کی روح جنت میں رہتی ہے اور وہ جہاں چاہے سیر کرتی رہتی ہے۔ البتہ کافر کی روح سجّین (قید خانہ) میں محبوس رہتی ہے۔" یہ سُنکر کعب نے کہا کیوں نہیں؟ (ایسا سنا تو ہے۔) اس پر اُم بشرؓ نے کہا بس تو ہمارا سلام پہنچا دیجئے۔"

سلمانؓ اور ابن سلامؓ کا معاہدہ حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں: —

التقی سلمان وعبد اللّٰہ بن سلام فقال احدھما لصاحبہ ان متّ قبلی فالقنی فاخبرنی بما صنع ربّک بک وان اقامتّ قبلک لقیتک فاخبرتک فقال عبد اللّٰہ کیف یکون ھذا قال نعم ان ارواح المؤمنین

تکون فی برزخ من الارض تذهب حیث شاءت ونفس الکافر فی سجین۔

(ابن المبارک) حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی ملاقات ہوئی تو ان دونوں میں سے ایک (سلمان فارسیؓ) نے اپنے رفیق (عبداللہ بن سلامؓ) سے کہا کہ اگر آپ کی وفات، مجھ سے پہلے ہو جائے تو آپ مجھ سے ملیں اور آپ کے پروردگار نے آپ کے ساتھ جو سلوک فرمایا اس کی مجھے خبر دے دیں۔ اور اگر میں آپ سے پہلے انتقال کر جاؤں تو میں آپ سے مل کر خبر دے دوں گا۔ اس پر عبداللہؓ نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکیگا؟ حضرت سلمانؓ نے کہا ہاں ہاں ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ اہل ایمان کی روحیں عالم برزخ میں ہوتی ہیں اور وہ جہاں چاہیں جا سکتی ہیں۔ البتہ کافر کی روح سجین میں محبوس رہتی ہے۔"

طلبہ علوم عربیہ سے خطاب

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۔ اور اے مخاطب! تجھے کیا خبر کہ سجین کیا ہے۔" راغب کہتے ہیں:۔

وقد قیل ان کل شیئ ذکرہ اللہ تعالیٰ بقولہ وما ادراک فسرہ وکل ما ذکر بقولہ وما یدریک ترکہ مبہما وفی ھذا الموضع ذکر وما ادراک وکذا فی قولہ وما ادراک ما علیون ثم فسر الکتاب لا السجین والعلیین

(مفردات) ایسا کہا گیا ہے کہ جس جس چیز کے بیان میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے وما ادراک

فرمایا ہے تو ساتھ ہی اس کی تفسیر بھی فرمادی ہے اور جہاں کہیں وما یدریك
(بصیغۂ مضارع) فرمایا ہے اس کو یوں ہی مبہم چھوڑ دیا گیا ہے (اس کی تفسیر نہیں فرمائی گئی)
چنانچہ یہاں کتاب الفجار کے سلسلے میں وما ادرٰلك فرمایا۔ اسی طرح کتاب الابرار
کے سلسلے میں بھی آگے وما ادرٰلك آرہا ہے۔ پھر ساتھ ہی ہر ایک کتاب (کتاب الفجار
اور کتاب الابرار) کی تفسیر بھی بیان فرمادی ہے وما ادراك سے سجین اور
علیین کی تفسیر بیان نہیں فرمائی گئی۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ علامہ راغب نے جو کلیہ یہاں بیان فرمایا ہے
وہ لغت اور محاورے کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ یہ کلیہ استقرائیہ ہے یعنی پورے
قرآن کریم کا مطالعہ کر لیا جائے کہ اس میں کسی چیز کی نسبت جہاں کہیں وما ادراك
آیا ہے اس کی تفسیر بھی ساتھ ہی فرمادی گئی ہے جیسے الحاقة ما الحاقة وما ادراك
ما الحاقة کذبت ثمود وعاد بالقارعة۔ اسی طرح القارعة ما القارعة و
ما ادراك ما القارعة یوم یکون الناس کالفراش المبثوث۔ اور
وما یدریك بصیغۂ مضارع جہاں کہیں آیا ہے وہاں اس کی تفسیر بیان نہیں فرمائی
گئی۔ جیسے عبس وتولّی ان جاءه الاعمٰی وما یدریك لعله یزکّی۔ یہاں
وما یدریك کے ذریعہ صرف استفہام فرمایا گیا ہے اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ

اس کو مخاطب پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ سیاق و سباق اور قرائن کی مدد سے سمجھ لے۔ بیان کی حاجت نہیں۔ بہرحال یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

کتاب مرقوم کی تفسیر کِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ۔ کتاب الفجار جو سجین میں محبوس و مقید ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اعمال ناموں کا ایک دفتر ہے جس میں روزانہ کے کئے ہوئے اعمال کے اوراق اور اس کی فردیں جمع کرکے اس کی کتاب بنائی گئی ہے پھر اس کا اتارا صدر کتابچہ میں لے لیا گیا ہے پھر اصل اعمال نامے کو دفتر میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جب قیامت کا دن آئیگا تو تمام اعمال نامے نکالے جائینگے اور صدر رجسٹر سے اس کی مطابقت کی جائے گی۔ پھر اصل اعمال نامے متعلقہ اشخاص کو ایک ایک کرکے دئے جائیں گے کہ اس کو پڑھو اس میں کیا لکھا ہے۔ جس میں پوری زندگی کا کچا چٹھا درج ہے۔ اس طرح ہر ہر کافر فاجر سے کہا جائیگا۔

یوم الدین کو جھٹلانے والوں کی گت وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی جو تکذیب کرتے ہیں انصاف کے دن کی۔" یہ ایک بدیہی بات ہے کہ خالق کائنات نے انسان کو پیدا کیا اور تمام کائنات کو اس کا مسخر اور تابع فرمان بنایا اور نظام عالم قائم فرمایا تاکہ انسان اس کے حکم کے مطابق تصرفات کرکے اپنے خالق منعم کی

خوشنودی حاصل کرے۔ اب اگر کوئی ایسا ہے کہ کائنات میں ہن مانے تصرفات تو کر رہا ہے لیکن نہ اپنے خالق کو جانتا اور نہ اس کی نعمتوں کا حق مانتا۔ اور اندھا دھند زندگی گزار رہا ہے تو اس کا اللہ سبحانہ کے ہاں کیا مقام ہوگا؟ سمجھ لیجئے۔ یہاں اسی کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ انصاف کے دن کو مانتے ہی نہیں۔ جب وہ دن آجائے گا تو انکی کیا کچھ گت نہ بنے گی؟

حدود اللہ کو توڑنے والوں کی مذمت

وَمَا یُکَذِّبُ بِہٖۤ اِلَّا کُلُّ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ یوم الجزا کا آنا بالکل کھلی ہوئی بات ہے کیونکہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ امتحان لیا جائے اور اس کا کوئی ثمرہ نہ ملے تو امتحان کی اہمیت ہی کیا رہی؟ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ یوم الدین کو جھٹلانا کسی بھلے مانس شریف النفس کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ ضرور کوئی شخص ایسا ہوگا جو انسانیت کے حدود کو توڑ کر باہر نکل گیا ہو۔ اگر معمولی سمجھ بوجھ سے کام لیا جاتا تو یوم الدین کی واقعیت اس کے ذہن نشین ہو سکتی تھی۔ لیکن جو شخص معمولی عقل و فہم سے بھی محروم ہو تو وہ غور و فکر کیا کریگا۔ اس کی قوت نظریہ ہی معطل ہو چکی ہے اور جب یہ مادہ اس میں نہ رہا تو اس کی قوت عملیہ بھی بیکار سی ہو جائے گی اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ طاعات و عبادات کی جگہ معاصی اور آثام میں گرفتار ہے

ان حالات میں اگر کوئی نیک نفس انسان اس کو سمجھانے کی کوشش کرے تو اس کی یہ سعی بھی لاحاصل ہو کر رہیگی۔ سب کچھ سن کر وہ یہی کہیگا کہ یہ تو اگلے لوگوں کی حکایتیں اور نقلیں ہیں، ایسی نقلیں ہم بہت کچھ سن چکے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا: ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد   پر طبیعت ادھر نہیں آتی

كَلَّا بَلْ سكة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ كَلَّآ اِنَّهُمْ 83-14
عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۟ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۟ 83-15
83-16
ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۟ نہیں نہیں بلکہ زنگ 83-17

؎ الرین الغلبۃ یقال ران الخمر علی قلبہ اذا غلب علیہ سکرہ (مظہری) رین کے معنی غلبہ کے ہیں چنانچہ ران الخمر علی قلبہ کہا جاتا ہے جبکہ شراب کا نشہ کسی پر غالب ہو جائے۔" علامہ راغب لکھتے ہیں:۔ الرین صدأ یعلو الشیٔ الجلیل قال بل ران علی قلوبہم ای صار ذلک کصدأ علی جلاء قلوبہم فعمی علیہم معرفۃ الخیر من الشر (مفردات) رین ایک طرح کا زنگ ہے جو کسی عمدہ چیز پر چڑھ جاتا ہے ارشاد باری ہے:۔ بل ران علی قلوبہم۔ بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔" یعنی ایسی حالت ہو گئی ہے گویا کہ ان کے دلوں کے صیقل اور جلاء پر زنگ آگیا ہے جس کے باعث ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں کہ بھلے اور برے کی تمیز ان سے جاتی رہی۔"

چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر' ان اعمال کا جو وہ کرتے تھے' یقیناً وہ اپنے پروردگار

(کے دیدار) سے اس دن روک دیے جائیں گے' پھر بے شک وہ ضرور داخل

ہوں گے دوزخ میں' پھر کہا جائیگا یہ وہی ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔"

وان علی قلوبھم کی تفسیر | یعنی یہ لوگ ہماری آیات کا اس طرح مذاق اڑا رہے ہیں اور ہمارے کلام کو اساطیر الاولین کہہ رہے ہیں درحالیکہ ان آیات کریمہ میں کوئی بات ایسی نہیں کہ اس کو سن کر یہ جواب دیا جائے بلکہ واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ ان کے کفر اور بدعملی کی تاریکیوں کا زنگ ان کے دلوں پر چڑھ گیا ہے جس کے باعث اپنے دل کی تاریکی تو ان کو نظر نہیں آتی اور اُلٹے ہماری آیات کو ایسا الزام دینا چاہتے ہیں۔ آئینہ قلب اگر اپنی اصلی حالت پر صاف شفاف رہتا تو ہر چیز اس کی اصلی صورت پر دکھائی دیتی۔ ان کا دل ہی سیاہ ہو گیا ہے اب اس سیاہ آئینہ سے جو چیز بھی دیکھی جائیگی سیاہ دکھائی دیگی۔ یہ قصور دکھائی دینے والی کا اشیاء کا نہیں بلکہ دیکھنے کے آلہ کا ہے۔ مگر ان کور باطن اور دل کے اندھوں کو کون سمجھائے ؟ ؎

چو نشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا ست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا ست

رین کی تفسیر حدیث شریف سے | حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان العبد اذا اذنب ذنبا نکتت فی قلبہ نکتۃ سوداء فان تاب و نزع و استغفر صقل قلبہ وان عاد زادت حتیٰ تعلو قلبہ فذلک الران الذی ذکر اللہ فی القرآن کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔ (امام احمدؒ، عبد بن حمیدؒ، حاکم و ترمذی بروایت صحیحہ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، ابن جریرؒ، ابن حبانؒ، ابن المنذرؒ، ابن مردویہؒ، بیہقیؒ) یقین جانو کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر اس نے توبہ کرلی اور اس معصیت سے علٰحدہ ہوگیا ہے اور مغفرت کی درخواست کی تو اس کا دل (پہلے کی طرح) صاف صیقل شدہ ہوجاتا ہے۔ اور اگر (توبہ نہ کرکے) پھر گناہ کا رخ کیا تو اس کے دل کی سیاہی پھیل جاتی ہے۔ (اب یہ گناہوں میں منہمک رہتا ہے اور اس کی سیاہی پھیلتی جاتی ہے) تاآنکہ اس کے پورے قلب پر سیاہی چھا جاتی ہے۔ پس یہی وہ ران یعنی زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے کہ بات وہ نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں بلکہ انکے بُرے اعمال کی شامت سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔

دوسری تفسیر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا:۔ القلب ھکذا مثل الکف فیذنب الذنب فینقبض منہ ثم یذنب الذنب فینقبض منہ حتی یختم علیہ

فیسمع الخیر فلا یجد مساغا (فریابی، بیہقی) دل (کی اصلی حالت) ہتیلی کی طرح ہے (جو کھلی ہوئی ہے۔ دل بھی اسی طرح منشرح ہے) پھر بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ منقبض ہو کر سکڑ جاتا ہے۔ پھر وہ شخص گناہ کرتا جاتا ہے تو اس کا دل سکڑتا جاتا ہے (اور دل کا انشراح جاتا رہتا ہے۔) تا آنکہ اس پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ کوئی اچھی بات سنتا ہے تو (کانوں کی راہ سے وہ بات دل کی سمت رواں تو ہوتی ہے لیکن) دل میں اترنے کی اس کو کوئی راہ نہیں ملتی" کیونکہ وہاں تو مہر لگ چکی ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ سے بھی "رین" کے معنی مہر کے منقول ہیں۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)۔

حضور انور کی پیشین گوئی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ لن تنفکوا بخیر ما استغنی اھل بدوکم عن اھل حضرکم ولیسوقنھم السنون والسنات حتی یکونوا معکم فی الدیار ولا تمتنعوا منھم لکثرۃ من یسیر علیکم منھم قال یقولون متالما جعنا وشبعتم وطالما شقینا ونعمتم فواسونا الیوم ولتستحین بکم الارض حتی یغیظ اھل حضرکم اھل بدوکم ولتمیلن بکم الارض میلۃ یھلک فیھا من ھلک ویبقی من بقی حتی تعتق الرقاب۔ تم خیر سے کبھی

علیحدہ نہ رہو گے (بھلائی تمھارے ساتھ رہیگی) جب تک کہ تمھارے بادیہ نشیں، تمھارے شہریوں سے بے نیاز رہیں۔ پھر قحط سالی اور گردش ایام ان کو کھینچ لائیگی تا آنکہ وہ بھی تمھارے ساتھ شہروں کا رخ کریں گے۔ اب ان کی کثرت آمد سے تم ملول نہ ہوں کیونکہ وہ کہیں گے ہم بھوکے رہے اور تم شکم سیر تھے۔ اور ایسا اوقات ہم مشقت میں گزارتے رہے اور تم ناز و نعم میں مزے اڑاتے رہے۔ آج ہماری غمخواری کرو۔ اب ہم اس زمین پر تمھاری امداد و اعانت کے طالب ہیں۔ (وہ اپنے مطالبے کرتے جائینگے) تا آنکہ شہری لوگ، بادیہ نشینوں سے جلتے رہیں گے۔ (جب یہ نوبت انتہا کو پہنچ جائیگی تو) اہل زمین تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ (جس کے نتیجہ میں) ہلاک ہونے والے ہلاک ہو جائیں گے اور باقی رہنے والے باقی رہ جائیں گے۔ تاکہ ان کی گردنیں تمھاری اطاعت سے آزاد ہو جائیں۔"

دیہاتیوں اور شہریوں کی جنگ ثمّ تھدا ٔبکم الارض بعد ذالك حتی ینذم المعتقون ثم تمیل بکم الارض میلة اخریٰ فیھلك فیھا من ھلك و یبقی من بقی یقولون ربّنا نعتق ربّنا نعتق۔ فیکذ بھم اللّٰہ کذبتم کذبتم انا اعتق۔ پھر زمین پرسکون ہو جائیگا۔ تا آنکہ آزادی حاصل کرنے والے (اپنے کئے پر) پشیمان ہو جائیں گے۔ (بایں ہمہ) پھر اہل زمین تم پر

ٹوٹ پڑیں گے جس کے نتیجہ میں ہلاک ہونے والے ہلاک ہوجائیں گے اور رہنے والے رہ جائیں گے۔ اب (رہنے والے) کہیں گے، اے ہمارے پروردگار! ہم ان کو بالکلیہ آزاد کردیتے ہیں۔ اے پروردگار! اب ہم ان کو پوری پوری آزادی دے دیتے ہیں۔ لیکن اللہ سبحانہ ان کی تکذیب فرمائیگا ارشاد باری ہوگا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ یہ وعدۂ آزادی سراسر غلط ہے۔ ان کو ہم ہی آزاد کردیں گے۔"

پسماندہ امۃ مرحومہ کے احوال

قال ولیبتلین اخریات ھذہ الامۃ بالرجف فان تابوا تاب اللہ علیھم وان عادوا عاد اللہ علیھم الرجف والقذف والخذف والمسخ والخسف والصواعق فاذا قیل ھلك الناس ھلك الناس فقد ھلکوا ولن یعذب اللہ امۃ حتی تعذر قالوا وما عذرھا قال یعترفون بالذنوب ولا یتوبون ولتطمئن القلوب بما فیھا من برھا وفجورھا کما تطمئن الشجرۃ بما فیھا حتی لا یستطیع محسن یزداد حسنا ولا یستطیع مسئ استعتابا قال اللہ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔ (نعیم بن حماد، حاکم بروایت صحیحہ)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس امت کے آخری حصے زلزلوں میں مبتلا ہوں گے پھر اگر وہ توبہ کرلیں تو اللہ سبحانہ ان کی توبہ کو قبول فرمالے گا۔ اور اگر وہ اپنی پچھلی عادت

کی طرف لوٹ جائیں تو اللہ سبحانہ بھی ان پر زلزلہ، پتھراؤ، سنگباری اور مسخ اور زمین میں دھنسا دینا اور بجلی گرا دینا شروع فرمائیگا پھر جب یوں کہا جانے لگا کہ لوگ ہلاک ہو گئے لوگ برباد ہو گئے، لوگ تباہ ہو گئے تو یہ سمجھو کہ وہ واقعی ہلاک و برباد ہو گئے۔ نیز اللہ سبحانہ کسی امت کو عذاب میں ہرگز گرفتار نہیں کرتا تا آنکہ وہ عذر خواہی پر نہ اتر آئیں۔ عرض کیا گیا کہ اس امت کی عذر خواہی سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ گناہوں کا اعتراف تو کرتے جائیں گے مگر توبہ نہ کریں گے۔ اور ان میں جو کچھ صفت اچھی یا بری نیکی یا بدی کی ہو ان کے دل اسی پر جمے رہیں گے جیسے کوئی درخت اپنی موجودہ حالت پر کھڑا رہتا ہے۔ کوئی نیکوکار اپنی نیکی پر کچھ اضافہ نہ کر سکیگا اور کوئی بدکار عتاب الٰہی کا اندیشہ کریگا اللہ سبحانہ کا ارشاد بھی یہی ہو رہا ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔"

دلوں کے زنگ کے نتائج

عزیزو! حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان پیشین گوئیوں کو مکرر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ انقلابات جو آتے ہیں ان کے اسباب و علل پر اس حدیث شریف میں جو روشنی ڈالی گئی ہے وہ حرف بہ حرف صادق ہے۔ ماپ تول میں کمی سے اس کی ابتدا ہوتی ہے اور آخر کار پوری قوم پر تباہی آتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم بھی اسی طرح تباہ و برباد ہوئی تھی۔ اس کے بعد جہاں جہاں

انقلاب آیا ہے آغاز کار یہ خرابی معمولی سی نظر آتی تھی مگر اصلاح کی کوشش نہ کرنے سے شجرۂ فساد پھلا پھولا بالآخر تباہی و بربادی کا مہلک ثمرہ سامنے آیا۔ یہ ہیں دلوں پر زنگ چڑھ جانے کے نتائج۔ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم۔ ونحن علی ذلک من الشاہدین۔

زنگ کا علاج معاصی کی کثرت اور ان میں انہماک سے دلوں پر جو زنگ چڑھ جاتا ہے۔ انسانیت پر یہ ایک نہایت ہی بدنما داغ اور دھبہ ہے۔ یا یہ ایک مہلک روحانی مرض ہے، اگر یہ داغ یا دھبہ ہے تو اس کو دور کیا جا سکتا ہے۔ یا اس کو مرض قرار دیا جائے تو اس کا علاج بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ماہرین مخلصین سے رجوع کیا جائے اور ان کے بتائے ہوئے علاج یا تدبیر پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ اطبائے روحانی نے جہاں اس مرض کی تشخیص کی ہے اور اس کے اسباب وعلل دریافت کئے ہیں اس کا علاج بھی تجویز فرمایا ہے۔ شکر اللہ سعیہم وکثر امثالہم۔

زنگ کے اقسام حضرت مجاہد فرماتے ہیں: ــ الران ایسر من الطبع والطبع ایسر من الاقفال والاقفال اشد ذلک۔ (ابن جریر، بیہقی) زنگ سہل تر ہے مہر کے مقابلہ میں، اور مہر بھی قفل لگا دئے جانے کے مقابلے میں آسان تر ہے، لیکن قفل لگا دیا جانا ان سب کے مقابلے میں سخت تر ہے"۔ گویا اس مرض کے تین مدارج ہیں۔ اگر یہ

مرض پہلے اور دوسرے درجے میں ہو تو اس کا علاج بھی ہو سکتا ہے لیکن جب وہ ترقی کرکے تیسرے درجے میں پہنچ جائے تو لا علاج ہو جاتا ہے۔ جیسے امراض جسمانی میں اطبا نے مرض دق کے تین درجے قرار دئے ہیں۔ اسی طرح یہ مرض بھی پہلے درجے میں زنگ کی صورت اختیار کرتا ہے اور دوسرا درجہ مہر لگا دئے جانے کا ہے جس کو صاحب اجازت اور با اختیار عہدہ دار توڑ سکتا ہے، لیکن اگر دلوں پر قفل ڈال دیا جائے تو اس کے لئے کنجی کی ضرورت ہے۔ وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ اور غیب کی کنجیاں اسی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کے پاس ہیں جن کا اس کے سوا کسی کو پتہ بھی معلوم نہیں" کہ وہ کہاں ہیں؟ یہ اور بات ہے کہ وہی اپنے فضل وکرم نامتناہی سے کھول دے۔ یہ بندے کے بس کی بات نہیں۔ رہی قفل شکنی تو یہ تو یہ تو مجرمین کا کام ہے کیونکہ یہ خود ایک مستقل سنگین جرم ہے اس کے اقدام کی مصلحین اور ایسی پاک ہستیوں سے توقع محال ہے کوشش تو رہی ایک طرف، ان بزرگوں کو اس کا خیال بھی نہیں آسکتا۔

زنگ کا علاج نیکیوں میں حصہ لینا

حضرت ابراہیم تیمیؒ اس زنگ کے علاج کے سلسلے میں فرماتے ہیں:- اذا عمل الرجل الذنب نکت فی قلبہ نکتۃ سوداء ثم یعمل الذنب بعد ذلک فینکت فی قلبہ نکتۃ سوداء ثم کذلک حتی یسود علیہ فاذا ارتاح

العبد قال يسير له عمل صالح فيذهب من السواد بعضه ثم ييسر له عمل صالح ايضا فيذهب من السواد بعضه ثم ييسر له ايضا عمل صالح فيذهب من السواد بعضه ثم كذلك حتى يذهب السواد كله (ابن المنذر)

بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نکتہ پڑجاتا ہے، اس کے بعد پھر گناہ کرتا ہے تو دوسرا نکتہ پڑتا ہے پھر اسی طرح وہ گناہ کرتا جاتا ہے تو سیاہ ٹپکے پڑتے جاتے ہیں یہاں تک کہ پورا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ پھر جب بندہ گناہوں سے چھٹکارا پاتا ہے تو اس کے لئے عمل صالح آسان ہوجاتا ہے اور اس کی کچھ سیاہی دور ہوجاتی ہے۔ پھر عمل صالح کرتا ہے تو کچھ سیاہی اور دور ہوجاتی ہے۔ پھر اسکے لئے عمل صالح آسان ہوجاتا ہے تو پھر کچھ سیاہی دور ہوتی ہے۔ بس اسی طرح اعمال صالحہ کرتے کرتے اس کی پوری سیاہی جاتی رہتی ہے۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ جس طرح گناہ کرتے سے سیاہی پیدا ہوئی تھی۔ اسی طرح نیک کام کرنے سے سیاہی دور ہوتی ہے۔ یہ علاج علاج بالضد کے اصول پر مبنی ہے۔ اور یہ طریق علاج چھوٹے چھوٹے گناہوں کی سیاہی دور کرنے کے لئے مفید ہے۔ حدیث شریف ہے:۔ اتبع السيئة الحسنة تمحها۔ بدی کے بعد نیکی کیا کرو تو یہ نیکی اس برائی کو مٹا دیتی ہے۔" اور ارشاد باری ہے:۔ ان الحسنات

یذھبن السیئات۔ یقیناً نیکیاں برائیوں کو دفع کر دیتی ہیں۔" صغیرہ گناہوں کی حد تک یہ علاج فائدہ مند ہے لیکن کبائر یعنی بڑے گناہوں کی سیاہی اس سے دور نہ ہوگی۔

دوسرا علاج روزہ حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں۔ الرّان والقسوۃ هما زماما الغفلة فمن یتیقظ وتذکر امن القسوۃ والرین ودواؤهما ادمان الصیام فان وجد بعد ذلك قسوۃ ترك الادام۔ دلوں کا زنگ اور دل کی سختی یہ دونوں غفلت کی باگ ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس سے چونک جاتا اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے تو وہ زنگ اور دل کی سختی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں امراضِ روحانی کا علاج یہ ہے کہ روزے بکثرت رکھا کرے۔ اگر اس پر بھی سنگ دلی دفع نہ ہو تو روزوں کے زمانے میں سالن کا استعمال نہ کرے۔"

کبائر کے زنگ کا علاج توبہ و استغفار اگر کسی کے دل پر کبائر کا زنگ ہے تو اسکو توبہ و استغفار کے بغیر دفع نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ ہی نہ ہو۔" اور جیسا کہ مشہور ہے:۔ لا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار۔ بار بار صغیرہ کرتے رہنے سے وہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے) اور استغفار کرنے اور اللہ سبحانہ سے بخشش کی درخواست

کرنے کے بعد کوئی کبیرہ باقی نہیں رہ سکتا۔ یعنی اس کو صاف کر دیا جاتا اور بخش دیا جاتا ہے۔ کیونکہ توبہ سے جب شرک اور کفر باقی نہیں رہ سکتا تو کبیرہ کہاں رہ سکتا ہے؟ یہ اور بات ہے کہ جن گناہوں کی شرعاً حد مقرر ہے تو اس کا جاری ہونا ضروری ہے۔ بجز اس کے کہ مجرم ایسی جگہ رہتا ہو جہاں حدود شرعیہ جاری نہ ہوں تو پھر توبہ و استغفار ہی اس کا علاج ہے۔ واللہ اعلم۔

دلوں پر زنگ چڑھنے کے اسباب حضرت ابوالخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اربع خصال تفسد القلب مجاراۃ الاحمق فان جاریتہ کنت مثلہ وان سکتّ عنہ سلمت منہ وکثرۃ الذنوب مفسدۃ القلوب وقد قال بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون والخلوۃ بالنساء والاستمتاع منھن والعمل برأیھن ومجالسۃ الموتی قیل وما الموتی قال کل غنی قد ابطرہ غناؤہ۔ (عبد بن حمید) چار خصلتیں ہیں جن سے دل خراب ہو جاتا ہے۔ احمقوں سے منہ لگانا۔ اگر ان سے منہ لگاؤ گے تو ان کی طرح تم بھی ہو جاؤ گے۔ اور اگر سکوت اختیار کرو گے تو ان کے (شر سے) محفوظ رہو گے۔ اور گناہوں کی کثرت بھی دلوں کو بگاڑ دیتی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے کہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ان (برے)

کاموں کا جن کو وہ کرتے تھے۔ اور عورتوں کے ساتھ تخلیہ کرنے اور ان سے تمتع میں لگے رہنا۔ نیز ان کی رائے پر عمل کرتے رہنا۔ اور مُردوں کی صحبت اختیار کرتا۔ اس پر عرض کیا گیا کہ مُردوں سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا ہر تونگر جو اپنی تونگری پر نازاں ہو (اسکی صحبت میں رہنا)"

لمحجوبون کی تفسیر | كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ۔ یقیناً وہ اپنے پروردگار (کے دیدار) سے اس دن روک دیے گئے ہیں"۔ یعنی یقین جانو کہ جو لوگ دنیا میں ایسے کام کرتے رہے جس سے دلوں پر زنگ چڑھتا تھا تو ان کا قلب صافی زنگ آلود ہو گیا اور اس کی کدورت وظلمت قلب سے قالب تک سرایت کر گئی۔ اب اگر ان پر نور کی تجلی ہو بھی تو اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور نہ تجلی نور کا کوئی اثر ان کے زنگ آلود دل پر ظاہر ہو سکتا ہے ایسی حالت میں جب تجلی الٰہی ہو گی تو وہ اس سے کیا خاک مستفید ہو سکیں گے۔ ان کی بداعمالی کی ظلمت، حجاب بن کر دیدار الٰہی میں حائل ہو گی۔ غور کرو کہ یہ محرومی کس درجہ کی محرومی ہے؟ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:-

لو علم الزاھدون والعابدون انھم لا یرون ربھم لزھقت انفسھم فی الدنیا۔ اگر زاہدوں اور عابدوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کو دیدار الٰہی نصیب نہ ہو گا تو دنیا ہی میں ان کی جان نکل جائے گی"۔ اور مارے غم کے یہیں ان کا دم

گھٹ جائے گا۔

درجۂ احسان درجۂ احسان جس کا بیان حدیث جبرئیل میں آیا ہے اور جس کا ذکر بارہا موقع بموقع آچکا ہے وہ یہ ہے :۔ ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔ احسان یہ ہے کہ تم اللّٰہ سبحانہ کی عبادت اس طرح کرتے رہو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم اس کو دیکھ نہیں سکتے تو وہ تو (یقیناً ہروقت تم کو دیکھ رہا ہے تو) عبادت گزاری کی حالت میں بھی وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔" اس سے ظاہر ہے کہ مومن دیدار الٰہی کا شوق اور اس کی تمنا ابتداء سے اپنے ساتھ لیا ہوا ہے۔ اور یہی اس کی انتہائی آرزو ہے جس کی تکمیل دار آخرت میں ہو رہی ہے۔ وہ دار آخرت جس کی نسبت فرمایا گیا ہے :۔ لھم فیھا ما یشاؤن۔ دار آخرت میں مومنین کو وہ سب کچھ میسر ہوگا جس کو وہ چاہیں گے" اور یہ مقام اہل ایمان کو کیوں نصیب نہ ہوگا جبکہ وہ دنیا میں تھے تو وہ اپنی مشیت کو تابع مشیت الٰہی بنائے ہوئے تھے اور اہل ایمان عمر بھر وہی کرتے رہے جو اللّٰہ سبحانہ کی مشیت کے مطابق تھا۔ آج یوم الدین ہے تو ان کو وہ سب کچھ میسر ہے جس کو وہ چاہتے تھے۔ اگر انھوں نے یہاں دیدار الٰہی نہ چاہا جو منتہائے آرزو اور تمام نعمتوں سے افضل و اعلیٰ اور اکمل و بہتر نعمت ہے تو پھر کچھ نہ چاہا۔

کفار محجوب اور مومنین مشرف حضرت امام مالکؒ سے آیۂ کریمہ کَلَّآ اِنَّھُمْ

عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا:۔
لما حجب عنه اعدائه فلم يروه تجلّى لاوليائه حتى راوه۔ جب اعداء اللہ اس کے دیدار سے روک دئے گئے جس کی بنا پر وہ اس کو دیکھ نہ سکے تو وہ اپنے دوستوں کے لئے جلوہ گر ہوا تا آنکہ انھوں نے اس کو دیکھ لیا" اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا:۔
فی الآیة دلالة علی ان اولیاء اللہ یرون اللہ۔ اس آیۂ کریمہ میں اس امر پر رہنمائی فرمائی جارہی ہے کہ اللہ سبحانہ کو اولیاء اللہ ضرور دیکھیں گے" یہ استدلال مفہوم مخالف یا دلیل خطاب کے طور پر ہے کہ کفار کا نہ دیکھ سکنا اس امر کی دلیل ہے کہ اہل ایمان دیکھ سکیں گے۔

دیدار الٰہی کا ثبوت دیگر آیات سے

عند الاحناف مفہوم مخالف یا دلیل خطاب معتبر نہیں۔ حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کے اعتبار سے کفار کا نہ دیکھ سکنا اہل ایمان کے دیکھ سکنے کو مستلزم نہیں۔ آیۂ کریمہ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ کفار نہ دیکھ سکیں گے۔ رہا یہ امر کہ اہل ایمان دیکھ سکیں گے یہ مسکوت عنہ ہے یعنی اس سے سکوت فرمایا گیا ہے ہاں اس کے بعد ایک آیۂ کریمہ اور آرہی ہے:۔ اِنَّ الابرار لفی نعیم علی الارائک ینظرون یقیناً ابرار (نیک لوگ) بالضرور نعمتوں میں ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے" اس آیۂ کریمہ سے اہل ایمان کے لئے دولت دیدار حاصل ہونے کا ثبوت

ملتا ہے۔ نیز اور بھی آیات کریمہ ہیں جن میں اہل ایمان کو دیدار الٰہی نصیب ہونے کی صراحت موجود ہے۔ مثلاً وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ۔ کتنے چہرے اس دن تروتازہ، بارونق، نورانی ہوں گے جو اپنے پروردگار کو دیکھتے ہوں گے۔"

دیدار الٰہی پر اہل سنت کا اجماع بہرحال اہل ایمان کا دار آخرت میں دیدار الٰہی سے مشرف ہونا ہم اہل السنۃ والجماعت کا متفق علیہ مسئلہ ہے جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ عقائد اہل سنت اور علم کلام کی کتابوں میں اس کو معقول و منقول ہر طرح سے ثابت کیا گیا ہے۔ معتزلہ وغیرہ جو اس کے قائل نہیں ان کا مدلل جواب دیا گیا ہے اور ان کے شبہات کا کافی طور پر ازالہ کیا گیا ہے۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ گو طریقۂ استدلال ائمہ دین کا جدا جدا ہے مگر اصل مدعا کہ دار آخرت میں اہل ایمان، دیدار الٰہی سے فائز المرام شادکام ہوں گے اس پر سب کا اجماع ہے۔ اندیشہ ہے کہ معتزلہ وغیرہ جو دیدار الٰہی کے منکر ہیں منکر ہونے کی بنا پر کافروں کی طرح اس نعمت عظمیٰ سے جزءً یا کلاً محروم رکھے جائیں۔ اللّٰہم احفظنا آمین۔

حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں: المحجوبون عن رؤیۃ الرضٰی فان الشقی یراہ غضبان حین یتجلّٰی فی المحشر قبل دخول الناس الجنۃ۔ کفار دیدار الٰہی سے محجوب و محروم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کو

اس کی رضامندی اور خوشنودی کی صورت میں نہ دیکھ سکیں گے کیونکہ اہل شقاوت، اللہ سبحانہ کو غضبناک دیکھیں گے جبکہ لوگوں کے جنت میں جانے سے پیشتر میدان محشر میں تجلی الٰہی ہوگی۔" اور حضرت حسین بن فضلؒ نے فرمایا:۔ کما حجبھم فی الدنیا عن توحیدہ حجبھم فی الآخرۃ عن رؤیتہ فالموحد غیر محجوب عن رؤیۃ ربہ۔ "جیساکہ دنیا میں اس کی توحید کو ماننے سے محروم و محجوب تھے، اسی طرح وہ آخرت میں اس کی رویت سے محجوب ہوں گے۔ رہے اہل توحید وہ اپنے پروردگار کی رویت سے محجوب نہ ہوں گے۔" اور حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں:۔ حجبھم عن ربھم قسوۃ قلوبھم فی العاجل وما سبق لھم من الشقاوۃ فی الازل فلم یصلحوا البساط القرب والمشاھدۃ فابعدوا وحجبوا بالحجاب وھو الغایۃ فی البعد والطرد۔ "دنیا میں ان کی سنگدلی، نیز ان کی شقاوت و بدبختی جو ازل ہی میں لکھدی گئی ہے۔ پس ان ہی دو چیزوں نے کفار کو ان کے پروردگار کے دیدار سے روک دیا ہے۔ کیوں کہ وہ تقرب اور مشاہدے کے میدان میں قدم رکھنے کے قابل نہیں رہے۔ لہٰذا وہ اللہ سبحانہ کی رحمت سے دور کر دئے گئے، اور حجاب حائل کرکے ان کو دیدار سے روک دیا گیا۔ یہ صورت بساط قرب سے دور کر دئے جانے اور اس میدان سے ہانک کر نکال دئے جانے کی انتہائی حد ہے۔" اور حضرت ابن عطاءؒ فرماتے ہیں:۔ الحجاب حجابان

حجاب بعد وحجاب ابعاد فحجاب البعد لا تقرب فیہ ابدا وحجاب الابعاد یوذب ثم یقرب۔ حجاب یعنی پردہ جو دیدار سے مانع ہوتا ہے دو طرح کا ہے۔ ایک حجاب بُعد ہے۔ یعنی بندہ اپنی خودی سے دوری اختیار کرتا ہے۔ اور دوسرا حجاب ابعاد ہے کہ بندہ تو قرب و دیدار کا اشتیاق رکھتا ہے لیکن اس کو کسی امر کی بنا پر دور کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا جس صورت میں کہ بندہ خود دور رہنا چاہے اس کو تقرب اور دیدار حاصل ہونے کی کوئی صورت کبھی بھی نکل نہیں سکتی۔ یہ حجاب بعد ہوا۔ البتہ حجاب ابعاد کی صورت میں جو غلطی اس سے سرزد ہوئی تھی اس کی بنا پر اس کی تادیب کیجاتی ہے پھر اس کو قرب و دیدار سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

صالوا الجحیم کی تفسیر | ثُمَّ اِنَّھُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ۔ پھر وہ کفار دیدار الٰہی سے محروم ہو جانے کے بعد دوزخ میں جھونک دئے جائیں گے" کیونکہ وہ اپنی شقاوت اور اپنے کرتوت کے باعث اس قابل ہی نہیں رہے کہ ان کو پاس بلایا جائے اور بساط قرب میں جگہ دی جائے۔ تقرب تو انتہائے رحمت کا مقام ہے اور کفار کا رحمت میں کوئی حصہ ہی نہیں۔ انھوں نے بُعد اختیار کیا ہے اور بعد کا انتہائی مقام جہنم ہے۔ جیسے کوئی لکڑی جب کسی کام کے قابل نہیں قرار پاتی تو اس کو چولھے میں لگا دیا جاتا ہے۔ یہی حال کفار کا ہے کہ وہ کسی مصرف کے نہیں رہے تو ان کو دوزخ میں جھونک

دیا جائے گا۔

کنتم بہ تکذبون کی تفسیر

ثُمَّ یُقَالُ هٰذَا الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ بِهٖ تُکَذِّبُوۡنَ

پھر کہا جائے گا یہی وہ دوزخ ہے (اور اس کا عذاب) جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔" یعنی جب حضرات انبیاء علیہم السلام ان کو سناتے تھے کہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ۔ اس کی کتابوں کو پڑھو اور اس کے مندرجہ احکام پر عمل کیا کرو اور ہماری ہدایات و نصائح کو مانو اور ہمارا اتباع کرو۔ کتاب اللہ کے مندرجہ احکام میں جنت و دوزخ کا یقین کرنا بھی تھا کہ اہل ایمان کے لئے جنت اور کفار کے لئے دوزخ تیار کی گئی ہے تو یہ سن کر کفار کہتے تھے کہ کہاں کی جنت اور کہاں کی دوزخ؟ ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما نحن بمبعوثین۔ ہماری اس دنیوی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ کیا ہم مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے۔ ہم مر کر اٹھنے والے نہیں ہیں" کفار دنیا میں رہنے تک یہی کہتے رہے اور قیامت، سزا جزا، جنت دوزخ کے منکر رہے۔ اب آخرت میں ان سے کہا جائے گا کہ جس سزا و جزا اور دوزخ کا تم کو انکار تھا یہ وہی دوزخ ہے جس میں تم جھونکے جا رہے ہو۔

Contd….page no:2917



كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ 83-18 83-19
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ ہرگز نہیں یقیناً نیکو کاروں کا اعمال نامہ 83-20 83-21

ضرور علیین میں ہوگا، اور تمھیں کیا معلوم کیا ہے علیین، ایک دفتر ہے لکھا ہوا، اس کو دیکھنے آتے رہتے ہیں مقرب (فرشتے)۔

آیات کریمہ صدر کی تفسیر یعنی ان بدمعاش کفار اور نیکو کار ابرار ان دونوں کا انجام ایک ہی ہو؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یقیناً نیکوں کے اعمال نامے رفیع الشان مقام میں ہوں گے جس کا نام ہی علیین ہے۔ اور یہ علیین کیا ہے اس کی کسی کو کیا خبر؟ عالم آخرت کی معمولی چیزوں کی کسی کو خبر نہیں تو علیین جو سب سے اعلیٰ درجہ کا مقام ہے اس کی حقیقت کوئی کیا جانے؟ جب تک کہ ہم ہی اس کی وضاحت نہ کریں، وہ علیین ایک بلند مرتبت دفتر ہے، جس میں نیکو کاروں کے بہترین کارنامے لکھے ہوئے ہیں۔ وہ دفتر کیا ہے؟ ابرار کے معتبر اسناد اور وثائق کا خزانہ ہے۔ جس میں ابرار کے شاندار نمایاں کارنامے تفصیل کے ساتھ مکتوب و محفوظ ہیں، قیامت میں اس دفتر کی نمائش کی جائے گی اور ہر نیکو کار کا اعمال نامہ، اس کی مثلیں، اسناد و وثائق دیکھنے کے لئے اذن عام ہوگا تو ان کا مشاہدہ کرنے اور برأی العین دیکھنے کے لئے اللہ سبحانہٗ کے مقرب فرشتے تک آتے رہیں گے۔ اور ان کا تانتا بندھا ہوا ہوگا۔ ایک گروہ فارغ

ہوا تو دوسرا جو منتظر دید ہوگا۔ ان کی جگہ لیگا۔ وہ دیکھ لیگا تو تیسرا گروہ آئیگا۔ اور یہی سلسلہ جاری رہیگا۔ ان بہترین کارناموں کا ملائکہ مقربین میں چرچا ہوتا رہیگا۔ اوران میں ایک دھوم مچ جائے گی۔ پھر تمام فرشتے مشتاق دید ہوکر باری باری سے سلسلہ بسلسلہ دیکھ کر خوش ہوتے جائیں گے اور آج فرشتوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ آفرینش آدمؑ کے وقت انھوں نے جو خیال حضرت انسان کے بارے میں ظاہر کیا تھا:۔ اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفك الدماء۔ کیا آپ زمین کی خلافت اس نوع بشر کو دینا چاہتے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے اور خونریزی کرے؟" ایسا خیال ان کا درست نہ تھا۔ بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا جو ارشاد اس باب میں ہوا تھا:۔ انی اعلم مالا تعلمون۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ آدم اور اولاد آدم میں کیا کیا صلاحیتیں ہیں تم کیا جانو؟" تمھارے آگے تو تصویر کا ایک ہی رُخ ہے اور اسی بنا پر یہ سب کچھ کہے جا رہے ہو۔ اس کا ایک رُخ اور بھی ہے جو تمھارے سامنے نہیں ہے اس کو ہم جانتے ہیں' اس ارشاد باری سے صرف علم الیقین حاصل ہوا تھا۔ آج ملائکہ کرام کو عین الیقین بلکہ حق الیقین حاصل ہو جائے گا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد بالکل بجا و درست تھا۔

علیّون کی تحقیق طلبہ علوم عربیہ کے لئے

علماء معانی لکھتے ہیں:۔ ھو علوّ و شرف بعد شرف ولذلك جمع بالواو والنون۔ یعنی علیّون ایک بلند

رفیع الشان مقام ہے جس کو شرف دیا گیا ہے نہایت درجہ عالی شان، اسی وجہ سے
اس کو واو اور نون کے ساتھ بصورت جمع لایا گیا ہے" فراء امام نحو فرماتے ہیں :۔
اسم موضع علی صیغة الجمع لا واحد له من لفظه کعشرین والعرب اذا
جمعت جمعا ولم یکن له بناء واحد ولا تثنیة اطلقوه فی المذکر والمونث
بالواو والنون۔ علیون ایک مقام کا نام ہے جو جمع کی صورت میں تلایا گیا ہے
اس کا واحد نہیں آتا جیسے عشرین کا لفظ ہے کہ یہ عشرۃ یا عشر کی جمع نہیں ہے بلکہ
ایک مرتبہ عدد ہے جس کے معنی ہیں "بیس" اہل لسان عرب کا دستور ہے کہ وہ جب
کسی ایسے لفظ کا استعمال کرتے ہیں جس کے واحد یا تثنیہ کا صیغہ نہیں ہوتا تو اس کا اطلاق
مذکر و مونث دونوں پر کرتے ہیں اور اس کے آخر میں واو اور نون اضافہ کر دیتے ہیں"

علیین کی تفسیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے عالم توریت حضرت کعب احبار سے
آیۂ کریمہ کلا ان کتاب الابرار لفی علیین کی تفسیر دریافت فرمائی تو انھوں نے
فرمایا:۔ ان المؤمن یحضرہ الموت ویحضرہ رسل ربه فلاهم یستطیعون
ان یؤخروہ ساعة ولا یعجلوہ حتی تجئی ساعته فاذا جاءت ساعته
قبضوا نفسه فدفعوہ الی ملائکة الرحمة فاروہ ما شاء الله ان یروہ
من الخیر ثم عرجوا بروحه الی السماء فیشیعه من کل سماء مقربوها

حتی ینتھوا به الی السماء السابعة فیضعونه بین ایدیھم ولا ینتظرون به صلاۃ تلم علیه ۔ مومن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے اور پروردگار عالم کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں تو ان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکی روح قبض کرنے میں گھڑی بھر کی تاخیر کریں یا اس میں عجلت کریں تا آنکہ اس کی مقررہ ساعت آجائے ۔ پھر جب اس کی ساعت آجاتی ہے تو اس کی روح قبض کر لیتے ہیں، پھر اس کو ملائکہ رحمت کے حوالے کر دیتے ہیں اور اس کی جس قدر نیکیاں دکھانا اللہ سبحانہ کو منظور ہو وہ ان کو دکھا دیتے ہیں۔ پھر اس کی روح کو آسمان پر چڑھا لے جاتے ہیں تو ہر ایک آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں تا آنکہ اس کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ پھر اس کو ان سب کے روبرو رکھتے ہیں۔ اس پر تمھاری نماز پڑھنے کا انتظار نہیں کرتے ۔"

یشھدہ المقربون کی تفسیر

فیقولون اللھم ھذا عبدك فلان قبضنا نفسه فیدعون له بما شاء الله ان یدعوا فنحن نحب ان ان یشھدنا الیوم کتابه فینشر کتابه من تحت العرش فیثبتون اسمه فیه وھم شھودہ فذلك قوله کتاب مرقوم یشھدہ المقربون (عبد بن حمید) پھر وہ مقرب فرشتے عرض کرتے ہیں کہ یا الٰہا! یہ آپ کا فلاں بندہ ہے

جس کی روح ہم نے قبض کی۔ پھر اس کے حق میں دعائے خیر کرتے جاتے ہیں جتنی کہ اللہ سبحانہ کو منظور ہو (پھر عرض کرتے ہیں کہ) اب ہم اس کا اعمال نامہ دیکھنا چاہتے ہیں، اس پر اس کا اعمال نامہ عرش اعظم کے نیچے کھولا جاتا ہے۔ پھر اس پر اس کا نام لکھ دیتے ہیں اور یہ سب اس کے گواہ بن جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ کتاب مرقوم یشہدہ المقربون کا یہی مطلب ہے۔" اس سے پایا جاتا ہے کہ اعمال ناموں کی نمائش کا سلسلہ مومن کی وفات کے ساتھ ہی شروع ہوجاتا ہے۔ اور یشہد سے گواہی مراد ہے۔

اخلاص و ریا کا علم ملائکہ کو نہیں ہے

حضرت ضمرہ بن حبیبؓ کہتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان الملائکۃ یرفعون اعمال العبد من عباد اللہ یستکثرونہ ویزکونہ حتی یبلغوا بہ حیث یشاء اللہ من سلطانہ فیوحی اللہ الیھم انکم حفظۃ علی عبدی وانا رقیب علی ما فی نفسہ ان عبدی ھذا لم یخلص لی عملہ فاجعلوہ فی سجین ویصعدون بعمل العبد یستقلونہ ویحتقرونہ حتی یبلغوا بہ حیث شاء اللہ من سلطانہ فیوحی اللہ الیھم انکم حفظۃ علی عمل عبدی وانا رقیب علی ما فی نفسہ ان عبدی ھذا اخلص لی عملہ فاجعلوہ فی علیین' (ابن مبارک) عباد اللہ میں سے کسی بندے کے اعمال کو

فرشتے اٹھالے جاتے ہیں تو وہ ان اعمال کو زیادہ خیال کرتے اور ان کو صاف ستھرے سمجھتے ہیں تا آنکہ ان کے اعمال اللہ سبحانہ کو جہاں تک پہنچانا منظور ہے پہنچا دیتے ہیں تو اللہ سبحانہ کا حکم ان فرشتوں کے ہاں آتا ہے کہ تم میرے بندے کے صرف ظاہر پر مامور تھے۔ اور میں اس کے دل میں جو کچھ ہے اس کو دیکھتا ہوں، میرے اس بندے نے اپنا عمل خاص میرے لئے نہیں کیا۔ لہٰذا اس کے غیر مخلصانہ اعمال کو سجین میں رکھ دو۔ اور ایک بندہ ایسا ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے اعمال کو قلیل و حقیر خیال کرتے ہیں اور اللہ کو جہاں تک لیجانا منظور ہے اس کے اعمال کو اٹھالے جاتے ہیں۔ وہاں اللہ سبحانہ کی وحی ان فرشتوں کے پاس آتی ہے کہ تم میرے بندے کے صرف ظاہر حال سے واقف تھے اور میری نظر اس کے دل پر ہے۔ اس بندے نے جو کچھ کیا اس کا عمل مخلصانہ تھا لہٰذا اس کو علیین میں محفوظ کر دو۔"

تلاوت کی فضیلت حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:-

ان درج الجنۃ علی عدد آی القرآن وانہ یقال لصاحب القرآن اقرأ وارقہ فان کان قد قرأ ثلث القرآن کان علی الثلث من درج الجنۃ وان کان قد قرأ نصف القرآن کان علی النصف من درج الجنۃ وان کان قد قرأ القرآن کان فی اعلی علیین ولم یکن

فوقہ احد من الصدیقین والشہداء۔ (ابن الضریس) یقین جانو کہ جنت کے درجات قرآن کریم کی آیات کریمہ کی تعداد کے مطابق (۶۶۶۶) درجات ہیں۔ اور اہل قرآن سے کہا جاتا ہے کہ ایک۔ ایک آیت پڑھتا جا اور ایک ایک درجہ چڑھتا جا۔ اب اگر کسی نے ایک تہائی قرآن پڑھا ہوگا تو وہ جنت کے ایک تہائی درجات طے کرلیا ہوگا۔ اور اگر کسی نے آدھا قرآن پڑھا ہوگا تو اس نے جنت کے آدھے درجات طے کرلئے ہوں گے۔ اور جس کسی نے پورا قرآن ختم کرچکا ہوگا تو وہ علّیین کے اعلیٰ تر مقام پر جا پہنچا ہوگا جس کے اوپر صدیقین اور شہداء سے بھی کوئی نہ ہونگے۔"

یہاں "صاحب قرآن" سے علماء، عرفا، حفاظ اور قراء سبھی مراد ہیں۔ علّیین میں جا شامل ہونے کے لئے کیا خوب آسان نسخہ بتا دیا گیا ہے کہ کم از کم قرآن کریم کی تلاوت ہی کیا کریں۔ تلاوت کلام شریف اللہ سبحانہ سے ہم کلامی ہے۔ تلاوت کرنے والا گویا حق سبحانہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ لہٰذا آداب تلاوت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں جس قدر حصہ لیا جائے اسی مناسبت سے ترقی مدارج حاصل کی جاسکتی ہے۔ ثلث قرآن کی تلاوت سے درجات جنت کا ایک ثلث حصہ طے ہوگا اور نصف سے نصف اور کامل سے کامل۔ اگر کوئی پڑھنا نہ جانتا ہو تو وہ صرف سورۂ قل ھو اللہ احد پڑھ لیا کرے جو ثلث قرآن کے برابر ہے۔ یا اذا زلزلت کی سورت پڑھ لیا کرے جو نصف قرآن کے برابر بتایا گیا ہے۔

جس کی صراحت ان سورت ہائے شریفہ کی تفسیر میں آگے آئیگی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

علیین والوں کی تفریح حضرت عبداللہ بن عمرؓو فرماتے ہیں:۔ ان لاھل علیّین لکوی یشرفون منھا فاذا اشرف احدھم اشرقت الجنّۃ فیقول اھل الجنّۃ قد اشرف رجل من اھل علیّین ۔ (ابن ابی شیبہ) یقین جانو کہ مقام علیین میں جگہ پانے والوں کے لئے برآمدے ہوں گے (جہاں سے وہ جنت اور نعیم جنت کا مشاہدہ کرتے ہوں گے) جب ان میں سے کوئی ان برآمدوں سے برآمد ہوگا تو ساری جنت (اسکے نور سے) چمک اٹھیگی اور جنتی لوگ (ایک دوسرے سے) کہتے جائیں گے کہ علیین کی کوئی نورانی ہستی برآمد ہوئی ہے" (جس کے نور سے ساری جنت اور اس کے درودیوار چمک اٹھے ہیں) حضرت محمد بن کعبؓ نے فرمایا:۔ یری فی الجنّۃ کھیئۃ البرق فیقال ما ھذا قیل رجل من اھل علیّین تحول من غرفۃ الی غرفۃ ۔ (ابن ابی شیبہ) جنت میں بجلی کی سی چمک دکھائی دیگی تو دریافت کیا جائے گا کہ یہ چمک کس چیز کی ہے یا اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو جواب ملیگا کہ ساکنین علیین میں سے کوئی ایک بزرگ ایک دریچہ سے دوسرے دریچہ کی طرف منتقل ہوئے ہیں" (یہ اس کی چمک ہے)۔

علیین والوں کا زمین سے تعلق حضرت براء بن عازبؓ کی ایک طویل حدیث سے (جس کا بیان سابقہ سورتوں کی تفسیر میں گزر چکا ہے) اس میں یہ صراحت ہے:۔

یقول اللہ تعالیٰ فی حق المومنین اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منھا خلقتھم وفیھا اعیدھم ومنھا اخرجھم تارۃ اخریٰ فیعاد روحہ فی جسدہ۔ مومنین کے حق میں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کا اعمال نامہ علیین میں درج کرو اور خود اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے ان کو اسی زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف انھیں لوٹا دوں گا۔ اور دوبارہ اسی سے انھیں اٹھاؤں گا۔ چنانچہ اس بندۂ مومن کی روح اس کے جسد میں لوٹا دی جاتی ہے۔“

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:۔ وھذا اصح ما قیل وقد رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ یصلی لیلۃ اسری بہ وانہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ غائبا بلّغتہ۔ یہ قول کہ بعد مُردن مومن کی روح اس کے جسد میں لوٹا دی جاتی ہے دیگر اقوال کے مقابلے میں صحیح تر ہے کیونکہ حضرت نبی اعظم واکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب اسرا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی قبر شریف میں نماز ادا فرما رہے تھے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ مستقر ارواح کے باب میں اور بھی اقوال ہیں جو وہ بھی آیات کریمہ اور احادیث شریفہ سے مستنبط ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مومنین کی روح کا مستقر علیین یا ساتویں آسمان پر ہے اور کفار کی روحیں سجین میں ہیں جو اسفل السافلین

جگہ ہے۔ باایں ہمہ ہر روح کا اتصال اپنے جسد سے رہتا ہے جو قبر میں مدفون ہے۔ جیسے کوئی انسان سفر پر کہیں گیا ہوا ہو تو اس کا تعلق خاطر اپنے مکان اور وطن سے ہوا کرتا ہے قرآن وحدیث سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے۔ رہی اس کی تفصیل اور حقیقت حال خدا ہی جانے۔ بعد مردن روح کا اتصال جسد کے ساتھ جس نوعیت کا بھی ہو اس قدر ثابت ہے کہ جسد اور روح کے مجموعہ مرکب کو اس کا مستقر آخرت دوزخ یا جنت دکھا دیا جاتا ہے۔ اور اس کو لذت والم کا احساس ہوتا ہے۔ یہ روح مومن زائرین کا سلام سنتی اور اس کا جواب دیتی ہے منکر ونکیر کے سوالوں کا جواب ادا کرتی ہے۔ زائر کو پہچانتی ہے۔ اسکی دعا پر آمین کہتی ہے۔ اس کی کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ آفتاب آسمان پر ہے اور اسکی روشنی اور دھوپ زمین پر۔ سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے۔ یہ عام ارواح مومنین کا حال ہے۔ اولیائے کرام کی ارواح طیبہ کا حال پاک اس سے بہت بلند وبالا ہے خصوصاً حضور ختمی مرتبت ابوالارواح ارواحنا فداہ کی ذات پاک کی ہر قلب مومن میں جلوہ فرمائی ہے
صلی اللہ علی طور التجلیات الاحسانیہ ومھبط الاسرار الرحمانیہ۔

83-12 83-13 اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۙ عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ ۙ تَعْرِفُ
83-14 فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ۚ بے شک نیک لوگ ضرور نعمتوں والی (بہشت)
میں ہوں گے، تختوں پر (بیٹھے) نظارہ کرتے ہوں گے، تم پہچان جاؤ گے ان کے چہروں سے

نعمتوں کی تازگی"

ابرار کا لطف نظر جو بیان اوپر گزرا وہ کتاب الابرار یعنی نیک لوگوں کے اعمال ناموں سے متعلق تھا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ تو ابرار کے اعمال ناموں کا حال تھا۔ خود ابرار کا اس عالم آخرت میں کیا حال ہوگا؟ یہاں اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ابرار کا حال کیا پوچھتے ہو؟ ابرار تو یقیناً باغوں میں ہوں گے جو طرح طرح کی نعمتوں سے ڈھکے ہوں گے۔ ایسی عظیم الشان نامتناہی نعمتوں میں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ان سے کسی کے کان آشنا ہوئے اور نہ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی آسکا کہ ایسی اَن دیکھی، اَن سُنی نعمتیں بھی ہوتی ہیں۔ فجار کے بیان میں تھا کہ انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔ یقیناً فجار اپنے پروردگار کی دید سے حجاب میں تھے۔ ان کو اس نعمت عظمیٰ کے دیدار سے تک روک دیا گیا تھا۔ ابرار کا یہ حال ہوگا کہ وہ زرنگار تختوں پر اعزاز و اکرام سے بیٹھے نظارہ کرتے ہوئے محو دید ہوں گے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں:

ینظرون ما شاء وامدّ اعینھم الیہ من رغائب الجنۃ والی ما اولاھم اللہ من النعمۃ جنت کی پر لطف چیزوں اور اللہ سبحانہ نے جو نعمتیں ان کے لئے مہیا فرمائی ہیں ان کا نظارہ کرتے ہوں گے۔ جہاں تک اہل جنت کی نظر کام کرتی ہوگی ایک سے ایک بہترین منظر ان کے سامنے ہوگا۔

رویت باری تعالیٰ حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں :۔ علی الارائك المعرفة ینظرون المعروف وعلی الارائك القربة ینظرون الی الرؤف ۔ شناخت معرفت کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے تو ہر معروف و مشہور یگانۂ روزگار کو دیکھتے ہوں گے اور جب تقرب کے تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے تو خدائے رؤف کی طرف ان کی نظریں لگی رہینگی اور دیدار الٰہی کے نظارے میں محو ہوں گے ۔" دنیا میں کوئی حبیب اپنے محبوب مرغوب کو ایک عرصہ کے بعد دیکھ لیتا تھا تو یہاں کمال مسرت و شادمانی سے کہتا تھا :۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا ست

پھر مومن جس نے اپنی تمام عمر تمنائے دید میں گزار دی ، اور اپنی ایک ایک نماز اس طرح ادا کرتا رہا کہ گویا وہ اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہے یا خود محبوب حقیقی اس کو ملاحظہ فرما رہے ہیں ۔ جب وہ محبوب لم یزل ولا یزال ، بےچون و بےچگون ، جو فرق و قدم سے پاک اور مکان و زماں سے منزہ ہے اس کے دیدار سے لطف اندوز ہو گا تو اس کی مسرت و شادمانی کا کیا ٹھکانہ کہ بیان کے لئے الفاظ نہیں مل سکتے ۔ نہ کسی کے قلم کو یارا کہ اس کا وصف لکھ سکے ۔ اور نہ کسی مصوّر یا نقاش میں یہ طاقت کہ اس کی تصویر یا نقش ہی کھینچ سکے ۔ کہاں ممکن اور کس طرح ممکن جبکہ خود اس محبوب حقیقی نے فرمایا لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر ۔ اس جیسی کوئی شئی ہے ہی نہیں وہی سب کی سننے والا اور وہی سب کچھ دیکھنے والا

ہے " وہ اپنی ذات اور تمام صفات کمالیہ میں وحدہٗ لا شریک لہٗ یکہ و تنہا جس کا کوئی بھی شریک نہیں " ایسی ذات جامع الکمالات بے چوں و بے چگوں جب نظر کے سامنے ہو تو اس کا لطف ، ان کے دیکھنے والوں ہی کے دل سے پوچھ لیجئے ۔ اور انکی مسرت و شادمانی کا اندازہ لگائیے ۔

ابرار کے بارونق چہرے اس لطف دید کا بیان اور اندازہ بھی مشکل سے مشکل تر بلکہ امر محال ہے ۔ ہاں مخاطب کو صرف اس طرح مطمئن کیا جا سکتا ہے کہ تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِیۡمِ ۔ اے مخاطب ! تو ان دیکھنے والوں کو دیکھ لیگا تو ان کے چہروں سے اس نعمت خاص کی تازگی اور رونق کو پہچان جائے گا اور تاڑ لیگا کہ جن چہروں پر یہ تازگی یہ رونق ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور نہ حیطۂ تحریر میں آسکتا ہے تو ضرور ہے کہ ان کو ایسی ہی عظیم الشان ذات سے سابقہ ہوا ہے جس کے یہ آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہیں ۔ ع اے گل زتو خرسندم تو بوے کسے داری

حضرت موسیٰ کا حال تجلی کے بعد کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر جب تجلی دیکھی تو اگرچہ غش کھا کر گر پڑے اور کئی دن تک اسی طرح غشی کی حالت میں پڑے رہے اور اسی کیفیت میں محو رہے لیکن اس ایک دید کا آپ پر یہ اثر رہا کہ بصارت تیز سے تیز تر ہو گئی ۔ شب تاریک میں اگر کوئی چیونٹی کسی پہاڑ پر ہوتی تو

اس کو بھی بلا تکلف دیکھ لیتے تھے۔ غالباً اسی دیدارِ الٰہی سے لطف آشنا ہونے کا نتیجہ تھا
کہ جب حضرت سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کو معراج ہوئی اور دیدارِ
الٰہی سے برای العین مشرف و مفتخر ہوئے اور اس مسرت میں روزانہ پچاس نمازیں
فرض کی گئیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی
ملاقات ہوئی اور آپ نے پچاس نمازوں کی فرضیت کا تذکرہ فرمایا تو حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے اس میں کمی کرانے کا مشورہ دیا اور اس پر اصرار فرماتے رہے
چنانچہ آپ بار بار بارگاہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ میں حاضر ہوتے اور کمی کی
درخواست فرماتے رہے۔ اس میں بھی یہی رمز تھا کہ دیدارِ الٰہی کے انوار جو چہرۂ انور
پر نمایاں تھے اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ اگرچہ یہ دولت بے بہا بالواسطہ ہی
میسر ہو رہی ہے

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات — تو عین ذات می نگری در تبسمے

3-25 3-26 يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيقٍ[1] مَّخْتُومٍ ۙ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ[2]

[1] الرحاق والرحیق الخمر او اطیبہا او افضلہا او الخالص او الصافی
منہا والرحیق ایضاً ضرب من الطیب (محیط المحیط) رحاق اور رحیق شراب کو کہتے
ہیں۔ یا نہایت پاکیزہ اور بہترین شراب، خالص اور نتھری شراب۔ نیز رحیق ایک قسم کی خوشبو

83-27 اَلْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ[3] ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝
83-28

(بقیہ حاشیہ ۱ صفحہ گزشتہ)

اور عطر ہے" فقیر عرض کرتا ہے ارشاد باری رحیق مختوم کے معنی ہوئے۔ پاکیزہ' بہترین خالص اور نتھری شراب جس سے خوشبو مہکتی ہے۔ مہر لگی ہوئی۔

۲ المنافسة مجاهدة النفس للتشبيه بالافاضل واللحوق بهم من غير ادخال ضرر على غيره قال وفي ذلك فليتنافس المتنافسون۔ وهذا كقوله سابقوا الى مغفرة من ربكم۔ (مفردات) منافسة (اور تنافس) نفس کو محنت میں ڈالنا تاکہ صاحبان فضل کے ساتھ مشابہت پیدا کی جائے اور ان میں شامل ہو جائیں اس طرح کہ دوسرے کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ ارشاد باری وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون سے یہی مراد ہے کہ ایسی شراب خالص کے لئے للچانے والے للچاتے رہیں" یہ صورت ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا سابقوا الی مغفرة من ربکم یعنی اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف سبقت کرو' دوڑو"

۳ سنّم الاناء تسنيماً ملأه۔ والشراب علاه كتسنّمه۔ والتسنيم ضدّ التسطيح وما في الجنّة يجري فوق الغرف او عين تتسنّم عليهم من فوق (قاموس) محاورہ عرب ہے سنّم الاناء تسنیما جبکہ برتن بھر دیا جائے۔ اور سنّم الشراب اسوقت کہتے ہیں

پلائے جائیں گے نتھری شراب مہر لگائی ہوئی سربستہ' جس کی مہر مشک پر ہے' اور

اسی پر چاہئے کہ للچانے رہیں للچانے والے' اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے' وہ چشمہ

جس سے مقربان بارگاہ پیتے ہیں"

ابرار و شراب طہور مناظر جنت اور رویت باری تعالیٰ کا بیان سننے کے بعد یہ سوال بادی النظر میں پیدا ہوتا تھا کہ یہ تو صرف ضیافت بصر و بصیرت ہوئی کہ رائی (دیدہ ور' دیکھنے والا) اپنی جگہ' اور مرئی (دکھائی دینے والی شئے اور منظر) اپنی جگہ رہتا ہے۔ دیکھنے والا اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ دیکھنے کا لطف' اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ابرار کو نتھری ہوئی خالص شراب پلائی جائے گی۔ جو سربستہ مہر زدہ ہوگی۔ دنیا میں بھی

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گزشتہ)

جبکہ شراب اوپر تک بھری ہوئی ہو تسنمہ کے بھی یہی معنی ہیں۔ اور تسنیم ضد ہے تسطیح کی تسطیح کسی چیز کو مسطح بنانا ہے اور تسنیم کسی چیز کو اونٹ کے کوہان کی طرح بلند کرنا۔ نیز تسنیم جنت کی ایک نہر ہے جو بالاخانوں برآمدوں کے اوپر سے بہتی ہے یا چشمہ ہے جو جنت کے اوپر سے بہتا رہتا ہے"

راغب لکھتے ہیں :۔ قال مزاجہ من تسنیم قیل ھو عین فی الجنۃ رفیعۃ القدر وفسر بقولہ عینا یشرب بھا المقربون (مفردات) تسنیم نامی جنت میں ایک چشمہ ہے عالی شان جکی تفسیر آیہ مابعد عینا یشرب بھا المقربون میں فرمائی گئی ہے۔ یعنی تسنیم جنت میں ایک چشمہ ہے جس سے مقربان بارگاہ پیا کرتے ہیں"

دستور ہے کہ خاص خاص عمدہ اور نفیس چیزوں کو سربستہ رکھا جاتا اور ان پر مہر کیجاتی ہے تاکہ نفیس اشیاء اپنی اصلی حالت پر قائم رہیں اور باہر سے کوئی مضر شئے اس میں جانے نہ پائے اور نہ اس نفیس اور مرغوب شئے میں کسی قسم کی کمی ہونے پائے۔ مگر پھر بھی اتنا فرق رہیگا کہ یہاں دنیا میں مہر لاکھ پر جمائی جاتی ہے جو ایک بدبودار شئی ہے۔ گو اس کا اثر گو تل کی اندرونی چیز پر نہیں ہوتا۔ تاہم اس کا امکان ہے کہ اس کا کچھ نہ کچھ اثر، کم از کم اسکی بو اندرونی شئے پر اثر انداز ہو کیونکہ بعض اشیاء بیرونی اثر کو جلد قبول کر لیتی ہیں۔ آخرت میں ابرار کو جو شراب پلائی جائیگی اور فرشتے اس کے جام بھر بھر کر ابرار اخیار کو پلائیں گے ان پر جو مہر لگی ہوگی وہ مشک پر جمائی جائیگی۔ جو خالص خوشبو دار اعلیٰ قسم کی معروف شئی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس ظرف پر مشک خالص کی مہر ہو اس کی اندرونی شئی کی کیسی قدر و قیمت ہوگی اور اس کا لطف کیا ہوگا؟ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون اور ایسی چیز کے حصول میں للچانے والوں کو للچانا چاہیئے۔" اور دنیا میں رہ کر اس کے حصول کی ہر تدبیر کرنی چاہیئے

پھر مزید لطف اس پر یہ ہوگا کہ اس میں تسنیم کی ملونی ہوگی۔ جس کی آمیزش سے اس شراب الصالحین کا لطف دوبالا ہو جائیگا۔ تسنیم ایک چشمہ ہے نہایت عالی قدر جو قصور اہل جنت کے اوپر سے بہتا ہوگا مقربان بارگاہ الہٰی تو خالص اس کو پینے

رہتے ہیں۔ ابرار کو اس کی ملونی دی ہوئی شراب پلائی جائیگی۔ اس سے ابرار اور مقربین کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مشہور ہے: ۔حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔" یعنی ابرار جن کاموں کی بدولت یہ مراتب عالیہ حاصل کرتے ہیں۔ اور عام مومنین کے درجہ سے ترقی کرکے ابرار کا درجہ پاتے ہیں وہی کام اگر مقربین بارگاہ کریں تو یہ ان کے لئے سزاوار نہیں۔ اس سے ان کی قدر و منزلت گھٹ جاتی یا کم از کم ان کی ترقی رک جاتی ہے۔ اللہ اکبر! مقربین کی کیا شان ہے کہ ابرار بھی ان کی ہمسری نہیں کرسکتے۔ اس میں اہل ایمان کے لئے ایک درس ہے کہ ابرار کے درجہ ہی کو اپنا کمال نہ سمجھیں۔ مقربین کے درجہ تک بھی ان کی رسائی ہوسکتی ہے۔ پھر تقرب کے مدارج ہیں۔

دوسری تفسیر حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: ۔قوله یسقون من رحیق مختوم ختامه مسك قال عاقبته مسك قوم یمزج لهم بالکافور ویختم لهم بالمسك ومزاجه من تسنیم قال شراب من اشرف الشراب عینا فی الجنة یشرب بها المقربون صرفا ویمزج لسائر اهل الجنة (عبدالرزاق عبدبن حمید) ارشاد باری تعالی یسقون من رحیق مختوم ختامه مسك کا مطلب یہ ہے کہ ابرار کو جو شراب دی جائیگی اس کا انجام مشک پر ہوگا یعنی اول الامر

کافور کی ملونی دی ہوئی شراب دی جائے گی اور آخری جام مشک کی مہر لگی ہوئی شراب کا ہوگا اور اس میں تسنیم کی ملونی ہوگی جو جنت کی تمام شرابوں میں اشرف و اعلیٰ شراب ہوگی جس کو مقربان بارگاہ تو خالص تسنیم کو پیتے ہوں گے اور دوسرے اہل جنت کو تسنیم کی ملونی دی ہوئی شراب ملیگی"۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ حضرت قتادہؓ نے اس مضمون کا استنباط غالباً سورۂ دہر کی اس آیہ کریمہ سے فرمایا:۔ ان الابرار یشربون من کأس کان مزاجھا کافورا۔ یقیناً ابرار ایسی شراب کے جام پیتے رہیں گے جس میں کافور کی ملونی دی ہوئی ہوگی"۔ اور آخری جام تسنیم کی ملونی کا ہوگا۔ جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی۔ رہے مقربین انکا کیا پوچھنا کہ وہ خالص تسنیم کے پینے والے ہونگے۔ اور سورۂ دہر ہی میں یہ بھی گزر چکا ہے:۔ ویسقون فیھا کاسا کان مزاجھا زنجبیلا۔ اور ابرار کو جنت میں ایسی شراب کے جام بھی پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی ملونی ہوگی"۔ یعنی کبھی کافور کی ملونی اور کبھی سونٹھ کی کبھی تسنیم کی۔ جنتی کی خواہش کے مطابق' یا ابرار کے مدارج کے لحاظ سے۔ یا جنت کے احوال کے مدنظر' مناسب حال ملونی دی ہوئی شراب کے جام پیش کئے جائیں گے جس سے ان کا لطف دوبالا ہوتا جائیگا۔

حضرت سیدنا ابن عباس کا ارشاد کافور سونٹھ اور مشک کا بیان جو مذکورۂ بالا

آیات کریمہ میں گزرا ہے اس سے دنیا کے کافور سونٹ اور مشک پر قیاس نہ کیا جائے
کہ کافور اور سونٹ تو معمولی چیزیں ہیں۔ حضرت حبرالامۃ عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے
ہیں:۔ ما ذکر اللہ فی القرآن بما فی الجنۃ وسمّاہ لیس لہ فی الدنیا مثل۔
اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنت کی جن جن چیزوں کا بیان فرمایا اور ایک
ایک چیز کے نام گنوائے ان میں کی ہر ہر چیز ایسی ہوگی جس کی ساری دنیا میں کہیں نظیر
نہ ہوگی۔" وہاں کافور کے نام سے جس چیز کا بیان فرمایا گیا یا زنجبیل کے نام سے
یاد کیا گیا۔ دنیا کے کافور اور زنجبیل کو اس سے کوئی نسبت نہیں صرف ظاہری بہت مشابہت
کی بنا پر ایسے نام دئے گئے ہیں کیونکہ عرب قوم کو جو گرم مزاج ہوتے ہیں کافور پسند تھا
اور سرد مزاج والوں کو زنجبیل سے رغبت تھی۔ یا سرما میں زنجبیل اور گرما میں کافور
مرغوب تھا محض اس بنا پر ایسا کہا گیا ہے ورنہ دنیوی چیزوں کو نعیم جنت کیا تعلق
کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ یہی حال مشک کا بھی ہے۔ اگرچہ مشک دنیا میں قیمتی خوشبو دار
اعلیٰ درجہ کی چیز ہے لیکن جنت کے جس مشک کا بیان فرمایا گیا ہے وہ اور ہی ہے
جنت کی نعمتوں کے متعلق بس اس قدر کہنا کافی ہے کہ لا عین رأت ولا خطر علی
قلب بشر یعنی نہ آنکھوں سے کبھی دیکھا نہ دل ہی نے اس کا کبھی اندازہ کیا۔ یہ حق
تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ مالک رب العالمین نے اپنے کلام پاک میں کوثر۔ تسنیم۔

اور سلسبیل کا ذکر ساتھ ساتھ فرمایا اور ان کی حقیقت بے نقاب فرمائی۔ جن کا دنیا میں وجود نہیں اور نہ ان کی حقیقت کسی کو معلوم ہے بلکہ ان کے نام سے تک کسی کے کان آشنا نہیں۔

تیسری تفسیر حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ قوله يسقون من رحيق مختوم قال الخمر ختامه مسك قال طينة مسك ومزاجه من تسنيم قال تسنم عليهم من فوق دورهم۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی) رحیق سے شراب مراد ہے۔ اور ختامه مسك سے مراد، مشک کی زمین ہے جس پر مہر لگائی جاتی ہے اور تسنیم سے وہ چشمہ یا نہر مراد ہے جو اہل جنت کے محلات عالیات کے اوپر سے بہتی ہوگی۔" اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ خفايا اخفاها لاهل الجنة۔ (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید) یہ پوشیدہ چیزیں ہیں جن کو اللہ سبحانہ نے اہل جنت کی خاطر، چھپائے رکھی ہیں" کہ وہ جنت میں آئیں گے تو ان سے لطف اندوز ہوں گے۔ یعنی اللہ سبحانہ نے دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا ہے:۔ فلا تعلم نفس ما اخفي لهم من قرة اعين جزاءً بما كانوا يعملون۔ کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں وہ وہ نعمتیں جو اہل جنت کیلئے چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کاموں کے صلے میں جن کو وہ کیا کرتے تھے" یہ ماحیق، مسک زنجبیل، کافور، کوثر اور سلسبیل وغیرہ جو نام بتائے گئے ہیں۔ یہ مخفی نعمتیں ہیں

ان کے مخفی اعمال کے بدلے میں جن کو اہل جنت، دوسروں کی نظروں سے بچکر کئے جاتے تھے آج اس کا صلہ ان مخفی نعمتوں کے ذریعہ دیا جارہا ہے جن کی حقیقت حال سے اللہ سبحانہ کے سوا کوئی بھی واقف نہیں۔ نہ جن، نہ بشر، نہ ملک، حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) اللّٰھم ارزقنا منھا۔ آمین

رحیق مختوم کے حصول کی تدبیر حضرت ابو سعید خدریؓ اپنی حدیث مرفوع میں فرماتے ہیں:۔ ایما مؤمن سقی مومنا شربۃ علی ظمأ سقاہ اللّٰہ یوم القیامۃ من الرحیق المختوم۔ (امام احمدؒ، ابن مردویہ) جو کوئی مومن اپنے کسی مومن بھائی کو اس کے پیاسا ہو جانے کے موقع پر کوئی "شربت" بھی پلادے تو اللہ سبحانہ قیامت کے دن اس کو مہر لگائی ہوئی شراب خالص پلائیگا۔ یہاں "شربت" سے پینے کے قابل چیز مراد ہے جس سے پیاسے کی پیاس دفع ہو خواہ وہ کوئی شربت ہو یا پانی۔ اس حدیث شریف میں خدمت خلق کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے کہ پیاسے کو پانی پلادینا بھی اللہ سبحانہ کے نزدیک کیسی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ نیز اہل ایمان کو آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔ لہٰذا جس کسی کو رحیق مختوم کے پینے کی آرزو ہو تو کم از کم اپنے مسلمان بھائی کو پانی ہی پلادے۔ اور وہ کون مومن ہوگا جس کو ایسی آرزو نہ ہو۔

83-29 اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا کَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَکُوْنَ ۝
83-30 وَ اِذَا مَرُّوْا بِہِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ۝ وَ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓی اَہْلِہِمُ انْقَلَبُوْا
83-31 فَکِہِیْنَ ۝ وَ اِذَا رَاَوْہُمْ قَالُوْٓا اِنَّ ہٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝ وَ مَآ اُرْسِلُوْا عَلَیْہِمْ
83-32
83-33 حٰفِظِیْنَ ۝ یقین جانو کہ مجرمین (کفار) ایمان داروں سے ہنستے تھے اور

جب ان پر سے گزرتے تو آپس میں آنکھ مارتے' اور جب اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتے تو ہنس ہنس کر باتیں بناتے ہوئے لوٹتے' اور جب ان کو (دور سے) دیکھ لیتے تو کہتے کہ بے شک یہ لوگ بھکے جا رہے ہیں' حالانکہ وہ نہیں بھیجے گئے مسلمانوں پر نگہبان بنا کر۔

کفار کا مومنین کے ساتھ دنیا میں سلوک

ابرار اخیار کی اللہ سبحانہ کے دربار میں یہ شان اور ایسی آؤ بھگت ہے۔ اور وہ ایسے اعزاز و اکرام کے مستحق ہیں مگر ان کے ساتھ کفار کا معاملہ دنیا میں کچھ اس نوع کا تھا کہ انکا مذاق اڑاتے' بات بات پر ہنستے تھے۔ اگر کبھی مسلمانوں کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو اپنے لوگوں کی طرف دیکھ کر آنکھ مارتے' اشارے کرتے کہ ان احمقوں کو دیکھو کہ خیالی جنت کی موہوم امید پر یہاں کے عیش و آرام سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ آبائی دین جس میں ہر طرح کی آزادی ہے چھوڑ کر ایک فرضی رسول کے پیچھے جا رہے ہیں اور طرح طرح کی پابندیاں

عاید کرکے فضول زحمتیں برداشت کر رہے ہیں اور اسی کو کمال دانائی اور عقلمندی سمجھ رکھا ہے۔ یہ فقرے اور پھبتیاں تو گھر سے نکل کر اپنے کاروبار کی طرف جاتے ہوئے راہ میں اڑاتے۔ اور جب اس سے فارغ ہوکر اپنے گھر واپس آتے تو خوش ہو ہوکر آپس میں باتیں کرتے کہ جناب! آج ان بے وقوفوں سے ملاقات ہوئی جہاں ایسی ایسی باتیں ہو رہی تھیں۔ اچھا ہوا کہ ہم ان کے دام میں نہ آسکے۔ اور ان کی ایک نہ سنی ورنہ اندیشہ تھا کہ وہ ہم کو بھی پھانس لیتے' بھلا کسی کی عقل اجازت دیتی ہے کہ ایک موہوم امید پر ہم موجودہ عیش و عشرت کو چھوڑ بیٹھیں۔ اور موجود پر موہوم کو ترجیح دیں وہ ہم کو گمراہ کہتے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود راہ نجات کو گم کئے ہوئے ہیں۔ گھر چھوڑا' بی بیاں' بچے چھوڑے' خویش واقارب چھوڑے' آرام چھوڑا' رات دن ہم جیسے ایک بشر کے پیچھے دوڑے جاتے ہیں' راتوں رات جاگتے' اٹھ بیٹھ کرتے رہتے ہیں اور اس کا نام نماز رکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔

کفار اہل ایمان کے نگران کار نہیں

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۔ یعنی یہ مجرمین ایسے فقرے کستے' اور ایسی پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ ان کو چاہئے تھا کہ یہ مجرم دن رات جن مجرمانہ افعال' قتل' غارت گری' لوٹ کھسوٹ' زناکاری' شراب خواری' جوابازی' وغیرہ کے

خوگر ہیں۔ خود اپنے افعال کا جائزہ لینے اور اپنے ایک ایک فعل کو میزانِ عقل میں رکھکر تولنے
اس کے حسن و قبح کو جانچنے۔ خود کو تو بھولے ہوئے ہیں اور جائزہ لے رہے ہیں اہل ایمان کے اعمالِ
صالحہ کا۔ نماز کا، قرآن کا، خیرات کا، شب بیداری کا، صداقت کا، راستبازی کا، بھائی چارگی کا
ہمدردی کا، ایثار کا، مروت کا، حلم کا، تواضع کا، عفو کا، درگزر کا، غرض مومنین کے ایک ایک
فعل اور حرکت پر نظر رکھ کر من مانی باتیں کر رہے ہیں کچھ ہم نے ان مجرمین کو مومنین کا نگران کار
یا داروغہ مقرر نہیں کیا۔ اور نہ اس فریضہ نگرانی کی انجام دہی کے لئے انکو بھیجا گیا۔ پھر یہ مذاق
تمسخر، ہنسی دل لگی کیوں؟

کفار کا تمسخر حضرت قتادہ فرماتے ہیں: قوله ان الذين اجرموا كانوا من
الذين آمنوا يضحكون قال في الدنيا ويقولون والله ان هؤلاء لكذبة
وماهم على شيئ استهزاءً بهم۔ (عبد بن حمید) ارشاد باری تعالیٰ کہ مجرمین اہل ایمان سے
ہنستے تھے دنیا میں، اور ازراہ تمسخر کہتے تھے کہ خدا کی قسم یہ سب جھوٹے ہیں۔ یہ کسی راہ ہدایت
یا صحیح راستے پر نہیں ہیں۔" مسلمانوں کو چاہئے کہ صبر کریں عنقریب قیامت میں انکی خبر لیجائیگی۔

3-34 فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝ 3-35 عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ۝
3-36 هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ ع پس آج ایمان والے کفار سے ہنستے ہونگے۔
تختوں پر (بیٹھے) دیکھتے رہینگے کیا بدلہ مل چکا کافروں کو ان اعمال کا جو وہ کرتے تھے۔"

من ضحك ضحك دنیا میں کفار ہنستے تھے اور اہل ایمان کا مذاق اڑاتے تھے۔ دنیا تو دار العمل ہے۔ یہاں آج جو کچھ کرو گے کل قیامت میں وہی چیز در پیش ہوگی۔ پس آج جبکہ قیامت قائم ہو چکی ہے ایمان والے ان کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ کفار کو ان کی بد اعمالی کی ایک ایک سزا جو دیجا رہی ہے اور اس میں ان کی جو درگت بن رہی ہے اسکو اہل ایمان اپنے زرنگار تختوں پر آرام سے بیٹھے تماشہ دیکھتے جائینگے اور ان پر ہنستے رہینگے۔ ایسی ہنسی جو کبھی رکنے والی نہیں۔ پھر پوچھا جائیگا کہ کہو تو دنیا میں کفار جو کچھ کر رہے تھے آج اس طرح ان کے کرتوت کا بدلہ پورا پورا ملا یا نہیں؟" کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں ملا۔ ملا اور خوب ملا۔

کفار کی تضحیک آخرت میں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان المستھزئین بالناس فی الدنیا یرفع لاحدھم یوم القیامۃ باب من ابواب الجنۃ فیقال ھلم ھلم فیجیئ بکربہ وغمہ فاذا اتاہ اغلق دونہ ثم یفتح لہ باب آخر فیقال ھلم ھلم فیجیئ بکربہ وغمہ فاذا اتاہ اغلق دونہ فما یزال کذلک حتی انہ لیفتح لہ الباب فیقال ھلم ھلم فلا یأتیہ من یاس (امام احمدؒ، ابن ابی الدنیا، بیہقیؒ) جو لوگ دنیا میں دوسروں سے استہزاء کیا کرتے تھے، قیامت کے دن ان میں سے ایک ایک کیلئے جنت کے دروازوں میں سے ایک ایک دروازہ بلندی پر سے

کھولا جائیگا اور کہا جائیگا کہ ادھر آؤ ادھر آؤ۔ وہ اپنے جس غم اور مصیبت میں مبتلا ہے اسی حالت میں بہزار دقت و مشقت وہاں آئیگا جب وہاں قریب پہنچا تو اسکو باہر چھوڑ کر ہی بند کر دیا جائیگا۔ (ظاہر ہے کہ اسکی حسرت کی کوئی انتہا نہ رہیگی۔ پھر وہ نامراد و ناکام اپنی جگہ واپس آجائیگا۔) پھر اس کے لئے دوسرا دروازہ اسی طرح بلندی پر سے کھولا جائیگا اور آواز دیجائیگی۔ ارے ادھر آ ادھر آ۔ وہ دوبارہ بہزار دقت و مشقت کرتا پڑتا وہاں پہنچیگا۔ جب وہ قریب آپہنچا تو اس کو بھی بند کر لیا جائیگا۔ پس وہ اسی پریشانی میں ٹھوکریں کھاتا سرگرداں رہیگا۔ بالآخر نوبت یہاں تک پہنچیگی کہ ایک ایک دروازہ کھولکر اسکو ندا دیجائیگی۔ اب وہ مایوس ہو کر بلاوے پر آنا چھوڑ دیگا" یہ ہے استہزا کی جزا جو مستہزئین کو دیجائیگی۔ یہ ایک نمونہ ہے۔ اسی پر اور دوسرے طریقوں کو قیاس کر لیا جائے۔

کفار کی تضحیک کا نظارہ

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ قال کعب ان بین اھل الجنۃ و اھل النار کوی لایشاء الرجل من اھل الجنۃ ان ینظر الی عدوہ من اھل النار الا فعل (عبدالرزاق عبد بن حمید ابن المنذر)

کعب احبار نے فرمایا کہ جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایک دریچہ ہوگا جہاں سے اہل جنت چاہیں تو دوزخیوں میں سے جو ان کے دشمن ہیں ان پر جو کچھ گزر رہی ہے اسکو دیکھ سکینگے" اس طرح ایک ایک جنتی اپنے اپنے دشمن کو جو ان کے ساتھ دنیا میں استہزا کیا کرتا اور ان کا مذاق اڑاتا تھا اس کے احوال کا مشاہدہ کرتا رہیگا۔ اور استہزا کا بدلہ جو دوزخ میں اس کے دشمن کو دیا جارہا ہے

اس کو دیکھ کر خوش ہوتا جائیگا۔ اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔

کفار سے خطاب آخر پر اللہ سبحانہ کی طرف سے خطاب ہوگا۔ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۔ کیا کفار سے بدلہ لے لیا گیا ان تمام اعمال کا جو وہ دنیا میں اہل ایمان کیساتھ کیا کرتے تھے؟" دنیا میں اہل ایمان ضعیف و ناتواں، نادار اور اقلیت میں تھے اور ان کے مقابل کفار اپنی شان و شوکت دکھلاتے اور اپنی حکومت پر نازاں تھے، کبھی اپنے تمول کا زور دکھاتے اور کبھی اپنی اکثریت پر شاداں و فرحاں رہتے اور دو روزہ دنیا کی حکومت و قوت اور اسی کے بل بوتے پر اہل ایمان کو طرح طرح سے ستاتے، دق کرتے، مذاق اڑاتے اور فقرے کستے تھے۔ مگر وہ بھولے ہوئے تھے کہ خدائے بزرگ و برتر جو ظلم کا روادار نہیں۔ دانے دانے کا رتی رتی حساب رکھنے والا۔ ناپ تول میں کمی پر بھی گرفت کرتا ہے تو وہ کسی کی اذیت، عزت ریزی، استہزاء و تمسخر کو کب گوارا فرما سکتا ہے۔ انصاف کا وقت آنے پر ہر ایک کا حساب بیباق فرمانے والا ہے۔ اس کے نزدیک آج قوی بھی ضعیف ہے اور ضعیف کو وہ قوت حاصل ہے اس کا حق کسی قوی پر نکلنے والا ہے وہ پورا پورا دلا کر رہیگا ان دن اہل ایمان خوشی سے پھولوں نہیں سمائینگے۔

سورۂ تطفیف کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللہ الحمد۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ الطاہرین و اصحابہ اجمعین۔

(سہ شنبہ ۱۱ ذی الحجہ الحرام ۱۳۷۹ھ)

84 Inshiqaaq Makky Verses 25

(۸۴)

سُورۂ انشقاق

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور اس میں (۲۵) آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کو سورۂ انشقت بھی کہتے ہیں۔ اس بنا پر کہ اس کی پہلی آیہ کریمہ اسی کلمہ پر ختم ہوئی ہے۔ ماقبل سورت سے اس کا ربط و مناسبت اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے کہ ان تینوں سورتوں کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ تاہم یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اذا السمآء انفطرت میں کراماً کاتبین کا بیان فرمایا گیا تھا۔ اور ویل للمطففین میں ان کے لکھے ہوئے دفاتر کے پتے اور محل وقوع کی نشان دہی فرمائی گئی تھی کہ فجار کے اعمال نامے سجین میں اور ابرار کے نامہ ہائے اعمال علیین میں ہیں اور اس سورت شریفہ میں بروز قیامت ان تمام اعمال ناموں کے کھولے جانے کا بیان آرہا ہے۔ اب وجہ مناسبت ظاہر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

84-1
84-2
84-3
84-4
84-5

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ٥ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ٥ وَاِذَا الْاَرْضُ

مُدَّتْ ٥ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ٥ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ٥

جب آسمان پھٹ جائے، اور سن لے حکم اپنے پروردگار کا اور وہ (آسمان) اسی

لائق ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی

ہو جائے اور سُن لے حکم اپنے رب کا اور وہ (زمین) اسی لائق ہے۔"

قربِ قیامت کے آثارِ علوی

یعنی جب قیامت قریب ہوگی تو اللہ سبحانہٗ کا حکم آسمان کے نام ہوگا کہ وہ پھٹ جائے تو ایک ایک آسمان شق ہوتا جائیگا حضور سلطان الاولیاء حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں:۔ تنشق السمآء من المجرّۃ۔ (ابن ابی حاتم) ایک ایک آسمان مجرہ کے پاس سے پھٹتا جائیگا" مجرّہ آسمان کا دروازہ ہے سفید رنگ کا۔ دراصل یہ چند ستاروں کا مجموعہ ہے جو دور ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتے صرف ان کی روشنی نظر آتی ہے۔ فارسی میں اس کو کہکشاں کہتے ہیں۔ جب آسمان بنا تھا تو اس کو یہیں سے جوڑ دیا گیا تھا۔ اب چونکہ اس کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اس کو اسی مقام سے کھول دیا جائیگا۔ گویا ایک سیون تھا جو ادھیڑ دیا گیا۔ بہرحال جب آسمان کو پھٹ جانے کا حکم الٰہی پہنچیگا تو وہ فوراً مجرّہ کے پاس سے جہاں سے اس کو جوڑا گیا تھا پھٹ جائیگا

اور کیوں نہ پھٹ جاتا اس کو تو حکم الٰہی پہنچا تھا۔ اور آسمان اگرچہ اللہ سبحانہ کی بہت بڑی مخلوق ہے جو سارے عالم کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے اپنے پروردگار کے حکم کے آگے جھک جائے گا۔ اور وہ کیوں نہ جھکتا اس کے لیے یہی سزاوار ہے کہ اللہ سبحانہ کے ہر حکم کے آگے جھک جائے۔ آسمانوں کے پھٹ جانے کے بعد تمام ملائکہ جو سماوات میں رہتے تھے حکم الٰہی سے زمین پر اتر آئیں گے۔

قرب قیامت کے آثار سفلی

اسی طرح زمین کو حکم ہوگا کہ وہ پھیل جائے۔ تو اس کے تمام نشیب و فراز یکساں سطح ہو جائیں گے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ موجودہ حالت کے مقابلہ میں بہت کچھ طویل و عریض ہو جائے گی اور اس میں اتنی گنجائش پیدا ہوگی کہ از آدم تا ایں دم جتنے انسان، حیوانات وغیرہ اس میں مدفون ہیں وہ سب کے سب سطح زمین پر آسکیں گے۔ حضرت جابرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:۔ تمدّ الارض یوم القیامة مدّ الادیم ثمّ لا یکون لابن آدم منها الّا موضع قدمیه (حاکم) قیامت کے دن زمین دراز کر دی جائیگی جیسے جلد یا ربڑ کو کھینچکر پھیلا دیا جاتا ہے۔ با ایں ہمہ اولاد آدم کو اپنے دونوں پاؤں (رکھ کر کھڑے ہونے) سے بڑھ کر جگہ نہ مل سکیگی"۔

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:۔ اذا کان یوم القیامة مدّت الارض

مدّ الادیم وحشر اللہ الخلائق الانس والجن والدواب والوحوش فاذا کان ذلک الیوم جعل اللہ القصاص بین الدواب حتی یقتص للشاۃ الجماء من القرناء تنطحہا فاذا فرغ اللہ من القصاص بین الدواب قال لھا کونی ترابا فیراھا الکافر فیقول یا لیتنی کنت ترابا۔

(حاکم) جب قیامت کا دن آئے گا تو زمین ربڑ کی طرح پھیلا دی جائے گی اور اللہ سبحانہ تمام مخلوقات کو (زندہ کرکے) اٹھائیگا۔ انس وجن چوپائے اور وحشی جانور سبھی (اٹھائے جائیں گے) اور جب یہ نوبت آن پہنچیگی تو چوپایوں میں تک قصاص اور بدلہ لیا جائے گا۔ تا آنکہ بے سینگ کی بکری سینگ والی سے اس کے سینگ مارنے کا بدلہ لے لیگی۔ پھر جب اللہ سبحانہ جانوروں کے باہمی سلوک کے بدلے سے فارغ ہوگا تو تمام جانوروں کو حکم ہوگا کہ تم سب مٹی ہوجاؤ (چنانچہ سب جانور اس دن مٹی ہوجائیں گے۔ پھر کفار جب یہ حالت دیکھ لینگے تو اپنے میں آپ کہیں گے کہ اے کاش! ہم بھی سب مٹی ہوجاتے" یعنی حساب وعذاب سے بچ جاتے۔

حضورؐ سب سے پہلے مبعوث ہوں گے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم شافع روز محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انا اول من تنشق عنہ الارض یوم القیامۃ فاجلس جالسا فی قابری وان الارض تحرکت بی فقلت لھا مالک فقالت ان ربی امرنی ان القی ما فی جوفی وان اتخلی فاکون کما کنت اذ لا شیئ فیّ فذلک قولہ والقت ما فیھا وتخلت۔ (ابو القاسم ختلی) میں پہلا شخص ہوں گا جس کے پاس سے قیامت کے دن زمین شق ہوگی۔ ابھی میں اپنی قبر میں بیٹھا ہوا ہی رہوں گا کہ زمین مجھے حرکت میں لائیگی۔ میں اس سے کہوں گا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے؟ وہ کہیگی کہ میرے رب کا مجھے حکم ہوا ہے کہ میرے اندر جو کچھ ہے اُگل دوں' اور تمام اندرونی چیزوں سے یکسر خالی ہوجاؤں۔ پس میں اپنی سابقہ حالت پر آجاؤں گی جب کہ مجھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ وَالْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ کا یہی مطلب ہے۔" حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ اخرجت اثقالھا وما فیھا من الکنوز والناس۔ (عبدالرزاق' عبد بن حمید) زمین اپنے اندر کی تمام ثقیل چیزیں اور اس میں جو کچھ خزانے' دفینے' معادن اور انسان وغیرہ دفن ہیں وہ سب کچھ اُگل دیگی۔"

آسمان و زمین کی اطاعت میں ایک سبق

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔

اور زمین اپنے پروردگار کے حکم پر کان دھرے گی یعنی اس کا حکم مان لے گی اور اس کے
مطابق عمل کرے گی۔ اور وہ اسی کے سزاوار اور اسی لائق ہے کہ اس کو جو بھی حکم
دیا جائے اس پر عمل پیرا ہو۔" یہی ارشاد باری آسمان کی نسبت بھی ہوا ہے کہ وہ بھی
اپنے پروردگار تعالیٰ کے حکم پر کان دھرتا، اس کو مانتا، اور اس پر عمل پیرا ہوگا۔
اور آسمان بھی اسی لائق ہے۔ اس ارشاد باری سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ آسمان جو
تمام مخلوقات کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے اور زمین جس میں ایسے معادن اور
دفائن ہیں اور جس سے آدم خاکی وجود میں آیا وہ تو پروردگار عالم کے ہر حکم کے
آگے جھکا ہوا اور بے چون وچرا اس کو مانتا اور عمل کرتا ہے اور یہی اس کے لئے
سزاوار بھی ہے تو انسان جو آسمان کی طرح بلند و بالا نہیں اور زمین کی طرح ایسے
بے شمار خزائن، دفائن، معادن کا حامل نہیں اس کے لئے یہ کیونکر سزاوار ہوسکتا
ہے کہ احکام الٰہیہ کی بجاآوری سے پہلوتہی کرے اور ان کو ماننے سے سرتابی کرے
درحالیکہ وہ اسی اطاعت گزار زمین کی مٹھی بھر خاک سے بنا ہے۔ العجب ثم العجب۔

84-6 يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۝

"اے انسان! بے شک تجھ کو دوڑ دھوپ کرنی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں لگاتار،
پھر اس سے ملنا ہے۔"

(آیت ۶ رکوع ۱)

انّك کادح کی تفسیر ظاہر ہے کہ انسان کی تخلیق بے فائدہ اور عبث تو نہیں ہوئی ہم دنیا میں آئے ہیں تو عمر بھر کچھ نہ کچھ کرنا ضرور ہے۔ کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ زندے اور مردے میں کیا فرق ہے؟ اس نے جواب دیا صرف عمل اور کام کا۔ یعنی زندہ کچھ نہ کچھ کام کرتا رہتا ہے اور مردہ کچھ نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دنیا میں زندہ رہ کر بھی کچھ نہیں کرتے وہ حقیقت میں مردہ ہیں۔ قرآن کریم میں بھی ایسے لوگوں کو اصحاب القبور کہا گیا ہے۔ بہرحال انسان جب تک دنیا میں ہے وہ لگاتار کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے۔ اور یہ امر واقعہ اور روزمرہ کا مشاہدہ ہے لیکن کام کام میں فرق ہے۔ کوئی کام ایسا ہوتا ہے کہ اس کی منفعت دوروزہ دنیا تک محدود ہے' آخرت میں اس سے کوئی نفع نہیں۔ بہتیرے انسان اسی قسم کے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جن کے عمل کا نفع دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ یا کم از کم آخرت ہی میں اس کا نفع ظاہر ہوگا اگرچہ دنیا میں اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے۔ قرآن کریم کی تعلیمات' اور انبیاء و مرسلین کی ہدایات' کار آخرت کی جانب توجہ دلانے پر ہی مرکوز رہتی ہیں۔ اگر اس ضمن میں نفع دنیوی بھی تبعاً حاصل ہو تو نور علی نور' اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ آخرت کو کسی حال فراموش نہ کرنا اور اس کو پس پشت نہ ڈالنا چاہیئے۔

انسان سے خطاب ارشاد ہو رہا ہے:۔ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ۔ اے انسان! بے شک تجھکو دوڑ دھوپ کرنی ہے اپنے رب تک پہنچنے میں پھر اس سے ملنا ہے" حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں:۔ [1] المراد به الاسود بن هلال المخزومی جادل اخاه ابا سلمة فی امر البعث فقال ابو سلمة ای والذی خلقك لتركبن بالطبقة ولتوافين العقبة فقال الاسود فاین الارض والسماء وما حال الناس ۔ اس آیہ کریمہ میں یا ایھا الانسان سے اسود بن ہلال مخزومی مراد ہے جس نے اپنے بھائی

عہ الكدح السعی والعناء قال انك كادح الی ربك كدحا وقد يستعمل استعمال الكدم فی الاسنان قال الخليل الكدح دون الكدم ۔ (مفردات) جد و جہد کرنے اور اس میں رنج اٹھانے کو کدح کہتے ہیں ۔ ارشاد باری انك كادح الی ربك كدحا سے یہی مراد ہے یعنی اے انسان! تجھے اپنے رب تک پہنچنے میں بڑی جد و جہد کرنی ہے" اور کبھی یہ لفظ کدم کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی دانت سے پکڑنا خلیل نے کہا کہ کدح کا درجہ کدم کے مقابلہ میں کم ہے" الكدح السعی فی العمل للآخرة او للدنيا ۔ (مجمع البحار) عملی جد و جہد کو کدح کہتے ہیں خواہ اس کا تعلق عمل آخرت سے ہو یا عمل دنیا سے"

ابوسلمہؓ سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کے مسئلہ میں بحث کی تھی۔ ابوسلمہؓ نے اپنے بھائی سے دوران بحث میں کہا تھا قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھے پیدا کیا تو ضرور ایک ایک درجہ طے کرتا جائیگا اور بالضرور تجھے ایک گھاٹی سے سابقہ پڑیگا۔ (یعنی مرنے کے بعد قبر سوال منکر ونکیر اور جملہ احوال برزخ یکے بعد دیگر طے کر کے اپنے مستقر پر پہنچا ہوگا) تو اس کے جواب میں اسود نے کہا تھا کہ اگر ایسا شدنی ہے تو پھر یہ زمین و آسمان کہاں ہوں گے اور لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا؟ تو اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ اے انسان! تجھے اپنے پروردگار کے ہاں پہنچنے تک دوڑ دھوپ کرنی ہے پھر اس سے ملنا ہے" ابوسلمہؓ کا قول درست ہے۔

شان نزول وقیل المراد ابی بن خلف کان یکدح فی طلب الدنیا وایذاء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والاصرار علی الکفر۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں "الانسان" سے اُبی بن خلف مشہور کافر مراد ہے جو دنیا طلبی کی تگ و دو میں لگا ہوا تھا، اور حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ایذا پہنچانے کے درپے رہا کرتا اور کفر پر اڑا ہوا تھا۔" ممکن ہے واقعہ یہی ہو لیکن انسب واولیٰ یہ ہے کہ "الانسان" سے نوع بشر مراد لی جائے۔ اور اس کو خطاب عام قرار دیا جائے۔

دوسری تفسیر اسی طرح فملاقیہ میں ضمیر "ہ" کا مرجع بعض نے "ربک" کو

قرار دیا ہے اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اے انسان! تجھے ایک دن اپنے پروردگار سے ملنا اور اس کو منہ دکھانا ہے۔ لہٰذا کام وہی کر جس میں پروردگار عالم کی رضا و خوشنودی ہو اور وہ تجھ سے اس دن خوش رہے۔ دنیا میں وہ کام نہ کر جس سے پروردگار عالم ناراض ہو تاکہ تجھے قیامت میں شرمسار نہ ہونا پڑے۔" اور بعض مفسرین نے ضمیر "ہ" کا مرجع "کدحاً" کو قرار دیا ہے اس صورت میں معنی یوں ہوں گے کہ اے انسان! دنیا میں تو جو کچھ کر رہا ہے وہی عمل آخرت میں تیرے سامنے آئیگا۔ اگر اچھا کام کریگا تو اس کی جزا بھی اچھی ملیگی اور جو برا کام کریگا تو اس کی سزا بھگتنی پڑیگی۔ یہ ہر دو معنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

84-7 فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا
84-8
84-9 یَّسِیْرًا ۙ وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ پھر وہ جس کو دیا گیا اس کا
اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں تو عنقریب اس سے حساب لیا جائیگا آسان حساب
اور وہ لوٹ آئیگا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر۔"

حساب یسیر کے لئے حضورؐ کی دعا

ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی بعض صلاته اللهم حاسبنی حسابا یسیرا فلما انصرف قلت

یارسول اللہ ما الحساب الیسیر قال ان ینظر فی کتابہ فیتجاوز لہ عنہ انہ من نوقش الحساب ھلک (امام احمدؒ ابن جریرؒ حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہؒ)

میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نماز میں یہ کہتے ہوئے سنا:۔ اللّٰھم حاسبنی حسابا یسیرا۔ اے اللہ میرا حساب آسان حساب لیجیے۔" جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا۔ اے خدا کے پیارے رسول! حساب یسیر یعنی آسان حساب سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نامہ اعمال کو دیکھ کر درگزر سے کام لے۔ کیونکہ جس کے حساب میں پوچھ گچھ شروع ہوئی تو پھر وہ تباہ ہوا۔"

محاسبہ ہو تو کوئی بچ نہیں سکتا

نیز حضرت ام المومنینؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لیس احد یحاسب الا ھلک فقلت الیس اللہ یقول فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا قال لیس ذلک بالحساب ولکن ذلک العرض ومن نوقش الحساب ھلک (امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ بخاری مسلم ترمذیؒ ابن منذرؒ ابن مردویہ) کوئی بھی ایسا نہیں کہ اس سے محاسبہ کیا جائے مگر وہ برباد ہو جاتا ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا۔ کیا اللہ سبحانہ نے ارشاد نہیں فرمایا:۔ فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا۔ جس کسی کو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے اس کا محاسبہ آسان

ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا یہ محاسبہ ہی نہیں ہے۔ یہ تو صرف دربارِ الٰہی میں حساب پیش ہونا ہے۔ (پیش ہونا اور ہے اور محاسبہ کیا جانا اور ہے) حساب یسیر یہ ہے کہ اعمال نامہ پیش کردیا جائے اور اس کو سرسری طور پر دیکھ کر برارت دیدی جائے، رہا وہ جس کے حساب میں مناقشہ در پیش ہو تو پھر اس کی تباہی مقرر ہے۔" یعنی وہ کون ہے جو محاسبہ میں پورا اترے۔ بجز اس کے کہ فضل باری اور رحمتِ الٰہی دستگیر ہو۔

محاسبہ سے بچنے کی تدبیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مرفوع حدیث میں فرماتے ہیں:۔ ثلاث من کن فیہ حاسبہ اللہ حسابا یسیرا وادخلہ الجنۃ برحمتہ تعطی من حرمک وتعفو عمن ظلمک وتصل من قطعک۔

(بزار، طبرانی، حاکم) تین اوصاف ہیں جس میں یہ جمع ہوں، اللہ سبحانہ اس سے معمولی اور آسان حساب لیگا اور اپنی رحمت سے اس کو جنت میں داخل فرمائیگا۔ ایک یہ کہ جس نے تم کو محروم رکھا ہو تم اس کو دیتے رہو۔ اور دوسرا یہ کہ جس نے تم پر ظلم کیا ہو تم اس سے درگزر کئے جاؤ۔ اور تیسرا وصف یہ کہ جس نے تم سے قطع تعلق کیا ہو تم اسکے ساتھ صلۂ رحمی کیا کرو۔" ظاہر ہے کہ یہ صفات جس میں جمع ہوں اس سے کیا محاسبہ کیا جائیگا؟ اللہم اجعلنا منہم۔ آمین۔

اھلہ کی تفسیر وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا۔ اور وہ لوٹ آئیگا اپنے

لوگوں کے پاس خوش خوش" یعنی جنت میں داخل ہوگا جہاں اس نوع کی دوسری بزرگ ہستیاں موجود رہینگی۔ چنانچہ حضرت مجاہدؓ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ الی اھل لہ فی الجنۃ۔ (ابن المنذر) یعنی جنت میں جہاں اس کے ہم مشرب لوگ ہونگے لوٹ آئےگا یہ تفسیر انما المومنون اخوۃ کے مدنظر ہے کہ تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں" اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ الی خاصتہ ومن اعدہ اللہ لہ فی الجنۃ من الحور والغلمان (ابن المنذر) وہ خاص اپنے گھر کے لوگوں کی طرف لوٹ آئیگا جو جنت میں ہوں گے۔ نیز حور وغلمان کی طرف جو اس کی خدمت کے لئے اللہ سبحانہ نے جنت میں مہیا فرمادئے ہیں" ہر دو تفسیریں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دینے کی وجہ

نامۂ اعمال اہل ایمان کو داہنے ہاتھ میں اسلئے دیا جائے گا کہ انھوں نے اللہ سبحانہ کی کتاب کو پوری قوت کے ساتھ لیا تھا۔ پھر اس کو عمر بھر پڑھتے۔ اس کے احکام کو مانتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ داہنے ہاتھ کو یمین کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں قوت کے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بیان میں آیا ہے:۔ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔ اے یحییٰ! اللہ کی کتاب (تورات شریف) کو پوری قوت کے ساتھ لو" اس سے مراد یہی تھی کہ داہنے ہاتھ میں لیجئے جو قوی ہاتھ ہے ادب بھی اسی میں ہے اور اس کو پڑھیں۔ اس کے معانی ومطالب پر

غور کریں۔ اور اس کے مطابق عمل کریں۔ پھر دوسروں تک اس کو پہنچائیں۔ اہل ایمان کا طریق بھی یہی تھا۔ اسی بنا پر آج جبکہ تمام اعمال کی جزا کا وقت آچکا ہے اہل ایمان کو یہ امتیاز دیا جا رہا ہے کہ ان کے نامہ ہائے اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں ہیں جکی قوت اُلٹے ہاتھ کے مقابلہ میں بڑھی ہوئی ہے۔ عموماً لوگوں کا یہی حال ہے۔

84-10 84-11 وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ
84-12 84-13 وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ؕ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ
84-14 84-15 يَّحُوْرَ ۚ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ؕ اور رہا وہ جس کو دیا گیا اس کا

ع‍ہ الحور التردّد امّا بالذات وامّا بالفکر وقولہ عزّوجلّ انّہ ظنّ ان لن یحور ای لن یبعث وحار الماء فی الغدیر تردّد فیہ وحار فی امرہٖ تحیر ومنہ المحور للعود الذی تجری علیہ البکرۃ لتردّدہ۔ (مفردات) تردد اور چکرائے جانے کو حور کہتے ہیں خواہ بالذات ہو جیسے آمد و رفت یا تفکر کے ذریعہ جیسے سوچ میں پڑ جانا۔ اور ارشاد باری انّہ ظنّ ان لن یحور کے معنی یہ ہیں کہ کافر کا خیال یہ تھا کہ وہ مرنے کے بعد کبھی نہیں اُٹھایا جائیگا۔ یعنی ایک وقت گیا تو پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیگا۔ اور محاورہ عرب حار الماء فی الغدیر کے معنی یہ ہیں کہ تالاب میں پانی چکر کھانے لگا۔ اور حار فی امرہٖ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے کام میں حیران رہ گیا۔ محور بھی اسی سے بنا ہے۔ محور اس لکڑی کو کہتے ہیں جس پر چرخ گردش کرتا اور چکر کھاتا رہتا ہے۔"

اعمال نامہ اس کی پیٹھ پیچھے سے، تو وہ پکارتا رہیگا موت موت اور پڑیگا دہکتی آگ

میں یقیناً وہ تھا اپنے لوگوں میں خوش خوش اس کو یقین کامل تھا کہ وہ کبھی لوٹ کر

نہ آئیگا کیوں نہیں؛ اس کو اس کا رب دیکھتا تھا"

اعمال نامہ پیٹ پیچھے سے دینے کی وجہ

اعمال نامہ جو کفار کو پیٹھ پیچھے سے دیا جائیگا۔ مفسرین کرام نے اس کی تین صورتیں تبلائی ہیں۔

ایک یہ کہ اسکے بائیں ہاتھ کو پیٹھ کی طرف موڑ دیا جائے گا اور اس میں نامہ اعمال دیا جائیگا۔ دوسری صورت یہ کہ قیامت میں جب کفار اٹھائے جائیں گے تو ان کا بایاں ہاتھ پیٹھ کی طرف لگا ہوگا۔ تیسری یہ کہ کفار کے بائیں ہاتھ کو ان کے سینے میں سے پار کرکے باہر نکالا جائیگا اور اس میں نامہ اعمال ہوگا۔ یہ آخری صورت سب سے زیادہ سخت تر ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ تینوں صورتیں وقوع پذیر ہوں۔ کیونکہ کفار کا کفر بھی اقسام کا ہے۔ کوئی کافر۔ کوئی اس سے زیادہ سخت اور کوئی کٹر کافر لہذا انکی سزا بھی اسی مناسبت سے ہوگی۔ اور ایسا اس لئے ہوگا کہ اللہ سبحانہ کی کتاب کو ان لوگوں نے پس پشت ڈال دیا تھا۔ جب پس پشت ڈال دیا تو ان کا منہ اس قابل نہ رہا کہ اللہ سبحانہ ان کو دیکھے اور ان پر نظر رحمت فرمائے اس لئے ان کو اسی حالت میں اٹھایا گیا۔

یدعوا ثبوراً کی تفسیر بہرحال جب کفار کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیدیا گیا تو ان کی نسبت ارشاد ہو رہا ہے:۔ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْراً۔ وہ پکارنے لگیگا واثبوراہ واثبوراہ۔ موت موت، کیا ہی ہلاکت ہے اور کیا ہی بربادی۔ مگراب ایسا شور کرنے اور ہنگامہ مچانے اور واویلا کرنے سے کیا ہو سکتا ہے۔ اس تباہی اور بربادی سے بچنے کا جو وقت تھا وہ گزر چکا۔ اب موت کہاں؟ موت کو دُنبے کی شکل میں لاکر ذبح کر دیا جائیگا۔ اور اعلان ہوگا۔ اصحاب الجنۃ ھم فیھا خالدون اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔ جنت والے جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور دوزخ والے، دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔" موت سے نہ اصحاب جنت کو سابقہ رہیگا۔ اور نہ اصحاب نار کو اس سے کوئی واسطہ ہوگا۔ بلکہ دوزخیوں کے اس واویلا کا جواب دیا جائیگا:۔ لا تدعوا الیوم ثبوراً واحداً وادعوا ثبوراً کثیراً۔ آج ایک تباہی و بربادی کو کیا دعوت دے رہے ہو بہت ساری تباہیوں اور بربادیوں کو مدعو کرو۔ مگر سب بے نتیجہ ہے۔

یصلی سعیراً کی تفسیر وَّ یَصْلٰی سَعِیْراً۔ ایک ایک کافر دہکتی ہوئی آگ میں جا گریگا۔" ایسی آگ میں کہ پھر کبھی وہاں سے چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ کفار وہاں سے نکلنا چاہیں گے۔ کلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا۔ جب کبھی وہاں سے

نکل بھاگنا چاہیں تو ان کو پھر اُسی میں لوٹا دیا جائیگا"۔ اور جب کبھی وہ جل کر خاکستر ہونے کی نوبت آئے گی تو پھر ان کو نیا وجود دیا جائیگا۔ کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا لیذوقوا العذاب۔ ان کی جلد جب جل کر گل جائیگی تو ہم اس کی جگہ دوسری نئی جلد چڑھا دیتے جائیں گے تاکہ عذاب النار کا ذائقہ ہمیشہ ہمیشہ چکھتے رہیں"۔

دنیا کی شادمانی آخرت کی پریشانی

ایسی سزا کیوں؟ اِنَّهٗ کَانَ فِیْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا۔ اس لئے کہ وہ جب تک دنیا میں تھا اپنے گھر میں، اپنے اہل و عیال، بی بی بچوں کے ساتھ اپنی کافرانہ زندگی پر نازاں و فرحاں تھا ع

نماز کس کی، کہاں کا روزہ، ابھی تو شغل شراب میں ہوں ___ رات دن یہی اس کا نعرہ تھا اور اسی خوش خیالی میں اس کا لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، گزر رہا تھا۔ اس اثناء میں اس کو لاکھ سمجھایا جاتا، منایا جاتا، ڈرایا جاتا، دھمکایا جاتا، مگر وہ تھا کہ کسی حال اس گمراہی سے نکلنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔

لن یحور کی تفسیر

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ۔ یقیناً اس کا پندار یہی تھا کہ وہ جس ناز و نعم میں پل رہا ہے اور جیسی خوش عیش زندگی اس کی بسر ہو رہی ہے کبھی اس میں سرمو فرق نہ آنے پائیگا"۔ آخرت پر اس کو ایمان ہی نہ تھا۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاکر اٹھائے جانے کا اس کو کب یقین تھا۔ دوزخ و جنت اور حساب و کتاب

ثواب و عذاب کا وہ کب قائل تھا۔ بلکہ وہ تو موت کو بھی بھولا ہوا تھا۔ بھلا ایسے شخص سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اس سے کوئی ایسا کام بھی ہوگا جو آخرت میں فائدہ مند ہو۔ وہ تو آخرت کا نام سُن کر اس کا مذاق اڑاتا، تمسخر کرتا، اور ایسی باتوں پر ہنستا تھا۔ اور صاف طور پر کہہ دیا کرتا کہ ایسی تمام باتیں جھوٹ اور غلط ہیں۔ میں ان کو ایک لمحہ کے لئے بھی ماننے کو تیار نہیں۔ نعوذ باللہ۔

کان بہ بصیرا کی تفسیر

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے:۔ بَلٰٓی اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۔ (وہ تو یہ سب کچھ من مانے کام کر رہا اور جو جی میں آئے کہہ رہا تھا کافر کی نظر نعمتوں پر تھی منعم حقیقی سے اندھا بنا ہوا تھا مگر واقعہ نفس الامری ایسا نہ تھا۔ اللہ سبحانہ خود کافر کو اور اس کی ایک ایک حرکت کو خواہ وہ ہاتھ پاؤں سے سرزد ہو یا زبان سے، یا گردش چشم یا کسی اشارے سے، ہر ایک کو خوب دیکھ رہا تھا" ان حالات میں کوئی اپنے اعمال کی جزا سے کس طرح چھوٹ سکتا ہے؟ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ، ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ پس جس کسی نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی اس کو بھی دیکھ لیگا اور جس کسی نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی اسکو بھی دیکھ لے گا۔"

4-16
4-17
4-18
فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ[علہ] ۙ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ[عہ۲] ۙ وَالْقَمَرِ

علہ الشفق اختلاط ضوء النہار بسواد اللیل عند غروب الشمس قال

اِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ پس قسم کھاتا ہوں شفق کی، اور رات کی، اور اس کی جسے وہ جمع کر لیتی ہے، اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے، البتہ تم پہنچتے جاؤ گے درجہ بدرجہ۔"

(بقیہ حاشیہ علی صفحہ گزشتہ)

فلا اقسم بالشفق، والاشفاق عنایۃ مختلطۃ بخوف لان المشفق یحب المشفق علیہ ویخاف ما یلحقہ فاذا عدی بمن فمعنی الخوف فیہ اظہر قال وھم من الساعۃ مشفقون واذا عدی بفی فمعنی العنایۃ فیہ اظہر قال انا کنا قبل فی اھلنا مشفقین۔ (مفردات) دن کی روشنی رات کی سیاہی کے ساتھ آفتاب غروب ہونے کے وقت جو مل جاتی ہے اس کو شفق کہتے ہیں۔ ارشاد باری ہے: "پس میں گواہ رکھتا ہوں شفق کو" (جو دن کی روشنی رات کی سیاہی کے ساتھ ملنے کا وقت ہے۔) اور جو عنایت اور توجہ خوف کے ساتھ ملی ہوئی ہو اس کو اشفاق کہتے ہیں۔ کیونکہ مشفق دوست رکھتا ہے مشفق علیہ کو (تو اس کو کوئی گزند پہنچنے کے اندیشے سے اس پر عنایت اور توجہ کرتا ہے۔) پھر لفظ اشفاق (جو فعل لازم ہے) اگر "من" کے ذریعہ متعدی کیا جائے تو اس میں خوف کے معنی ظاہر تر ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد باری وھم من الساعۃ مشفقون کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ قیامت کے آجانے سے ڈرتے ہوں گے" اور جب اشفاق کو حرف جار "فی" سے متعدی بنایا جائے تو اس میں عنایت کے معنی ظاہر تر ہوں گے

طلوع وغروب آفتاب کے احوال

یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ وقت غروب آفتاب روشنی گھٹ جاتی ہے اور آسمان کے کنارے سرخ و سیاہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں پھر تھوڑی دیر بعد سرخی پھیکی پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ سرخی دفع ہو کر افق مغرب پر

(بقیہ حاشیہ ۱ صفحہ گزشتہ)

جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔ انا کنا قبل فی اھلنا مشفقین۔ ہم پیشتر ہی سے اپنے لوگوں پر ترس کھاتے تھے۔"

۲؎ الوسق جمع المتفرق یقال وسقت الشئی اذا جمعتہ وسمی قدر معلوم من الحمل وسقا وقیل ھو ستون صاعا وقولہ واللیل وما وسق قیل وما جمع من الظلام وقیل عبارۃ عن طوارق اللیل .... والاتساق الاجتماع والاطراد قال اللہ تعالی والقمر اذا اتسق۔ (مفردات) متفرق چیزوں کے جمع کرنے کو وسق کہتے ہیں۔ محاورہ ہے وسقت الشئی ایسا اس وقت کہتے ہیں جبکہ متفرق چیز کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور کسی بوجھ کی معین مقدار کو بھی وسق کہتے ہیں نیز ساٹھ صاع کا ایک وسق ہوتا ہے (جس کی مقدار تقریباً ایک ملہ ہوتی ہے) ارشاد باری واللیل وما وسق کے معنی بعضوں نے یوں کئے کہ قسم ہے رات کی جو تاریکی کے ایک ایک حصہ کو جمع کرتی جاتی ہے۔ اور بعضوں نے یہ معنی بتلائے کہ رات کے حوادث کا جمع تا مراد ہے۔" اور جمع ہونے اور پوری طرح جمع ہو جانے کو اتساق کہتے ہیں ارشاد باری ہے:۔ والقمر اذا اتسق قسم ہے چاند کی جبکہ وہ بڑھتے بڑھتے اور اس کا ایک ایک حصہ روشن ہو ہو کر بدر کامل بن جائے۔"

سپیدی باقی رہ جاتی ہے۔ پھر وہ سپیدی بھی آہستہ آہستہ کم ہو کر افق پر سیاہی چڑھ جاتی ہے۔ پھر سیاہی شب کا دورہ شروع ہوتا ہے تو اس کے بھی مدارج ہیں جو رات کے مختلف حصوں میں طے ہو کر صبح کاذب، پھر صبح صادق نمودار ہوتی اور اس کے بعد طلوع کا وقت آجاتا ہے۔

احوال طلوع و غروب کا فرق طلوع کے احوال بھی مختلف ہوتے ہیں اور یہ بھی غروب کی طرح ہوتے ہیں فرق صرف اسقدر ہوتا ہے کہ غروب کے وقت سرخی پہلے اور سپیدی بعد نمودار ہوتی ہے اور طلوع میں سپیدی صبح پہلے اور طلوع آفتاب کی سرخی بعد دکھائی دیتی ہے۔ یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کو ہر کہ و مہ روزانہ دیکھتے رہتے ہیں اس میں زمان و مکان کی تخصیص نہیں ہے۔

شفق کے اقسام و احکام "شفق" کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ الشفق الحمرة۔ (عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، عبد بن حمید، ابن مردویہ) "شفق" سے سرخی مراد ہے۔" اسی بنا پر حضرت امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کرامؒ فرماتے ہیں کہ شفق سرخ جب تک موجود ہو نماز مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔ جہاں یہ غائب ہو گئی نماز عشا کا وقت شروع ہو گا۔ اور حضرت عمرؒ بن عبد العزیز فرماتے ہیں:۔ الشفق البیاض۔ (رازی جصاص) "شفق" سے سپیدی مراد ہے۔"

حضرت امام اعظمؒ نے اسی سے استدلال فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے شفق سرخ غائب ہونے سے مغرب کا وقت ختم نہ ہوگا بلکہ جب تک شفق سپید باقی رہیگی مغرب کا وقت بھی باقی رہیگا۔ البتہ جب سپیدی بھی غائب ہو جائے اور افق مغرب پر سیاہی چھا جائے تو عشا کا وقت شروع ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ غروب آفتاب کے بعد شفق سرخ اور شفق سپید دونوں غائب ہو جائیں تو عشا کا وقت آجائیگا۔ احتیاط اسی میں ہے کہ سرخی غائب ہونے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لیا کریں اور سپیدی غائب ہونے کے بعد عشا کی نماز پڑھا کریں تاکہ ہر دو نمازیں ایسے اوقات میں ادا ہوا کریں جن میں ائمہ کرامؒ کا اختلاف نہ رہے۔

شفق کی قسم کا مقصد شفق کی قسم کھانے اور اس کو گواہ بنانے میں اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس طرح غروب، پھر شفق سرخ، پھر شفق سپید سے اوقات بدلتے ہیں، اسی طرح اوقات کے بدلنے سے حالات اور احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ مومن کا فریضہ ہے کہ وہ وقت کو پہچانے اور بدلتے ہوئے حالات اور احکام کا لحاظ رکھے۔ غفلت اور بے پرواہی میں نہ گزارے۔ ع۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ وقت کی قدر جانے۔

واللیل وما وسق کی تفسیر وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ، اور قسم ہے رات کی اور

ان تمام چیزوں کی جن کو رات جمع اور اکٹھا کرلاتی ہے " یعنی رات کی تاریکی کے بھی مدارج ہیں جیسا جیسا وقت گزرتا جاتا ہے رات کی تاریکی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ شدہ شدہ تاریکی اس درجہ ترقی کرتی ہے کہ اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا۔ جب انسان اپنا ہاتھ نکالے تو خود ہی اس کو نہ دیکھ سکے" ایسے وقت لوگوں کے اعمال و احوال بھی مختلف ہوتے ہیں۔ شریر لوگوں کو شرارت سوجھتی ہے تاکہ اس پر کسی کو اطلاع نہ ہوسکے اور یہ سب کچھ کر جائیں۔ لیکن اللہ سبحانہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ طاعات وعبادات میں لگے رہتے ہیں تاکہ ان کے اعمال ریاء وسمعہ سے پاک رہیں۔ اور خالصاً لوجہ اللہ ہوں۔ ان کے اعمال کو کوئی نہ دیکھ سکے بجز خدائے سمیع وبصیر اور علیم وخبیر کے۔ جعلنا اللہ منہم آمین۔

والقمر اذا اتسق کی تفسیر وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ۔ اور قسم ہے چاند کی جبکہ وہ پورا ہو جائے " یعنی روزانہ ایک ایک درجہ طے کرتا ہوا ہلال سے بدر کامل ہو جائے۔ مطلب یہ کہ عالم علوی پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ وہاں کے کاروبار اور ان کی رفتار ایک تدریجی طرز پر رکھی گئی ہے۔ مہینہ شروع ہوتا ہے تو اس کا آغاز ہلال سے ہوتا ہے جو بہت ہی باریک ہوتا ہے جس کو ضعیف البصر لوگ برابر دیکھ بھی نہیں سکتے۔ اور تھوڑی سی دیر اپنی رعنائی کا جلوہ دکھا کر جلدی سے غائب ہو جاتا ہے۔ پھر یہی چاند تھوڑا تھوڑا بڑھتا اور

چاند رات کے مقابلے میں روزانہ چالیس دقیقے زیادہ ٹھہرتا جاتا ہے' یہاں تک کہ چودھویں رات میں بدر کامل بن کر ساری رات روشنی دیتا رہتا ہے۔ دنیا میں وہ کون ہے جو چاند کی اس رفتار ترقی سے ناواقف ہو۔ بجز ان لوگوں کے جو بینائی کی نعمت ہی سے محروم ہوں۔ نابینا کا فریضہ بھی یہ ہونا چاہیئے کہ وہ بینا کے بیان پر اعتماد کرے اور اپنے کام کی بنیاد ان کے بیان پر رکھے۔ ورنہ دوسری نعمتوں سے بھی اس کو محروم رہنا پڑے گا جن کو یہ چاند اپنے ساتھ لارہا ہے۔

طبقا عن طبق کی تفسیر لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔ ضرور تم پہنچتے جاؤ گے درجہ بدرجہ" اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مختلف امور میں درجات مقرر فرمائے ہیں۔ چنانچہ شفق اور رات' اور چاند کی قسم کھا کر' اور ان کو گواہ ٹھہرا کر ان کے ایک ایک درجہ کو طے کرنے کا بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ درجہ بدرجہ ترقی ان تین چیزوں پر ہی موقوف و منحصر نہیں ہے۔ اے بنی آدم! تم بھی اسی طرح ایک ایک درجہ طے کرتے آئے ہو اور یہی سلسلہ آئندہ بھی جاری رہیگا۔ یہ ایسا عام اور جامع بیان ہے کہ اس کو جس طرف لے جاؤ' ترقی مدارج کی حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے۔

درجہ بدرجہ کی مثالیں ابتدائے آفرینش پر غور کیجئے کہ ایک قطرۂ آب نے کیا کیا مدارج طے کئے۔ پانی سے خون' پھر بستہ خون' پھر گوشت کی بوٹی' پھر اس میں ہڈی کی

تولید، پھر اعضا تراشی، پھر نفخ روح، پھر جیتا جاگتا انسان بنا۔ پھر ولادت، پھر شیر خواری، پھر لڑکپن، پھر جوانی، پھر بڑھاپا، اور شیخ فانی، پھر رحلت، اسی طرح عالم برزخ سوال منکر ونکیر، اور ان کے جوابات کی مناسبت سے نعیم وجحیم کا مشاہدہ، پھر نفخ صور اور دوبارہ زندگی، میدان محشر کی حاضری، حساب وکتاب، سوال وجواب اور عذاب و ثواب، بہرحال ہر میدان میں ایک ایک مرحلہ اور مختلف احوال کا ایک سلسلہ ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی کے ہر دور میں مختلف مدارج درپیش ہیں جن میں سے انسان کو گزرنا ہے۔ کسی کو اس سے مفر نہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:——

یعنی الشدائد والاھوال والموت ثم البعث ثم العرض۔ (عمرو بن دینار)

طبقا عن طبق سے مراد یہ ہے کہ انسان کو دنیا میں مشقتوں اور ہولناکیوں سے عمر بھر سابقہ ہے اس کے بعد موت ہے۔ پھر دوبارہ اٹھنا ہے، پھر دربار الٰہی میں پیش ہونا ہے"

طبق سے مراد بیس سال حضرت مکحول نے فرمایا:— تکونون فی کل عشرین سنۃ علی حال لم تکونوا علی مثلھا۔ (نعیم بن حماد، ابونعیم، ومثلہ ابن ابی حاتم، ابن المنذر) ہر بیس[۲۰] سال میں تم ایک ایسی حالت میں رہو گے کہ اس سے پہلے تم اس حالت پر نہ تھے" چنانچہ ہمارے اسی عہد میں جنگ جرمنی ہوئی جس سے دنیا کا نقشہ بدل گیا۔ پھر بیس سال گزرنے پر عالمگیر جنگ سے سابقہ رہا۔ اس کے بعد حالات کچھ اور پلٹا کھا گئے۔ اب اس پر بھی بیس سال

گزر رہے ہیں اور جنگ کے بادل سروں پر منڈلا رہے ہیں۔ ایسے ہی انقلابات پہلے بھی آتے رہے ہیں اور آئندہ بھی آئیں گے۔ اس اعتبار سے "طبقا عن طبق" کے معنی مراد "بیس سال" ہوئے۔ "طبق" کے ایک معنی قاموس میں یہ بھی لکھے ہیں۔

طبق سے مراد ایک صدی بعض مفسرین نے طبق سے "قرن" مراد لیا ہے یعنی ایک صدی۔ اور اس پر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان اشعار سے استدلال کیا ہے جو آپ نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدحیہ قصیدے میں فرمایا ہے:—

وانت لما ولدت اشرقت الار ض وضاءت بنورك الافق

تنقل من صلب الی رحم اذا مضی عالم بدا طبق

(اے نبی اکرمؐ!) اور جب آپ کی ولادت باسعادت عمل میں آئی تو بسیط زمین اور تمام آفاق آپ کے نور مبارک سے چمک اٹھے اور روشن ہو گئے۔ آپ اصلاب شریفہ طیبہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتے رہے۔ ایک قرن گزرا تو دوسرے قرن کا آغاز ہوا۔ یہاں حضرت عباسؓ کی مراد طبق سے "قرن" یعنی ایک صدی ہے۔ اب آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ تم ایک ایک صدی میں ایک ایک حالت پر پہنچتے رہو گے۔ اور یہ خطاب نوع انسان سے قرار پائیگا۔

حضورِ اکرمؐ کی ترقی مدارج | حضرت ابن عباسؓ لترکبن فتح باء سے پڑھا کرتے تھے اور فرماتے :۔ حالا بعد حال قال ھذا نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری)

آیۂ کریمہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے نبی کریم! آپ ایک حال سے دوسرے حال میں پہنچتے رہیں گے" احوال عام ہیں خواہ احوال شدت مراد ہوں جو قوم کی طرف سے مصائب و آلام پہنچتے رہے یا اللہ سبحانہٗ کا وعدۂ فتح و نصرت اور قرب کے مدارج و منازل جو طے ہوتے رہے۔ چنانچہ حضور اکرم نے فرمایا:۔

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ مجھ پر اللہ سبحانہٗ کے ساتھ ایک ایسا وقت خاص بھی آیا کرتا ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی رسائی ہو سکتی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کی۔

معراج شریف کی بشارت | نیز حضرت عباسؓ کی ایک حدیث یہ ہے :۔

یا محمد السماءَ طبقاً بعد طبق۔ (طیالسی، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، طبرانی) اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ایک ایک آسمان پر درجہ بدرجہ چڑھتے جائیں گے"

امام شعبی اور مجاہد فرماتے ہیں :۔ لترکبن یا محمد سماءً بعد سماء (عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) اے محمد! آپ ایک ایک آسمان پر یکے بعد دیگرے چڑھتے جائیں گے" گویا اس آیۂ کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور پیشین گوئی معراج شریف کی

بشارت دی جا رہی ہے۔ جس کا بیان سورۂ اسراء اور والنجم کی تفسیر میں گزر چکا۔ یہ تفسیر لترکبن کو فتح بار کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں ہے اور یہ قراءت حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ لترکبن سے حضرت حبرالامہ ابن عباسؓ کی قراءت میں صیغہ واحد مذکر حاضر مراد لیا گیا ہے اور خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں صیغہ واحد مؤنث غائب مراد ہے۔ اور آسمانوں کے تغیرات مراد لئے گئے ہیں۔ شفق اور چاند اور رات کی مناسبت سے۔

طبقاتِ سماء اور ان کے تغیرات

چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ یعنی السماء تنفطر ثم تنشق ثم تحمر (سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم)

وقال السماء تکون الوانا تکون کالمھل وتکون وردۃ کالدھان وتکون واھیۃ وتنشق فیکون حالا بعد حال۔ (بیہقی) لترکبن طبقا عن طبق سے مراد یہ ہے کہ قرب قیامت میں آسمانوں میں شگاف پڑ جائے گا۔ پھر وہ پھٹ جائیں گے پھر وہ سرخ ہو جائیں گے' نیز یہ بھی فرمایا کہ آسمان بھی کئی رنگ بدلیں گے۔ کبھی تو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح' کبھی گلابی چمکتے ہوئے اور کبھی بودا کمزور ہو کر پھٹ جائیں گے۔ بہر حال ایک حالت جا کر دوسری حالت آتی جائے گی"۔ یعنی جس طرح شفق کبھی سرخ

اور کبھی سپید ہوتی ہے۔ اور چاند بھی ہلالی صورت سے بدر کامل بنتا جاتا ہے اور رات کی تاریکی بڑھتی بڑھتی تمام چیزوں پر چھا جاتی ہے۔ آسمان پر بھی تغیر و انقلاب کا دور دورہ ہو گا۔

احوال امت حضرت ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: — لترکبنّ سنن من کان قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو ان احدھم دخل جحر ضبّ لدخلتم وحتی لو ان احدھم جامع امرأته بالطریق لفعلتموہ۔ (حاکم بروایت صحیحہ و نحوہ عن ابی سعید الخدری (بخاری)

تم سے پیشتر جو قومیں تھیں، تم بھی ان کی چال ضرور چلو گے۔ بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گھوڑ پھوڑ کی بل میں گھسا ہو گا تو تم بھی اس میں گھسو گے اور اگر ان میں سے کسی نے سرِ راہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا تھا تو تم بھی ہو گے۔" موجودہ دور پر نظر کیجئے اور دیکھئے کہ عالم اسلامی کا رُخ کدھر ہے اور وہ کس کی چال چل رہا ہے، مسلمانوں کا ایک دین تہذیب، اخلاق اور ثقافت ہے۔ با ایں ہمہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی تہذیب و ثقافت وغیرہ سے کچھ تعلق نہیں۔ کھوئے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہر سمت دیوانہ وار رواں دواں ہیں۔ ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی — کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

4-20 فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۙ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا
4-21 يَسْجُدُونَ ۩ پھر کیا ہوا ہے ان کو جو یقین نہیں لاتے' اور جب پڑھے ان کے پاس
قرآن تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔"

لا یؤمنون کی تفسیر یعنی جب ہمیں روزانہ دکھائی دیتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے اور شفق نمودار ہوتی ہے' پھر اس کا حال یکساں نہیں رہتا پہلے افق مغرب سرخ ہوتا پھر تھوڑی ہی دیر میں سپیدی پھیل جاتی ہے' پھر یہ سپیدی بھی غائب ہو کر سیاہی چھا جاتی ہے۔ پھر شام جا کر رات آتی ہے تو اپنا سامان ساتھ لاتی ہے۔ اسیطرح چاند پہلی رات میں ہلال بن کر نمودار ہوتا ہے پھر ترقی کر کر کے بدر کامل بنتا ہے تو اس سے ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ آج ہم جس حالت میں ہیں یہ بھی ہمیشہ باقی نہیں رہیگی ضرور اس میں تغیر ہوگا۔ اب تقاضائے عقل و دانش یہ ہے کہ اس تغیر کا رخ ترقی کی طرف مائل ہو جس طرح ہلال بڑھتے بڑھتے بدر کامل بنتا ہے۔ مگر ان کفار مکہ کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ تمام باتیں جانتے ہوئے بھی ایمان نہیں لاتے ہیں' وہی اپنی گمراہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ اپنی عقل و دانش سے ذرا بھی کام لیتے اگر سمجھ بوجھ سے روزانہ کے ان تغیرات پر غور کرتے تو اصلاح حال کا خیال ہوتا اور ترقی کی راہ سوجھتی۔ اچھے برے کی تمیز کرتے۔ نیک بننے اور نیکی کو پھیلانے کی تدبیر کرتے مگر ان لوگوں کا معاملہ ہی الٹا ہے

نہ وقت کی قدر نہ ترقی کی فکر بس یوں ہی صبح وشام اپنی اوقات ضائع کر رہے ہیں اور تنزل کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ع بریں عقل و دانش ببائد گریست۔

واذا قرئ کی تفسیر خیر ان دلائل آفاق سے کام نہ لیا اور عقل و دانش کو اس طرف متوجہ نہ کیا۔ کم از کم یہ تو کیا ہوتا کہ قرآن کریم جو ان کو روزانہ صبح و شام اور وقت بوقت سنایا جا رہا ہے اس کو سن کر ہی اصلاح حال کی طرف مائل ہوتے۔ قرآن کریم تو وہ کلام مبین ہے جس کی عبارت پر بڑے بڑے فصحاء و بلغاء سر دھنتے اور جس کے مضامین پر اعلیٰ درجہ کے مفکر کان دھرتے اور جس کی حکمتوں پر حکماء و فلاسفہ عش عش کرتے اور جس کے احکام پر ماہران قانون اپنی گتھیاں سلجھاتے ہیں۔ رہے اہل ایمان وہ تو اس کی آیات بینات سن کر سجدہ ریز ہوتے اور اہل عرفان اس پر جان دیتے ہیں۔ مگر اہل مکہ کو کیا ہو گیا کہ ان کو کسی بات پر یقین ہی نہیں آتا۔ اور اگر ان کو قرآن کریم پڑھ کر سنایا جائے تو اس کے آگے نہ کان دھرتے ہیں نہ سر جھکاتے ہیں اور نہ اپنی عاجزی اور کوتاہی کا اظہار کرتے ہیں۔

سورۂ انشقاق کا سجدہ حضرت ابو رافع کہتے ہیں:۔ صلیت مع ابی ھریرۃ العتمۃ فقرأ اذا السماء انشقت فسجد فقلت لہ فقال سجدت خلف ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم فلا ازال اسجد فیھا حتی القاہ۔

(ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن مردویہ) میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ نماز عشاء پڑھی۔ انھوں نے نماز میں سورۂ اذا السماء انشقت پڑھا اور (اس آیۂ کریمہ پر) سجدہ بھی کیا تو میں نے اس کا سبب دریافت کیا انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے (اس سورت اور اس آیت پر) سجدہ کیا ہے لہٰذا میں اس سورت شریفہ میں (حوض کوثر پر) آپ سے ملاقات کرنے تک برابر سجدہ کرتا رہوں گا۔" حضرت ابوہریرہؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ سجدنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اذا السماء انشقت و اقرأ باسم ربک۔ (ابن ابی شیبہ، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن مردویہ) حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم نے اذا السماء انشقت اور اقرأ باسم ربک میں سجدہ کیا ہے۔" حضرت صفوان بن عسالؓ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجد فی اذا السماء انشقت۔ (بغوی، طبرانی) حضور رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذا السماء انشقت میں سجدہ ادا فرمایا۔" اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں:۔ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجد فی اذا السماء انشقت عشر مرات (بزار) میں حضور رسول انس وجان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دس دفعہ دیکھا کہ آپ نے اذا السماء انشقت میں سجدہ ادا فرمایا۔"

اقوال ائمہ دربارہ سجدۂ انشقاق

اس آیۂ کریمہ کی بنا پر جس میں سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے سجدۂ تلاوت کو واجب قرار دیا ہے اور ان احادیث شریفہ کی بموجب سورۂ اذا السماء انشقت میں سجدہ عندالاحناف واجب ہے۔ اور حضرت امام شافعیؓ کے پاس سنت ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ کے پاس یہاں سجدہ نہیں ہے بلکہ ختم سورت پر سجدہ کرے اور ائمہ ثلاثہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام شافعی اور ہمارے امام سیدنا امام احمد حنبل رضی اللہ عنہم کے نزدیک لا یسجدون پر سجدہ کرنا چاہیے سری نمازوں میں آیت سجدہ پڑھنا امام کے لئے حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ ہے منفرد پڑھ سکتا ہے۔ اور حضرت سیدنا امام احمد نے فرمایا کہ امام نے اگر سری نماز میں آیۂ سجدہ پڑھی بھی تو سجدہ نہ کرے البتہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سری نمازوں میں بھی آیۂ سجدہ پڑھ سکتے ہیں اور سجدہ بھی کرنا چاہیے۔ ہر ایک کے دلائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ یہاں ان کے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔

84-22
84-23
بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝ۖ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۝ۖ

بلکہ جو کافر ہوئے وہ جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جس کو انہوں نے چھپا رکھا ہے۔"

یُکَذِّبُوْنَ کی تفسیر یعنی قرآن کریم کی تلاوت کے آثار جو اہل کمال پر مترتب ہوتے ہیں اس کا حال اوپر بیان ہو چکا ۔ رہے مکہ کے جاہل کافر یہ اس کلام پاک کی تصدیق تک نہیں کرتے بلکہ یہ کفار اس کو جھٹلاتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں کوئی کہتا ہے کہ رسول خود اس کو ترتیب دیتے اور اس کو اللہ کا کلام مشہور کر دیتے ہیں ۔ حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ چالیس سال کی عمر شریف ہونے تک کوئی غلط بات زبان مبارک پر کبھی نہیں آئی ۔ اور آپ کی صداقت و راستبازی کو ہر معاملہ میں دیکھ دیکھ کر اور بارہا تجربہ کر کے آپ کو امین کا لقب دے رکھا تھا ۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ عقل سلیم پیدا ہونے کے زمانے میں کوئی غلط کلمہ آپ سے صادر ہو ۔ کوئی کہتا کہ فلاں ایرانی سے لکھا لاتے ہیں اور اس کے کلام اللہ ہونے کی شہرت دے دیتے ہیں ۔ حالانکہ ایرانی کی زبان عجمی اور کلام پاک خالص عربی اور عربی بھی عربی مبین ۔ بھلا ایک عجمی کو اس پر دسترس کہاں ۔ یہ تمام باتیں محض ازراہ شرارت اور کفر و عناد کی بنا پر کر رہے ہیں ۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ کی تفسیر یہاں تک تو ان کی بکواس ہے ۔ اور ان کے دلوں میں جو کفر و عناد بھرا ہوا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے ۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے دوسری جگہ فرمایا ۔ قد بدت البغضآء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر

ان کا بغض وعناد' ان کی زبانوں سے ظاہر ہو چکا کہ جو منہ کو آیا کہہ دیا اور جو جو
چیزیں ان کے دلوں میں چھپی ہوئی ہیں ان کا بغض وعناد تو اس سے بھی کہیں بڑھا
چڑھا ہے" اسی مضمون کو یہاں بیان فرمایا جارہا ہے:۔ واللّٰہ اعلم بما یوعون
اپنے وعاء قلب میں جو کچھ چھپائے رکھا ہے اللہ سبحانہ کو خوب معلوم ہے" صرف
وقت کا انتظار ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو ان کی خوب خبر لی جائے گی۔ کہی
ہوئی باتوں کی بھی اور دل میں چھپائی ہوئی دشمنی اور عداوت کی بھی۔

بِمَا یُوعُونَ کی تفسیر | بِمَا یُوعُونَ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا
بما یسرون۔ (ابن ابی حاتم' ابن المنذر) جس کو وہ راز میں رکھتے ہیں" اور حضرت
قتادہؓ نے فرمایا۔ بما یکتمون۔ (عبدالرزاق) چھپاتے ہیں"۔ یعنے یہ کفار
اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دلوں میں جو منصوبے چھپائے رکھتے ہیں' ان کو
اللہ سبحانہ خوب جانتا ہے۔ یا یہ کہ کافر دنیا میں بدعملی کا شکار ہو کر جن جن معاصی
کا ارتکاب کئے جارہے ہیں در اصل ان اعمال سے اپنے اعمال نامے پُر کرتے
جارہے ہیں۔ اللہ سبحانہ ان سے خوب واقف ہے۔ جب وقت آئے گا تو
ایک ایک کرکے ان کے تمام اعمال کی جزا دی جائے گی۔ چنانچہ آگے ارشاد ہو رہا ہے:۔

84-24
84-25
فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۙ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

پارہ عم ۲۸، ۲۵

لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۵ پس (اے نبی!) آپ ان کو خبر سنا دیجئے دردناک

عذاب کی۔ مگر جو لوگ یقین کئے (ایمان لائے) اور عمل کئے نیک انکو ثواب ہے بے انتہا۔

فَبَشِّرْهُمْ کی تفسیر یعنی ان کافروں کو آخرت میں دردناک عذاب ہوتا رہیگا لہٰذا اس کی خبر ان کو سنا دیجئے۔ عذاب کی خبر سنانے کی تعبیر لفظ بَشِّرْ سے جو بشارت سے مشتق ہے اس لئے فرمائی گئی کہ بشارت کا استعمال عام طور پر خوشی اور مسرت کی خبر سنانے کے موقع پر کیا جاتا ہے لیکن بشارت کے اصل معنی ایسی خبر سنانا ہے جس کے سننے سے انسان کے بشرے پر اس کے آثار مترتب ہوں۔ خوشی کی خبر ہو تو خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں ہوں اور تکلیف و رنج کی خبر ہو تو رنج کے آثار دکھائی دیں۔ یا یہ کہ کفار اپنے کافرانہ اعمال چونکہ خوش ہو ہو کر کیا کرتے تھے اسلئے اے نبی کریم! آپ بھی ان کو دردناک عذاب کی خبر خوشی کے ساتھ سنا دیجئے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ کلمہ جزا کے موقع پر استعمال ہوا ہے کافروں کی ہتک اور ان کی تذلیل کے لئے۔ گویا یوں کہنا منظور ہے کہ عالم آخرت میں جہاں نیکو کاروں کو ان کے اعمال حسنہ کی بہترین جزا ملنے والی ہے۔ کافروں کے لئے بہترین جزا دردناک عذاب ہے جو ان کے اعمال کے عین مطابق ہے۔ بُرے اعمال اور بُری جزا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ کی تفسیر

غَیْرُ مَمْنُوْنٍ۔ مگر جو لوگ اللہ سبحانہ کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان لائے اور دکھائی ہوئی راہ پر چلتے رہے اور دنیا میں نیک کاموں میں لگے رہے ان کے لئے بے انتہا ثواب ہے۔ غیر ممنون کے معنی حضرت قتادہؒ نے یہ بیان فرمائے :۔ غیر محسوب (عبدالرزاق) بے حساب "یعنی ان کا عمل اگرچہ محدود اور معدود و محسوب تھوڑا سا ہو لیکن ان کو اجر بے حساب ملیگا" یہ اللہ سبحانہ کا فضل ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا :۔ غیر منقوص۔ (طبری) یعنی اجر مقررہ میں کسی قسم کی کمی نہ ہوگی "

بعض مفسرین نے یوں لکھا :۔ غیر مقطوع۔ یعنی کبھی ثواب ختم نہ ہوگا" یہ تفسیر اس بنا پر کہ منٌ کے معنی لغت میں قطع کے ہیں۔ مطلب یہ کہ انسان دنیا میں نیک کام کرتا رہے گو وہ اس کو مدت العمر جاری رکھے لیکن دنیا دو روزہ ہے لہذا اس کی موت کے ساتھ اس کا عمل بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دنیا فانی ہے۔ اور اس کا اجر آخرت میں جو ملیگا وہ دائمی ہوگا کیونکہ آخرت کی کوئی انتہا نہیں۔ غیر منقوص کا مطلب بھی یہی ہوا کہ ثواب ختم ہونا تو درکنار۔ اس میں کبھی کمی بھی نہ ہوگی۔ اور بعض مفسرین کرام نے ممنون کو منّۃ یعنی احسان جتانے کے معنی میں لیا ہے۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہونگے کہ تھوڑے سے عمل کی جزا اس سے کہیں زیادہ بغیر کسی کمی کے دائمی طور پر دیجانے کے علاوہ

لطف خاص یہ ہوگا کہ اس پر احسان جتایا نہ جائیگا۔ کیونکہ احسان جتانے سے بعض وقت انسان منقبض ہوتا ہے۔ جنت میں جو جزا بطور فضل و احسان ہوگی، جنتیوں پر کبھی اس کی منت نہیں رکھی جائیگی۔ تاکہ اہل جنت کا عیش مکدر اور ان کی طبیعت منقبض نہ ہونے پائے۔

سورۂ انشقاق کی تفسیر پاک ختم ہوئی۔ الحمد للہ والمنہ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

یوم عاشوراء ۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ۔ سہ شنبہ

85 Burooj Makky Verses 22

(۸۵)

سورۂ بروج

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں بائیس آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط سورت ماقبل میں جس طرح ایمان والوں کے لئے نعیم آخرت کے وعدے دئے گئے تھے، اس سورت شریفہ میں بھی ان سے وعدے کئے گئے ہیں۔ نیز ماقبل سورت میں کافروں کو دردناک عذاب کا خوف دلایا گیا تھا یہاں بھی ان کو ڈرایا جارہا ہے۔

۲۔ تفسیر بحر المحیط میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت اور ایذا رسانی کے لئے کفار مکہ نے ان کو مارنے، قتل کرنے، سولی دینے، جلادینے، دھوپ میں تپانے، گرم پتھروں پر لٹانے، اور اوپر سے بھاری پتھر رکھنے وغیرہ کے جو جو منصوبے بنانے اور تکلیف پہنچانے کی نت نئی تدبیریں کرنا شروع کیں تو اللہ سبحانہ نے اس سورت شریفہ میں یہ تبلایا کہ اہل حق کے ساتھ اہل باطل کا یہ سلوک کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ تم سے پہلے جو قومیں زمین پر بستی تھیں وہ بھی اس قسم کے ناروا سلوک ہمیشہ کرتی رہی ہیں۔

اور اس سے بڑھکر وحشیانہ سزائیں تجویز کی ہیں۔ بریں ہمہ اہل حق کے آگے ان کی ایک نہ چل سکی۔ سلف صالحین اپنی قوم اور اپنی برادری کے ہاتھوں طرح طرح کی بلائیں سہتے رہے مگر ان کے پائے ثبات میں کبھی بھی لغزش نہ آئی۔ وہ کوہ تمکین بنے ہوئے اپنے جادہ پر قائم رہے اور کفار ہی ان کے مقابلے میں شکست یافتہ اور ہزیمت خوردہ ثابت ہوئے۔ اب تم اہل حق کے مقابلے پر اتر آئے ہو اور جس طرح بن پڑے ان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہو یاد رکھو کہ تم بھی ان کی طرح شکست اور ہزیمت سے دوچار ہو گے۔ اور الا ان حزب اللہ هم الغالبون کے بموجب اللہ والی جماعت ہی غالب ہو کر رہیگی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اصحاب الاخدود کا واقعہ دوہرایا جارہا اور حدیث الجنود سنائی جارہی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

۸۵ (۱-۳)

85-1 وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۙ 85-2 وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ 85-3 وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ؕ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور اس دن کی جس کا وعدہ دیا گیا ہے اور (اس دن کی جو) حاضر ہوتا ہے اور (اس کی کہ) جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔

بروج کی تفسیر | بُروج جمع ہے بُرج کی جس کے معنی ظہور کے ہیں جیسا کہ سورۂ احزاب کی تفسیر میں گزر چکا:۔ ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى جاہلیت کے

اگلے دور میں جیسا کہ عورتیں بن سنور کر (اپنے حسن کا مظاہرہ کرتی ہوئی) نکلتی تھیں اسطرح (امہات المومنین) نہ نکلا کریں" اور سورۂ نور میں مسلمانوں کی بوڑھی عورتوں کو تک حکم ہوا :- غیر متبرجات بزینۃ کہ بناؤ سنگھار کرکے مظاہرہ نہ کیا کریں" ہاں ضرورت پر مسلمان عورت معمولی کپڑوں میں جو جاذب نظر نہ ہوں اور نہ خوشبو لگائی گئی ہو، منہ پر گھونگٹ ڈال کر نکل سکتی اور راستے کے ایک گوشہ سے گزر جاسکتی ہے۔ بہر حال از روئے لغت برُج کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ پھر عالی شان مکان کو بھی بُرج کہا جانے لگا کیونکہ وہ بھی دوسرے مکانات کے مقابلے میں ظاہر اور نمایاں ہوتا ہے اسی طرح شہر پناہ اور فصیل میں بھی جا بجا جو گول حصے بنائے جاتے ہیں ان کو بھی ان کے نمایاں ہونے کی بنا پر بُرج کہتے ہیں۔

آسمانی پہرے | یہاں آسمان کی قسم کھائی جا رہی ہے جو برجوں اور قلعوں والا ہے جہاں اللہ سبحانہ کے حکم سے پہرہ دار فرشتے متعین ہیں اور رات دن پہرہ دیا کرتے ہیں ان کی موجودگی میں کسی کی مجال نہیں کہ اندر داخل ہوسکے۔ بعثت نبویؐ سے پیشتر شیاطین الجن کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح اندر گھس کر ملأ اعلیٰ کی باتیں سنیں۔ لیکن ان پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی تھی جس سے وہ خائب و خاسر رہ جاتے تھے۔ اب شیاطین الانس کو اس کی دُھن لگی ہوئی ہے کہ راکٹ وغیرہ کے ذریعہ رسائی حاصل کریں نمعلوم ان پر کیا گزرے گی؟

فلاسفہ کے اقوال فلاسفہ کی تحقیقات جس کا درجہ توہمات سے بڑھ کر نہیں، یہ ہے کہ آسمان میں بارہ برج ہیں۔ حمل، ثور، جوزاء، وغیرہ، اور اسی بنا پر سال کے بارہ مہینے قرار دئے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ آفتاب ہر مہینہ ایک ایک برج میں رہتا ہے یہ تقسیم شمسی سال کے اعتبار سے ہے۔ اور قمری سال کے لحاظ سے چاند کے اٹھائیس منازل قرار دئے گئے ہیں بعضوں نے ان مشہور اقوال کی بنا پر ذات البروج سے یہی برج اور منازل مراد لئے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر محض ایسے توہمات کے پیش نظر صحیح نہ ہوگی۔ درحالیکہ متاخرین فلاسفہ کے نزدیک یہ تحقیقات مسلم نہیں۔ احادیث شریفہ، آثار صحابہ وتابعین اور ائمہ کے اقوال پر تفسیر کی بنیاد ہے۔ یا یہ کہ خود قرآن کریم کی کسی دوسری آیت سے مستفاد ہو، یا محاورۂ عرب سے ماخوذ ہو۔

والسماء ذات البروج کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ البروج قصور فی السماء۔ (ابن جریر) بروج سے عالی شان محلات مراد ہیں جو آسمان میں بنے ہوئے ہیں۔" حضرت ابوصالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ النجوم العظام۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں۔" اس کی تائید حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیۂ کریمہ والسماء ذات البروج کی تفسیر دریافت کی گئی۔ ارشاد ہوا:۔ الکواکب۔ بروج سے ستارے

مراد ہیں۔" پھر اس آیہ کریمہ کی تفسیر دریافت کی گئی:۔ تبارك الذی جعل فی السماء بروجا۔ برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بروج بنائے۔" یہاں بروج سے کیا مراد ہے؟ تب بھی آپ نے ہی فرمایا:۔ الکواکب۔ یہاں بھی ستارے ہی مراد ہیں۔" پھر عرض کیا گیا:۔ فی بروج مشیدۃ سے کیا مراد ہے؟ تو ارشاد ہوا:۔ قصور۔ (ابن مردویہ) یہاں عالی شان محل مراد ہے۔" حضرت عطیہ عوفی نے فرمایا:۔ القصور فیھا الحرس (مظہری) بروج سے محلات عالیات مراد ہیں جہاں پہرہ دار حفاظت کے لئے متعین رہتے ہیں۔"

آسمانی مکانات کا ثبوت

معراج کے بیان میں صحیحین کے حوالہ سے جو احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں ان میں صراحت موجود ہے:۔ ثم رفع الی البیت المعمور۔ پھر ساتویں آسمان میں آپؐ کو بیت المعمور کی طرف اٹھایا گیا۔" اور اس کی تفسیر آیہ کریمہ والبیت المعمور۔ والسقف المرفوع کے سلسلے میں بھی بیان کی جا چکی ہے جس سے ثابت ہے کہ آسمان پر مکانات ہیں۔ جن کے منجملہ بیت المعمور بھی ہے۔ جو ایک عالیشان مکان ہے جس کا ستر ہزار فرشتے روزانہ طواف کیا کرتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے ایک دفعہ طواف کر لیا قیامت تک دوبارہ ان کے طواف کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ دوسرے دن دوسرے ہی فرشتے آتے ہیں۔ کعبۃ اللہ شریف بیت المعمور ہی کے محاذ پر تعمیر

پایا ہے۔"

مستقر ارواح مومنین حضرت وہب بن منبہؓ فرماتے ہیں:۔ ان للّٰہ فی السماء السابعۃ دارا یقال لھا البیضاء یجتمع فیھا ارواح المومنین۔ (مظہری) اللہ سبحانہ نے ساتویں آسمان میں ایک گھر بنایا ہے جس کا نام بیضاء ہے۔ (نہایت سفید صاف شفاف) جس میں تمام مومنین کی روحیں اکٹھی ہوتی ہیں۔" ارواح مومنین کا یہ مستقر بیت المعمور کے سوا ہے۔ اسی طرح اور کتنے عالی شان مکانات ہیں اور وہ کس لئے بنائے گئے ہیں اس سے اللہ سبحانہ ہی بہتر علیم ہے۔ بندوں کا علم اسی حد تک محدود ہے جس کا ان کو علم کرایا گیا۔ ارشاد باری ہے:۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا سا ہی ہے۔" بہرحال ان آسمانی برجوں کی قسم کھائی جا رہی ہے اور ان کو بطور گواہ پیش کیا جا رہا ہے۔

والیوم الموعود کی تفسیر وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ۔ اور قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔" کہ مقررہ دن اپنے وقت پر اس کی پوری شان کے ساتھ آنے والا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ والیوم الموعود قال یوم القیامۃ۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید) والیوم الموعود یعنی وہ دن جس کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے وہ قیامت کا دن ہے۔

حضرت سیدنا علی[1]، حضرت ابوہریرہ[2]، حضرت ابن عباس[3]، حضرت حسن بصری[4] رضوان اللہ علیہم اجمعین

سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ وہی دن ہے جس کے باب میں کفار بار بار پوچھتے تھے۔ متیٰ هذا الوعد۔ یہ وعدہ (کا دن) کب آئیگا" اور جب وہ دن آجائیگا تو ان سے کہا جائیگا:۔ هذا یومکم الذی کنتم توعدون۔ یہ وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ دیا جاتا رہا یا جس سے تم کو ڈرایا جا رہا تھا"۔ بہرحال یوم موعود سے روز قیامت مراد ہونا متفق علیہ ہے۔

شاهد ومشهود کی تفسیر

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ۔ اور قسم ہے اس کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں"۔ اس کی تفسیر میں اقوال ہیں۔ اکثر مفسرین کرامؒ نے شاهد ومشهود سے بھی دن ہی مراد لئے ہیں۔ یعنی وہ دن جو حاضر ہوتا ہے اور وہ دن جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں ان دونوں کی قسم ہے۔ یا یہ کہ یہ دو دن بھی گواہ ہیں اس واقعہ کے جو آگے بیان کیا جا رہا ہے۔ اور ہم نے اسی قول کے پیش نظر اس آیہ کریمہ کا ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن المسیبؒ تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان سید الایّام یوم الجمعة وهو الشاهد والمشهود یوم عرفة۔ (سعید بن منصور، ابن جریر، عبد بن حمید، ابن مردویہ) یقیناً تمام دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے اور یہی وہ دن ہے جو ہر جگہ حاضر ہوتا ہے۔ اور مشہود یعنی وہ دن جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں وہ عرفہ کا دن ہے"۔ یعنی یوم الحج جس میں تمام روئے زمین کے

باشندے کشاں کشاں میدان عرفات پر حاضری دیتے ہیں'' اسی مضمون کی روایات سیدنا علی مرتضیٰ حضرت ابو مالک اشعری حضرت جبیر بن مطعم حضرت ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہیں، جو مختلف کتب احادیث شریفہ میں منقول ہیں۔

شاہد ومشہود کی دوسری تفسیر ۲۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:۔ اکثروا علیّ من الصلاۃ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملائکۃ۔ (ابن جریر) جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف بکثرت پڑھا کرو کیونکہ یہ یوم مشہود ہے جس میں ملائکہ کرام حاضری دیتے ہیں'' جب وہ مشاہدہ کریں گے کہ امۃ مرحومہ بکثرت درود شریف میں مشغول ہے تو وہ اللہ سبحانہ کے دربار میں اس کی گواہی دیں گے۔ اور یہی درود شریف امۃ مرحومہ کی نجات و کامیابی کا سامان ہوگا اس روایت سے معلوم ہوا کہ شاہد سے مراد ملائکہ کرام اور مشہود سے روز جمعہ مراد ہے

شاہد ومشہود کی تیسری تفسیر ۳۔ ایک شخص نے حضرت شہید مسموم سیدنا حسن مجتبیٰ بن سیدنا علی المرتضیٰؓ سے وشاھد ومشھود کی تفسیر دریافت کی۔ آپ نے فرمایا اس کی تفسیر مجھ سے پیشتر بھی کسی سے دریافت کی؟ اس نے عرض کیا۔ ہاں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے دریافت کیا تھا انھوں نے فرمایا:۔ یوم المنحر ویوم الجمعۃ۔ نفع حاصل ہونے کا دن اور جمعہ کا دن مراد ہے۔ اس پر آپ نے

فرمایا: ـ لا ولکن الشاهد محمد صلی الله علیه وسلم ثم قرأ انا ارسلناك
شاهدا ومبشرا وجئنا بك علی هؤلاء شهیدا والمشهود یوم القیامة
وتلا ذلك یوم مجموع له الناس وذلك یوم مشهود ـ (ابن جریر، ابن مردویہ)

شاھد سے جمعہ کا دن مراد نہیں بلکہ ذات گرامی حضور اکرم سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے پھر استدلال میں آپ نے یہ آیات کریمہ پڑھیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی کریم! ہم نے آپ کو شاھد یعنی تمام امتہ مرحومہ کا گواہ اور مطیعوں کیلئے جنت کی خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا ہے" اور قیامت میں ان سب کے لئے آپ کو گواہ بنا کر اٹھائیں گے" اور مشہود سے روز قیامت مراد ہے پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی کہ وہ (قیامت کا دن) ایسا دن ہے جس میں سب لوگ اکٹھا ہو کر آئیں گے اور وہ ایسا دن ہے کہ جس میں وہ سب حاضر کئے جائیں گے" اور ایسی ہی تفسیر حضرت ابن عباس رض اور حضرت عکرمہ رض سے بھی مروی ہے۔

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ اِذۡ هُمۡ 85-4
85-5
85-6

عه الخد والاخدود شق فی الارض مستطیل غائص وجمع الاخدود اخادید
واصل ذلك من خدی الانسان وهما ما اکتنفا الانف عن الیمین والشمال

عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ ہلاک کیے 85-7

گئے خندق والے (جس میں) آگ (تھی) بہت ایندھن والی جب وہ اس پر بیٹھے ہوئے

اہل ایمان کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے۔"

اصحاب الاخدود کا واقعہ یہ اصحاب الاخدود یعنی خندق والے کون تھے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حبشی لوگ تھے۔ کسی نے بنطی قوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والخدّ یستعار للارض ولغیرها کاستعارۃ الوجه وتخدّد اللحم زواله عن وجه الجسم یقال خدّدته فتخدّد (مفردات) زمین کی لمبی مستطیل گہری نالی کو خدّ اور اخدود کہتے ہیں اس کی جمع اخادید ہے۔ اصل میں یہ لفظ انسان کے خدّ یعنی رخسار سے لیا گیا ہے جو ناک کے داہنے بائیں حصّے کو کہتے ہیں۔ کبھی خدّ کا لفظ استعارہ کے طور پر زمین وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ وجہ یعنی چہرے کا لفظ زمین وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے (چنانچہ کہتے ہیں: ۔ روئے زمین۔ اس سے سطح زمین مراد ہوتی ہے۔) بدن سے گوشت گھٹ جائے تو کہتے ہیں تخدّد اللحم۔ یہ محاورہ بھی ہے: ۔ خدّدته فتخدّد۔ میں نے اس کو چھانٹ دیا تو وہ چھٹ گیا" یعنی دبلا اور لاغر ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ قتل اصحاب الاخدود سے مراد یہ ہے کہ خندق والے ہلاک و برباد کر دیے گئے۔" واللہ اعلم۔

بتلایا ہے۔ کوئی کہتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل سے تھے۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور سید الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب الاخدود کا واقعہ بیان فرمایا یہ ایک طویل حدیث ہے جس کی عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، مسلم، نسائی، اور ترمذی نے روایت کی ہے اس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ کسی بادشاہ کا ایک کاہن تھا جو اپنی کہانت سے پیشین گوئیاں کیا کرتا۔ ایک دن اس نے بادشاہ سے فرمائش کی کہ مجھے ایک ذہین سمجھدار لڑکا دیا جائے تاکہ اس کو اپنا فن سکھا دوں اب میں بوڑھا ہو چلا ہوں ایسا نہ ہو کہ میں چل بسوں اور کوئی اس فن کا جاننے والا نہ رہے۔ بادشاہ نے ایک لڑکا بھیجدیا۔ جو روزانہ کاہن کے پاس جایا کرتا۔ راستہ میں ایک خدا ترس دیندار راہب رہتا تھا۔ یہ لڑکا اس کے پاس بھی جا بیٹھتا اور بسا اوقات کاہن کے پاس جانے میں اس کو دیر ہو جاتی۔ شدہ شدہ لڑکے نے راہب کا دین اختیار کر لیا۔ (یہاں تک کہ اس لڑکے سے خوارق عادات صادر ہونے لگے۔) چنانچہ ایک دفعہ راستہ میں کسی خوفناک درندہ سے سابقہ پڑا جو راستہ روکا ہوا تھا لوگ پریشان تھے۔ لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی! اگر اس راہب کا دین سچا ہے تو اس پتھر سے درندے کو ہلاک کر دیجیو۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا۔ خدا کی قدرت کہ وہ درندہ ہلاک ہو گیا۔ اب لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ یہ لڑکا ایسا علم رکھتا ہے

جس سے کوئی واقف نہیں۔ یہ سن کر ایک نابینا اس کے پاس رجوع ہوا کہ اگر میری
آنکھیں بینا ہو جائیں تو میں اتنا نذرانہ گزرانوں۔ لڑکے نے کہا کہ نذرانہ کی حاجت نہیں
بینا بنانے والا میں نہیں بلکہ اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اگر تو بینا ہو جائے تو اس
وحدہ لاشریک پر ایمان لائیگا؟ اس نے کہا ضرور۔ چنانچہ لڑکے نے دعا کی اور وہ بینا
ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا اب لوگوں میں دھوم مچ گئی اور بادشاہ تک خبر پہنچی۔
یہ سنکر وہ بہت برافروختہ ہوا اور اس نابینا اور راہب میں سے ایک پر آرا چلا کر
اور دوسرے کو دوسرے طریقہ سے قتل کر دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اس کو ایک
اونچے پہاڑ پر سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے (تاکہ بادشاہ کے دین کے خلاف کوئی دین
اختیار کرنے والوں کو عبرت ہو۔) مگر اللہ سبحانہ کی قدرت کہ جو لوگ اس کو لے گئے
وہی پہاڑ پر سے گر کر ہلاک ہوئے اور لڑکا صحیح سالم واپس آیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ اور بھی
برافروختہ ہوا اور حکم دیا کہ اس کو دریا میں غرق کر دیا جائے۔ اس دفعہ بھی یہی ہوا کہ
غرق کرنے والے اللہ سبحانہ کے حکم سے خود ڈوب گئے۔ اور لڑکا بچ گیا۔ لڑکے نے دیکھا کہ
مجھ ایک کی وجہ سے غریبوں کی یوں ہی جانیں جا رہی ہیں' بادشاہ سے کہا کہ تو میرے
مارنے پر قادر نہیں۔ مجمع عام میں مجھے سولی دی جائے اور بسم اللہ رب الغلام
کہہ کر مجھ پر تیر چلائے جائیں۔ یعنی اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے۔" چنانچہ

ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا اللہ سبحانہ کے نام پر قربان ہو گیا۔ اس واقعہ کا عوام پر یہ اثر ہوا کہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اس سے بادشاہ بہت برافروختہ ہوا اور آپے سے باہر ہو کر حکم دیا کہ ایک خندق تیار کی جائے اور اس میں آگ دہکا کر ان سب مسلمانوں کو اس میں جھونک دیا جائے۔

اصحاب الاخدود کی شقاوت ان آیات کریمہ میں اسی واقعہ کی طرف ایما فرمایا جا رہا ہے کہ خندق والے (دوسروں کو ہلاک کر کے) خود ہی تباہ و برباد ہوئے جب کہ وہ خندق کے دونوں کناروں پر بیٹھے ہوئے مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے اور اس کا بڑے مزے کے ساتھ نظارہ کر رہے تھے۔ اسی مذکورہ روایت میں ہے کہ اس جمع مسلمانان میں ایک مسلمان عورت بھی تھی جس کی گودی میں شیرخوار بچہ تھا۔ جب اس کی باری آئی تو معصوم بچہ کی خاطر وہ گھبرا گئی۔ حکم الہٰی سے بچہ یوں گویا ہوا:۔ اُمّاہ اصبری فانک علی الحق اماں جان! آپ صبر کیجیو کیونکہ آپ تو حق پر ہیں۔" اس عورت کو بھی شیرخوار بچے سمیت خندق میں جھونک دیا گیا مگر ان ظالموں کو ذرا ترس نہ آیا۔ آفرین ان جانبازان حق پر کہ ان کو آرے سے چیر دیا گیا' آگ میں جھونکا گیا مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آسکی۔ ایسی وحشیانہ سزائیں قبول کیں مگر راہ حق سے منہ نہ موڑا رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ۔

اصحاب الاخدود کے قصہ سے عبرت

اس واقعہ کے ذکر کا منشا یہی ہے کہ راہ حق کے اختیار کرنے میں بعض دفعہ سخت سے سخت تر امتحانات کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ امتحانات محض وقتی اور عارضی ہیں۔ مومن کا کام ہے کہ ایسی حالت میں بھی حق پر ثابت قدم رہے۔ وقت آتا ہے اور نکل جاتا ہے مگر بات رہ جاتی ہے اگر ناحق عبرتناک سزا دی جارہی ہے تو اہل حق کو چاہیئے کہ وہ بھی اپنی بہترین یادگار مثال چھوڑ جائیں جس کو زمانہ کبھی بھی نہ بھلا سکے۔ اور قیامت تک ان کی یاد تازہ رہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ 85-8
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اور 85-9
نہیں بدلا لیتے تھے ان سے مگر اسی بات کا کہ وہ یقین کر رہے ہیں اللہ کا جو زبردست
ہے تعریف والا۔ جس کی پادشاہت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور اللہ کے سامنے
ہے ہر چیز۔"

اصحاب الاخدود کی اسلام دشمنی

یعنی ان بیچاروں کو ایسی عبرتناک اور وحشتناک سزائیں محض اس بنا پر دی جارہی تھیں کہ ان کا ایمان خدائے واحد پر ہے جس کا حکم سب پر غالب ہے۔ جس کی عزت سب سے اعلیٰ وارفع اور جس کی ذات

جامع صفات کمالیہ ہے جس کی بادشاہت تمام آسمانوں اور پوری زمین پر قائم ہے
اور ہر چیز اس کے سامنے ہے۔ کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ ایسی ذات ستودہ صفات پر
ایمان لانا، ان ظالموں کی نظر میں اتنا بڑا جرم تھا کہ ان کے لئے ایسی سزائیں تجویز کی گئیں
کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ سے جب کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور ہر چیز اس کی
نظر کے سامنے ہے تو ایسا دردناک منظر کب پوشیدہ ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ
لکھتے ہیں :۔ "جب اللہ کا غضب آیا تو وہی آگ پھیل پڑی۔ بادشاہ اور امیروں کے
گھر سارے پھونک دیے" یہ استنباط غالباً اس بنا پر فرمایا کہ اس لڑکے کو پہاڑ پر سے
ڈھکیل دینے والے خود ڈھکیل دیے گئے، اور غرق کرنے والے خود ہی غرقاب ہو گئے تھے
تو اس سلسلہ میں آخری سزا جو مسلمانوں کو آگ کی خندق میں جھونک دینے کی دی گئی تھی
ان کا حشر بھی یہی ہونا چاہئے۔ نیز قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ جو کلام باری میں
بصیغۂ ماضی وارد ہوا ہے اس کا اقتضا بھی یہی ہے کہ دنیا میں بھی ان کو سزا ملی وہی جو
دوسروں کو دی جا رہی تھی۔ کلام باری میں قُتِلَ کے معنی بددعا کے تو نہیں لئے جا سکتے
بلکہ ماضی کے معنی ہی ٹھیک صادق ہیں اسی لئے ہم نے ترجمہ بھی یہی کیا ہے :۔ "خندق والے
ہلاک کئے گئے" نیز آگے کی آیہ کریمہ میں عذاب جہنم کے ساتھ عذاب الحریق کی صراحت بھی
آ رہی ہے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ آگ پھیل گئی اور بادشاہ

جس کا نام ذونواس تھا گھوڑے پر سوار ہوکر بھاگنے لگا تو دریا میں ڈوب گیا" اور جو بھاگ نہ سکے وہ جل مرے ہوں گے۔ واللہ اعلم

ایک نکتہ الا ان یومنوا جو بصیغہ مضارع آیا ہے اور آمنوا بصیغہ ماضی نہیں فرمایا گیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ بادشاہ کے جبر سے اس کا دین قبول کر لیتے تو ان کو یہ سزا زملنی ماضی سے درگزر کیا جاتا۔ مگر ان لوگوں نے اس کا دین قبول نہ کیا بلکہ خدائے واحد کے ایمان پر برقرار رہے یعنی آئندہ بھی وہ ایمان پر قائم رہنے کا عزم کئے ہوئے تھے اس لئے یہ سزا ان کو دی گئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ؕ تحقیق جن لوگوں نے مبتلا کیا ایمان والوں اور ایمان والیوں کو پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے عذاب ہے دوزخ کا اور ان کے لئے عذاب ہے جلنے کا"

مسلم آزاری کی سزا یعنی جن لوگوں نے ایمان لائے ہوئے مردوں اور ایمان لائی ہوئی عورتوں کو دین حق سے پھیر دینے کے لئے سخت سے سخت محنتوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا پھر اپنے اس کرتوت سے توبہ نہ کی ان سے دو جرم صادر ہوئے۔ ایک یہ کہ وہ خود صراط مستقیم سے دور رہے۔ دوسرا یہ کہ جو لوگ صراط مستقیم پر قائم رہے ان کو

مبتلائے عذاب کیا لہذا ان کو سزا بھی دوہری مقرر ہے۔ ہر جرم کی جدا جدا۔ یہ دونوں سزائیں خواہ آخرت میں ہوں یا ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ کیونکہ ایسا کرنیوالا اگر کافر تھا اور کفر سے باز آگیا تو وہ دائمی سزا سے بچ جائیگا ورنہ دائمی عذاب میں گرفتار رہیگا۔ اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس کو سزا دیجا سکتی ہے۔ جیسا کہ ذونواس کے ساتھ ہوا۔ اور اگر کوئی ظالم مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرے پھر اس سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ اور اگر بلا توبہ مرجائے تو اس کا معاملہ مشیت الٰہی پر موقوف ہوگا۔ اللہ سبحانہ چاہے تو اس سے درگزر فرمائے یا اس کو سزا دینا چاہے تو بقدر گناہ سزا دے سکتا ہے لیکن وہ دائمی عذاب میں گرفتار نہ ہوگا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو دنیا میں سزا دیکر عذاب آخرت سے بچا لیا جائے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے باغ ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں یہ ہے بڑی کامیابی۔

لھم جنّات کی تفسیر	انّ الذین فتنوا ...

85-1

ارشاد سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ فتنہ میں ڈالنے والوں کا حال بیان فرمانے کے بعد فتنہ میں مبتلا کئے جانے والوں کی شان بیان فرمائی جارہی ہے کیونکہ ظاہر سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن مسلمہ اصول ہے :۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے سبب خاص کا اعتبار نہیں " لہذا یہاں تمام ایمان والے صالحین مراد ہوں گے خواہ وہ فتنہ میں مبتلا کئے گئے ہوں یا اس کی نوبت کسی کے ساتھ نہ آئی ہو جو کوئی بھی ایمان اور عمل صالح کی صفت سے موصوف ہوں ان کو بشارت دی جارہی ہے کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی ۔ کیونکہ خدائے واحد پر ایمان لانا ہی کافروں کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے ۔ اگر کوئی اللہ سبحانہٗ پر ایمان لایا تو ان کافروں کے نزدیک سخت سے سخت سزا کا مستوجب قرار پایا ۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا انتقام لینے کی فرصت ان کو نہ ملی ہو ۔ یہ دنیا کا حال تھا دنیا دو روزہ ہے یہ ختم ہو ہی جائیگی ۔ مومن کو تعلیم دی گئی ہے کہ اس کی نظر اس دنیائے فانی تک محدود نہ رہے انسان کی زندگی صرف دنیا تک ختم نہ ہوگی ۔ اس کے بعد آخرت کی زندگی بھی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں مومن جو کچھ کرتا ہے وہ آخرت کے لئے کرتا ہے اور وہاں اس کو ایسے باغات ملیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی تو وہ باغات ہمیشہ سرسبز و شاداب اور سدا بہار رہیں گے ۔ جس کو دو روزہ دنیا کے عوض

ایسے سدابہار باغات ملیں جو ہر طرح کی نعمتوں سے مالامال ہوں اور اس کے ساتھ
دیدارِ الٰہی جیسی نعمتِ عظمیٰ بھی نصیب ہو تو اس سے بڑھ کر اور کونسی کامیابی ہوسکتی ہے؟
اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے: ۔ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۔ اور وہ آخرت کی
کامیابی سب سے بڑھ کر کامیابی ہے۔"

85-12 85-13 إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝ إِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝

85-14 85-15 وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝

85-16 بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے، بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے
اور دوبارہ بھی وہی پیدا کریگا، اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا، مالک
عرش کا بڑی شان والا، کرگزرنے والا جو چاہے ہے۔"

ذونواس کا انجام ذونواس پادشاہ اہل ایمان کو آگ کی خندقوں میں جھونکتا
رہا۔ اس کو کیا خبر کہ اس پر بھی ایک زبردست پادشاہت، اے نبی کریم! آپ کے
پروردگار کی قائم ہے۔ ذونواس اور اس کا دربار خندقوں پر کرسیاں بچھائے ہوئے
اہل ایمان کو سخت سے سخت سزائیں جو دی جا رہی تھیں اس کا تماشا دیکھ رہے تھے اور
ادھر آپ کا رب کریم اور اس کے ملائکہ کرام ان ظالموں کے کرتوت کا مشاہدہ کرتے
اور ان کے ایک ایک عمل کا پورا پورا نقشہ اور اس کی تصویر لیتے جاتے تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ تمام اہل ایمان کو اس طرح کے فتنے اور عذاب میں ڈال کر فارغ ہوئے اور گھر جانا چاہا تو یکایک وہ آگ پھیلی اور ان تماشائیوں کو آن کی آن میں جھلس دیا بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ جانا چاہا تو بدحواسی کے عالم میں دریا برد ہو گیا۔ ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

بطش ربک کی تفسیر | ارشاد ہو رہا ہے کہ اے ہمارے حبیب! اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۔ بے شک آپ کے پروردگار کی گرفت (دوسروں کی پکڑ کے مقابلہ میں) ضرور سخت تر ہے۔" کہ اس سے کسی کا چھوٹنا ہی محال ہے۔ بطش کے معنی ہیں:۔

تناول الشیٔ بصولۃ والاخذ بعنف۔ کسی چیز پر حملہ کرکے اس کو گرفت میں لانا اور سختی کے ساتھ اس کو پکڑنا۔" پھر اس کے ساتھ لشدید کا استعمال اس امر کی طرف ایما کر رہا ہے کہ جابروں اور ظالموں کے لئے از بس مشکل اور دشوار ہے کہ وہ کبھی نہیں چھوٹ سکتے۔ اگر کبھی کسی کو ڈھیل دی گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یہ کسی عجز کی وجہ سے ہے بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ جو ہماری دریافت سے باہر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔

مبدی و معید کی تفسیر | اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ بے شک وہی

[illegible]

فرق یہ ہے کہ ابداء یعنی ابتدائے آفرینش بغیر کسی مثال اور نمونے کے ہوئی تھی۔ اور اعادہ یہ ہے کہ کسی چیز کو پہلے کی طرح اُسی نمونے اور مثال کے مطابق پیدا کرنا جوذات قدسی صفات، بغیر نمونے اور مثال کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو اعادہ اُس کے لئے کیا مشکل ہے؟ مگر منکرین کو یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی۔ قیامت کا انکار کئے جا رہے ہیں۔ آغاز ہوا تھا امتحان کے لئے۔ اور اعادہ ہوگا اُس کی جزا او دینے کے لئے۔ اللہ سبحانہ کی طرف سے دنیا میں امتحان لیا جا رہا تھا اور آخرت میں اس کی جزا ملیگی۔ اگر امتحان لیا جائے اور اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلے تو امتحان ہی عبث اور بے فائدہ ہوا مگر اللہ سبحانہ کا کوئی کام عبث نہیں ہوسکتا۔ اسی ضمن میں یہ بھی بتلایا جا رہا ہے کہ نہ دونواس پادشاہ ہی رہا اور نہ اس کی رعایا لیکن ایک دن ایسا آرہا ہے کہ ہر دو فریق آموجود ہوں گے۔ اور ہر ایک کو ان کے اعمال کی جزا ملیگی۔ دنیا کی آگ میں اہل ایمان کو جھونک دیا گیا تھا اب آخرت کی آگ میں ظالموں کو جھونکا جائے گا ظالم کی گرفت سے اہل ایمان بچ نہ سکے تھے اب قادر و مقتدر کی گرفت سے یہ ظالم کب بچ سکتے ہیں؟ ظالموں کو دنیا میں بھی بعض وقت ظلم کی سزا مل جاتی ہے لیکن ظالم جو کافر ہو اس کی سزا دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی۔ آخرت کی ابدالاباد سزا اُس کے لئے تیار ہے۔ صرف وقت کا انتظار ہے۔

ظالموں کی سزا حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں: — اسر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا فی النار فقال یا حذیفۃ ان فی جھنم لسباعا من نار وکلابا من نار وسیوفا من نار وکلالیب من نار وانہ یبعث ملائکۃ یعلقون اھل النار بتلک الکلالیب باحناکھم ویقطعونھم بتلک السیوف عضوا عضوا ویلقونھا الی تلک السباع والکلاب کلما قطعوا عضوا عضوا عاد آخر مکانہ غضا طریا۔ (روح البیان) حضرت رسول دوجہاں علیہ صلوات الرحمٰن نے مجھ سے دوزخ کی حدیث چپکے چپکے بیان فرمائی۔ یوں فرمایا کہ حذیفہ! یقین جانو کہ دوزخ میں آگ سے بنے ہوئے درندے ہیں اور آگ کے کتے ہیں۔ آگ کی تلواریں ہیں اور آگ کی اکوڑیاں ہیں۔ وہاں فرشتوں کو بھیجا جائیگا تاکہ دوزخیوں کو ان کی تارکوں سے ان اکوڑیوں پر لٹکادیں پھر وہ فرشتے ان تلواروں سے ان کا ایک ایک عضو کاٹتے اور ان درندوں اور کتوں کے آگے ڈالتے جائیں گے۔ دوزخیوں کے اعضا جیسے جیسے کٹتے جائیں گے ان کی جگہ دوسرے نئے اعضاء تر و تازہ بحال ہوتے جائیں گے۔" بس یہی سزا ان ظالموں کو ابدالآباد دیجاتی رہیگی۔ اعاذنا اللہ منھا۔

تفسیر حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: — انّ اھل جھنم

تاکلھم النار حتی یصیروا فیھا فحما ثم یعیدھم خلقا جدیدا۔ دوزخیوں کو آگ بھسم کرتی جائیگی تا آنکہ وہ جل کر کوئلہ بن جائیں گے پھر ان کو از سر نو وجود بخشا جائیگا" آیۂ کریمہ اِنَّہٗ ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ کی یہی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر ظالموں کے عذاب سے متعلق تھی۔ رہے مظلوم جن کو دنیا میں ناحق مبتلائے عذاب کیا گیا اور زبردستی ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا تھا ہی سے سمجھ لینا چاہیے کہ ان کو بھی دوبارہ وجود بخشا جائیگا اور ان کو ان نعمتوں سے سرفراز کیا جائیگا جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس طرح مظلوموں کو گویا تسلی دی جا رہی ہے کہ تم اس ظلم سے گھبراؤ نہیں۔ ظالم کے ختم کر دینے سے تم ختم نہیں ہو سکتے۔ تم تو شہداء فی سبیل اللہ ہو تمھارے لئے حیات جاوید لکھدی گئی ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

امام قشیریؒ فرماتے ہیں:۔ ان اللہ تعالی یبدی فضلہ واحسانہ لعبیدہٖ ثم یعیدہ ویکررہ فان الرب الکریم من یربی صنائعہ یقین جانو کہ اللہ سبحانہ تعالی اپنے بندگان خاص کے لئے اپنے فضل و احسان کا آغاز فرماتا ہے پھر اس کے اعادہ و تکرار کا سلسلہ جاری رکھتا ہے کیونکہ رب کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے مصنوعات کی تربیت میں مشغول رہے۔" ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

المبدئ المعید کے خواص تفسیر روح البیان میں ہے :۔ باری تعالیٰ شانہ کے اسمائے حسنیٰ میں المبدئ المعید یہ دو نام بھی شامل ہیں از انجملہ المُبْدِئُ کے خواص میں یہ بھی ہے کہ اگر اس کو بوقت سحر (۲۹) انتیس دفعہ پڑھ کر حاملہ کے پیٹ پر دم کیا جائے تو حمل برقرار رہیگا۔ اسقاط کا اندیشہ ان شاء اللہ نہ رہیگا۔ چاہئے کہ یہ عمل خود اس کا شوہر یا باپ بھائی وغیرہ محارم ہی کریں۔ اور اَلْمُعِیْدُ کے خواص میں ہے کہ کوئی محفوظ کی ہوئی چیز دستیاب نہیں ہو رہی ہو اور اس کا مقام فراموش ہو گیا ہو تو بار بار اس اسم مبارک کو پڑھتے جائیں بلکہ المبدئ المعید یہ دونوں نام کا ورد کیا جائے تو ان شاء اللہ وہ چیز مل جائے گی ۔

الغفور الودود کی تفسیر وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ۔ اور وہی بخشنے والا محبت کرنیوالا ہے"۔ کسی نے تمام عمر کفر کیا پھر اس کے بعد کفر سے توبہ کی۔ اور مسلمان ہو گیا اس کی عمر بھر کا کفر دور ہو گیا۔ اس کی باز پرس سے آزادی مل گئی۔ یا بندۂ مومن گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا پھر توبہ کر لی۔ اس کے تمام گناہ بخشدئے گئے۔ بلکہ اس کی غفوریت کی شان یہ ہے کہ وہ چاہے تو عاصی کے توبہ نہ کرنے کی صورت میں بھی اس کو بخش دے۔ خدائے غفور جس کی یہ شان عالی ہے وہ تو اس قابل ہے کہ ہر آن و ہر لحظہ اس پر صدقے ہوتے رہیں اور ہر وقت اس پر قربان ہونے کے لئے دل و جان سے تیار رہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں کہ وہ عاصیوں کو

بخش دیتا ہے بلکہ اپنے چاہنے والے اور توبہ کرنے والے بندوں کو محبوب بھی بنالیتا ہے کیونکہ وہ غَفُوْر بھی ہے اور وَدُوْد بھی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ ان اللّٰہ یحبّ التوّابین ویحبّ المتطھّرین۔ یقین جانو کہ اللہ سبحانہ تعالی توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور پاک ہونے والوں سے بھی محبت فرماتا ہے۔" جب گناہ کرکے توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے تو خیال کیجئے جو ہمیشہ طاعت میں لگے ہوئے ہیں یعنی اولیاء اللہ۔ تو ان سے اللہ سبحانہ کو کس درجہ محبت ہوگی؟ یہ محبت اللہ سبحانہٗ کی بندوں کے ساتھ تھی۔ اب بندے کی محبت کیسی ہونی چاہئے اس کا حال بھی سن لیجئے۔

ودود کے معنی حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ الودود المحبّ الی عبادہ باسباغ النعم علیھم ودوام العافیۃ۔ ودود، وہ ہے جو اپنے بندوں کا محبوب ہے ان پر اپنی نعمتیں پوری پوری اتارنے اور ہمیشہ ان کو عافیت میں رکھنے کی وجہ سے کا محبوب سب کا مطلوب ہے عم نوالہٗ"۔ یہاں ودود بمعنی مودود محبوب ہے۔ کیونکہ عباد صالحین، اللہ سبحانہٗ سے محبت کر رہے ہیں اور بندے کی محبت اللہ سبحانہ کے ساتھ یہ ہے کہ اس کی طاعت میں لگا رہے اور اس کے احکام بجالائے۔ اس کی عظمت کو پیش نظر رکھے اور ساتھ ہی دل میں اس کی ہیبت بھی قائم رہے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو بندہ اپنی طاعت و عبادت پہ مغرور ہوجانے کا اندیشہ رہیگا۔ پھر یہ ساری

جد و جہد رائگاں ہوگی ۔ بلکہ ارباب حقیقت تو یہ فرماتے ہیں کہ سچی محبت یہ ہے کہ اس میں کوئی طمع یا طلب نہ ہو ۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے :۔ ان اود الاوداء الیّٰ من عبدنی بغایر نوال لکن لیعطی الربوبیة حقھا ۔ سب چاہنے والوں سے زیادہ چاہنے والا میرے نزدیک وہ ہے جو بغیر کسی داد و دہش کی توقع رکھنے کے میری عبادت میں مشغول ہو ۔ اس کی نیت صرف یہ ہو کہ ربوبیت کا جو حق اس پر ہے اس حق کو ادا کرنے کی جد و جہد کر رہا ہو ۔

ودود کی نشانی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔ الودود ھو الذی یحب الخیر لجمیع الخلق فیحسن الیھم و یثنی علیھم ۔ ودود وہ ہے جو تمام مخلوقات کی بھلائی چاہتا ہو جس کے نتیجہ میں وہ ہر کسی کے ساتھ حسن سلوک کرتا اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتا ہو ۔" اس اعتبار سے ودود جو باری تعالیٰ عز شانہ کے اسمائے حسنیٰ میں ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو عزت دینا اور ان کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرنا چاہتا ہے ۔ اب بندوں کا فریضہ ہے کہ وہ طریقہ اختیار کریں جو ان کے لئے موجب عزت اور اللہ سبحانہ کی گوناگوں بے شمار نعمتوں کو اپنی طرف کھینچ لانے والا ہو ۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ عبد الودود کا ادنیٰ درجہ یہ ہے :۔ یرید للخلق اللہ کل ما یرید لنفسہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہو دوسروں

کے لئے بھی ان تمام چیزوں کو پسند کیا کرے۔" اور اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایثار سے کام لے یعنی خود پر دوسروں کو ترجیح دے۔ اور اکمل مرتبہ یہ ہے کہ دوسروں سے خود کو ایذائیں بھی پہنچیں تو ان سے کینہ نہ رکھے نہ ان پر غضب آلود ہو بلکہ اس حالت میں بھی ایثار و احسان کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ جیسا کہ رحمت عالم خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوئے:۔ اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔ بار الٰہا! میری قوم کو معافی دیدیجئے اور ان کو اپنی بخشش سے سرافراز کیجئے کیونکہ وہ آپ کے نبی کی قدر جانتے ہی نہیں ہیں۔" یعنی آپ نے زخم کھاکر ان کے لئے نہ صرف دعا کی اور ان کی بھلائی چاہی بلکہ ان کی طرف سے معذرت کی اور عذر خواہی فرمائی کہ ان سے یہ حرکت نادانی اور محض ناواقفیت کی بنا پر سرزد ہوئی ہے اگر وہ واقف ہوتے تو ایسا کبھی نہ کرتے۔

مقربین پر سبقت لیجانے کی تدبیر حضرت سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے فرمایا:۔ ان اردت ان تسبق المقربین فصل من قطعك واعط من حرمك واعف عمن ظلمك۔ (علی!) اگر تم چاہتے ہو کہ مقربان بارگاہ پر بھی سبقت لیجاؤ تو یہ تین کام کیا کرو۔ صلۂ رحمی کیا کرو اس کے ساتھ جس نے تمہارے ساتھ قطع رحمی سے کام لیا ہو اور اس کو اپنی عطا و نوازش سے بہرہ ور

رکھا کرو جس نے تم کو محروم رکھا ہو۔ اور اس کو معافی دے جاؤ جس نے تم پر ظلم کیا ہو"۔
یہ احکام تو حضرت شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ کے لئے صادر ہوئے تھے۔ جن کی ذات پاک
ان تینوں اوصاف جمیلہ کی جامع تھی۔ ما و شما میں اگر ان میں سے ایک وصف بھی پایا
جائے تو بیڑا پار ہے۔

وظیفۂ ودود کے خواص علامہ اسمٰعیل حقیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن سحر کے وقت دل ہی دل میں **یا ودود** کا ورد جاری رکھا ہوا تھا کہ یکایک میری زبان سے یہ کلمات بے اختیار جاری ہوئے:۔ یا ربّ اجعلنی محیطا۔ اے میرے پالنے والے! مجھے تمام اوصاف کا احاطہ کرنے والا جامع بنا دیجئے"۔ احاطۂ اشیاء اور جامعیت اوصاف میں اسم باری **یا ودود** کو بڑی تاثیر حاصل ہے۔ کیوں نہ ہو ودود بمعنی **مودود** یعنی محبوب بھی آتا ہے۔ گویا اللہ سبحانہ کے تمام اسمائے حسنیٰ اسم ودود کو چاہتے ہیں تو ودود تمامی اسمائے حسنیٰ کا محبوب ہوا۔ تو دیگر اسمائے حسنیٰ کے افعال و خواص اس میں مندرج و مندمج ہوئے اور یہ اس اعتبار سے سب کا جامع قرار پایا۔ غالباً اسی وجہ سے ودود کو اسم اعظم بھی کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

امم سابقہ کے ایک تاجر کی مناجات احادیث شریفہ میں امم سابقہ کے ایک تاجر کی مناجات اس طرح مروی ہے:۔ یا ودود' یا ذا العرش المجید

یامبدئ یامعید اسألك بنور وجهك الذی ملأ ارکان عرشك وبقدرتك التی قدرت بها علی جمیع خلقك وبرحمتك التی وسعت کل شیٔ لا الٰہ الا انت یامغیث اغثنی یامغیث اغثنی یامغیث اغثنی ۔ اے سب کو چاہنے والے خدا! اے عرش اعظم کے مالک!! اے ہر چیز کو ابتداءً پیدا کرنے والے!!! اے ہر ایک کے فنا ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے والے!!!! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں آپ کے نور ذات کا واسطہ دیکر جو تمام ارکان عرش پر جاری و ساری ہے، اور آپ کی قدرت کا وسیلہ لے کر جو آپ کی تمام مخلوق پر حاوی ہے اور آپ کی رحمت کا توسل اختیار کر کے جو ہر چیز کو سمائی ہوئی ہے، آپ کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں اے فریاد رس! میری فریاد رسی فرمایئے اے فریاد رس میری فریاد کو پہنچئے اے فریاد رس میری فریاد سن لیجئے۔" بالفاظ دیگر الودود ارشاد باری یحبھم ویحبونہ کا مجموعہ اور خلاصہ ہے کہ اللہ ان کو محبوب رکھتا ہے اور وہ اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔"

عرش کی تفسیر ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۔ مالک ہے عرش کا بزرگی والا۔ یہ معنی اس وقت ہوں گے جبکہ مجید کو اللہ سبحانہ کا وصف قرار دیا جائے۔ اور اللہ سبحانہ کی بزرگی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور صفات میں بڑا ہی باعظمت ہے اور وہ واجب الوجود ہے اس کی قدرت اور اس کی حکمت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے کہ کائنات کی ہر کوئی چیز

اس کے آگے ہیچ ہے ۔ یہی قرائت مشہور ہے۔ اور ایک قراءت میں مجید کو عرش کی صفت قرار دیا گیا ہے یعنی وہ عرش اعظم کا مالک ہے ۔ اس صورت میں عرش کی بزرگی اور اس کی عظمت یہ ہے کہ جملہ تجلیات رحمانیہ عرش اعظم ہی کے ساتھ مختص ہیں ۔ وہیں سے ہر ایک رحمانی تجلی پڑتی ہے ۔ اس طرح صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہر آن و ہر لحظہ رحمانی تجلیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے جن کی بدولت کائنات کا قیام ہے ۔

عرش اعظم کی عظمت شان عرش اعظم اللہ سبحانہ کی مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے۔ حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے :—

لو جمعت میاہ الدنیا و مسح بھا سطح العرش الذی یلینا لما استوعبت منہ الا قلیل۔ (روح المعانی) اگر تمام دنیا کے (کنووں، حوضوں، کنڈوں، تالابوں، نالوں، چشموں، ندیوں، دریاؤں اور سمندروں کے) پانی ایک جگہ جمع کرکے اس سے عرش اعظم کی صرف وہ سطح جو ہماری سمت میں واقع ہے ان پانیوں سے عرش اعظم کا محض مسح کیا جائے تو وہ پانی پوری سطح کے لئے کافی نہ ہو سکے گا۔ کچھ ہی حصہ کا مسح ہو سکے گا۔" اس سے عرش اعظم کی وسعت اور عظمت کا اندازہ کر لیا جائے۔ نیز کرسی کی وسعت قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہے :— وسع کرسیہ السموات والارض۔ اس کی کرسی تمام آسمانوں اور ساری زمین سے بھی وسیع تر ہے۔" اور کرسی اور عرش کے متعلق صحیح حدیثوں میں ہے :— ما الکرسی فی جنب العرش الا کحلقۃ ملقاۃ فی ارض فلاۃ۔ عرش کی وسعت کے مقابلہ میں کرسی کی وسعت اتنی ہی قرار پاتی ہے کہ ایک لق ودق بیاباں میں کوئی انگوٹھی یا چھلہ پڑا ہوا ہو۔" اب خیال کیجئے کہ جو ذات ستودہ صفات اس کائنات اور ایسے عرش و کرسی کی خالق و مالک ہو۔ اس کی عظمت شان، اس کی بزرگی، قدرت، اور علم و حکمت کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے؟

اسی لئے بڑے بڑے عرفائے کاملین اس کا اعتراف بہ ایں ابیات کرکے خاموش رہے ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم   وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر   ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

فعّال لما یرید کی تفسیر فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ۔ کر گزرتا ہے ہر وہ جس کا وہ ارادہ کرے'' اس کے ارادے کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ارشاد باری ہے:۔ انّما امرہٗ اذا اراد شیئًا ان یقول لہٗ کن فیکون۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کی نسبت اس کا ارادہ ہو جائے کہ وہ یوں ہو تو بس وہ ویسی ہی ہو رہتی ہے''

چنانچہ ہر لحظہ اور ہر آن جس قدر افعال صادر ہو رہے ہیں وہ سب ارادۂ الٰہی سے ہیں خواہ وہ افعال الٰہیہ ہوں جیسے جلانا اور مارنا عزت دینا یا ذلت نصیب کرنا تونگر بنانا یا محتاج کرنا بیماری دینا یا صحتمند کرنا' کسی کو اپنا قرب نصیب کرنا یا دور کر دینا' بنانا یا بگاڑنا' آباد کرنا یا ویران کرنا' ملانا یا فراق میں مبتلا کرنا' غفلت کا پردہ اٹھا دینا یا پردہ ڈال دینا' روزی دینا یا فقر و فاقہ میں مبتلا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یا وہ دوسروں کے افعال ہوں خواہ انسانوں کے کام ہوں جو صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک جاری ہیں' جیسے سونا یا جاگنا' اٹھنا یا بیٹھنا یا چلنا پھرنا' کھانا یا پینا' سیر و تفریح کرنا یا سفر اختیار کرنا' مفید کام کرنا یا ضرر رساں کاموں میں حصہ لینا'

رشد و ہدایت اختیار کرنا یا گمراہی و ضلالت میں پڑے رہنا وغیرہ وغیرہ اسی طرح وہ افعال جن کے ہوں یا ملائکہ کے، حیوانات کے ہوں یا نباتات و جمادات سے متعلق ہوں، سب کے سب ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں۔ یہ تو وہ افعال ہوئے جو اس عالم میں جاری وساری ہیں۔ اسی طرح عالم برزخ، میدان حشر، موقف حساب، میزان، صراط اور جنت و دوزخ میں جو کچھ ہوگا وہ بھی ارادۂ الٰہی سے ہوگا۔ چونکہ یہ افعال گوناگوں نوعیت کے ہیں اور حد و حساب سے باہر، جن کا شمار کرنا بھی دشوار ہے اس لئے فعّال صیغہ مبالغہ ارشاد ہوا تاکہ ان تمام افعال کی کثرت کی طرف اشارہ ہو۔ بہرحال فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ کے مختصر سے جملے میں سارے عوالم کے جملہ افعال کو جن کا سلسلہ ازل سے ابد تک ہے سمو دیا گیا ہے یہ جامعیت اور یہ اختصار بھی اسی کا حق ہے۔ جل جلالہ وعم نوالہ۔

یہاں یہ بتا دینا مقصود ہے کہ منجانب اللہ جو کچھ بھی ہوا یا ہو رہا ہے یا ہوگا عین حکمت ہے۔ کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ کافروں کی گرفتاری اور دائمی تعذیب، مجرمین کی تا بحد جرم سزا و تادیب عین عدل ہے اور مومنین اور توبہ کرنے والوں کی معافی اور مغفرت، اولیاء اللہ کے ساتھ مودت و محبت، محض فضل اور یہی اقتضائے حکمت ہے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب

آخری مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا، کیا ہم کسی حکیم کو بلا لائیں تو فرمایا حکیم نے مجھے دیکھ لیا۔ لوگوں نے پوچھا پھر اُس نے کیا کہا؟ تو فرمایا کہ حکیم کا کہنا یہ ہے۔ انی فعال لما ارید میں جو چاہتا ہوں وہی کر گزروں گا" لوگ سمجھ گئے کہ آپ کے تمام کام ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں۔

-17
-18 هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۙ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۗ "کچھ پہنچی آپ کو بات ان لشکروں کی؟ فرعون اور ثمود کے"

حدیث الجنود کی تفسیر حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ اے ہمارے حبیب! آپ کو انبیاء و رسل (علیہم الصلاۃ والسلام) کے مقابلے پر اُتر آنے والے لشکروں کا کچھ احوال پہنچا ہے؟ لشکر فرعون، موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کے مقابلے میں، اور قوم ثمود پوری کی پوری، صالح (علیہ السلام) کے مقابلہ کے لئے اتر آئی تھی۔ پھر دیکھتے دیکھتے روز روشن میں ان کا کیا حشر ہوا؟ کس طرح وہ چشم زدن میں نیست و نابود کر دئے گئے۔ فرعون کا واقعہ زیادہ عرصہ کا نہیں اور مصر زیادہ دور نہیں۔ البتہ قوم ثمود کے واقعہ پر اگرچہ عرصہ زیادہ گزر چکا ہے لیکن دیار ثمود مکہ اور شام کے درمیان واقع ہیں۔ رحلۃ الشتاء والصیف کے موقع پر یہ علاقہ مکہ والوں کو راستہ ہی میں پڑتا ہے اور آتے جاتے ہوئے ان بستیوں کے کھنڈر سامنے

آتے رہتے ہیں۔ کفار مکہ نے بارہا ان علاقوں کو دیکھا ہوگا۔ ان لوگوں نے کبھی سوچا کہ یہ ساری تباہی و بربادی کس بنا پر ہوئی تھی؟ اگر کفار کو اس پر غور کرنے کی نوبت نہیں آئی تو آپ ہی ان کو سنا دیجئے کہ یہ اقوام اپنے عہد کے پیغمبروں اور ان کی کتابوں کو ماننے کی جگہ ان کے مقابلے پر اتر آئی تھیں۔ پھر ان کا جو حشر ہوا وہ سب کچھ تم جانتے ہو۔ اور اب تم میں جو پیغمبر آخر الزماں سید الرسل خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین تشریف لائے ہیں اور ان پر جو کتاب قرآن کریم نازل ہو رہی ہے ان کو مان لو۔ اور ان کا اتباع کرو۔ یہی راہ نجات ہے۔ مبادا اگر تم بھی قوم ثمود و فرعون کی طرح مقابلہ پر اتر آؤ گے تو ظاہر ہے کہ نیست و نابود ہو جاؤ گے اور قیامت تک کامیاب نہ ہو سکو گے اور اسی طرح تباہ و برباد ہو جاؤ گے جس طرح یہ امم سابقہ برباد ہوئیں۔ قوم فرعون و ثمود کا قصہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں رہی۔

بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ ۙ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ 85-19 85-20
مُّحِیْطٌ ۚ بلکہ کافر جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔"

فی تکذیب کی تفسیر یعنی اے نبی کریم! آپ کی قوم میں جو منکرین کفار ہیں ان کا

۸۵ (آیات ۱۹ و ۲۰)

کفر اور انکار، قوم فرعون اور ثمود سے بھی بڑھا چڑھا ہے۔ ان کو امم سابقہ کے احوال نہیں سنائے گئے تھے۔ کیونکہ وہ اگلے زمانہ کی اقوام تھیں۔ اور یہ قوم سب کے آخر میں آئی ہے۔ ان کے آگے تمام اقوام کے حالات و واقعات ہیں جو ان کو بار بار سنائے جا رہے ہیں۔ ان کو چاہیے تھا کہ اگلے کفار پر جو کچھ گزری اس سے سبق لیتے اور اپنے حالات درست کرتے۔ اور یہ واقعات خود ان کو بھی پہلے سے معلوم ہیں۔ کیونکہ اپنے آباو اجداد سے سنتے آرہے ہیں، قرآن کریم بھی ان ہی معلومہ واقعات کو ان پر دوہرا رہا ہے اور ان کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ مگر ان کے کفر و عناد کا یہ حال ہے کہ سب کچھ جانتے اور مانتے ہوئے قرآن کریم کی اور قرآن کریم کو پڑھ کر سنانے والوں کی تکذیب میں رات دن لگے ہوئے ہیں تو ان کا کفر و عناد، امم سابقہ کے کفر سے بڑھا ہوا ہے۔ اُن قوموں پر تکذیب رسلؑ کی بنا پر عذاب آیا تھا اور وہ مستحق عذاب ٹھہرے تھے تو یہ قوم اُن کے مقابلے میں عذاب کی زیادہ مستحق ہے اور ان کا عذاب امم سابقہ کے مقابلے میں سخت تر ہونا چاہیے۔

من وراۓھم کی تفسیر قرآن کریم ایسا کلام معجز نظام ہے کہ تمام جن و انس بھی مل کر اپنی متفقہ کوشش سے ایسا کوئی کلام پیش نہیں کر سکتے۔ نیز اس میں جو اصول و احکام، مواعظ و نصائح، ضرب الامثال اور پیشین گوئیاں مذکور ہیں کسی کی طاقت

نہیں کہ اس کے متبادل امور پیش کرسکے۔ پھر جس اہتمام سے اس کو اتارا گیا ہے کہ یہ کلام مجید ملائکہ کرام کے محافظ دستے کے جلو میں ایک معزز و مکرم فرشتے جبرئیل امین کی زبانی بھیجا جاتا ہے اور وہ اس کو بجنسہ بے کم و کاست اور بغیر کسی اضافے اور زیادتی کے کاتبہ ہو آپ کے قلب مبارک پر اس کا القاء کرتے رہتے ہیں تو اس کے منزل من اللہ ہونے میں کسی ریب و تردد کی گنجائش ہی کہاں ہے۔ بایں ہمہ ان کفار کو یہی خبط سمایا ہوا ہے کہ یہ اللہ سبحانہ کا کلام نہیں اور یہی باطل خیال ان کو ایسا گھیرے ہوئے ہے کہ وہ اس سے نکلتے ہی نہیں۔ تو وہ یاد رکھیں: وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ۔ اللہ سبحانہ بھی ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے احاطہ علم و قدرت سے مجال نہیں کہ یہ کہیں باہر نکل سکیں۔ وہ قرآن کریم کی تکذیب کر رہے ہیں اور اس کی تکذیب کی نت نئی صورتیں تراشتے جا رہے ہیں تو وہ خود ہی اپنے اس کرتوت کی بنا پر ہماری گرفت میں آتے جا رہے اور اپنے ہی ہاتھوں سے عذاب و نکال کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔

دوسری تفسیر | بعض مفسرین نے وَرَآءِ کے معنی "پیچھے" کے لئے ہیں۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سبحانہ ان کے پیچھے سے ان کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔" یہ تفسیر اس امر کے نظر کرتے ہے کہ قرآن کریم کو

کفار نے چونکہ پس پشت ڈال رکھا ہے۔ نہ اس کو کبھی پڑھتے، نہ اس کے معانی و مطالب
پر غور کرتے۔ تو اللہ سبحانہ بھی ان کو ان کے پیچھے سے گھیر رکھا ہے۔ کفار تو تکذیب کے
درپے ہیں۔ اور یہ سمجھتے جا رہے ہیں کہ ہم اس کو جھٹلا کر اس کے احکام کی پابندی سے
آزاد ہو رہے ہیں مگر ان کو خبر نہیں کہ یہی چیز ان کی گرفتاری اور دائمی سزا میں مبتلا
ہونے کا موجب بنتی جا رہی ہے۔ جب کائنات کی کوئی چیز ہمارے علم و قدرت کے
احاطہ سے باہر نہیں تو یہ کفار کس طرح چھوٹ سکتے ہیں؟ نجات کی واحد صورت یہی ہے
کہ قرآن کریم کو اللہ سبحانہ کا کلام تسلیم کریں اور اس پر ایمان لا کر اس کی تعلیمات پر
عمل پیرا ہوں۔ ورنہ یاد رہے کہ وہ عذاب دائمی سے بچ نہیں سکتے۔ بلکہ ہو سکتا ہے
کہ اسی دنیا میں بھی ان کو تکذیب کی سزا مل جائے اور آخرت کی سزا تو ان کے لئے
مقرر ہی ہے۔ اللھم احفظنا۔ آمین۔

5-21
5-22
بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝ع بلکہ یہ قرآن ہے ع ۲۲
بڑی شان کا (لکھا ہوا) لوح محفوظ میں۔"

قرآن کی تفسیر یعنی قرآن کریم کی نسبت کفار جو کہا کرتے ہیں کہ اس میں صرف
اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ ہم بھی ایسی کہانیاں سنا سکتے ہیں۔ یا اسی قسم کی بکواس کیا
کرتے ہیں واقعہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جس کتاب عظیم کا نام قرآن ہے یہ ایسا کلام

معجز نظام ہے کہ اس کی خوبی اور برتری اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ یعنی یہ قرآن ہے پڑھنے کے قابل۔ اس کو پڑھتے ہی جائیے تو اس میں وہ لطف اور جاذبیت ہے کہ پڑھنے کی طرف دل مائل ہی ہوتے جاتے ہیں۔ بس کرنے کو جی چاہتا ہی نہیں۔ ایک رکوع کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور چوتھا، اسی طرح ایک سورت کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری اور چوتھی سورت پڑھے بغیر سیری حاصل نہیں ہوتی۔ پڑھنے والے روزانہ ایک ایک پارہ نہیں بلکہ ایک منزل پڑھ لیتے ہیں جو چار چار پانچ پانچ پاروں میں ختم ہوتی ہے۔ اس طرح مہینے میں ایک دور کی جگہ ہفتے میں ایک دور ختم کر لیتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دو دو منزلیں طے کر جاتے ہیں مگر تکان مطلقاً محسوس نہیں کرتے۔ ایسے بھی بندگان خدا ہیں جو ہر دوسرے دن ایک ختم کیا کرتے ہیں۔ اور ایسے بھی عاشقان کلام پاک ہیں جو روزانہ ایک دور ختم کر لیتے ہیں۔ حضرت امام اعظم رمضان شریف میں روزانہ ایک ختم دن کے نوافل میں اور ایک ختم رات کے نوافل میں فرمایا کرتے اور تراویح کا ختم پورے مہینے میں ایک بار ہوتا۔ حضرت جامع القرآن کامل الحیا والایمان سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم فرمایا تھا۔

مجید کی تفسیر | مَجِیۡدٌ ۔ بڑی شان والا۔ قرآن کریم کی رفعت شان کا کیا پوچھنا

برس ہا برس عرش اعظم پر تھا جس کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی چھو نہیں سکتا تھا۔ ماہ مبارک رمضان شریف میں عرش اعظم سے سماء دنیا پر اترا۔ پھر حضرت جبرئیل امین کی زبانی فرشتگان کرام کے جلو میں وقتاً فوقتاً تیئیس سال کے عرصہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ سال بھر میں جس قدر نازل ہوتا حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان المبارک میں آکر اس کو سناتے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے۔ آخری سال میں سننے سنانے کے لئے دو دفعہ تشریف لائے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ اس طرح تاقیامت اس کے بقاو حفظ کا اہتمام فرمایا گیا۔ بندوں کو حکم ہے کہ وضو یا تیمم کئے بغیر اس کو ہاتھ نہ لگائیں البتہ زبانی پڑھ سکتے ہیں لیکن حالت جنابت ہو تو نہ ہاتھ لگا سکتے اور نہ زبانی ہی پڑھ سکتے۔ دوسری کتابیں ساتھ ہوں تو قرآن کریم کو سب سے اوپر رکھا جائے۔ قرآن کریم کا رسم الخط جدا، اس کے خلاف لکھا نہیں جا سکتا فن تجوید و قرأت جدا، اس کے خلاف پڑھا نہیں جا سکتا۔ اس کی تفسیر بالرائے جائز نہیں اس کے خلاف کوئی عمل درست نہیں۔ اس کے ایک ایک حرف کے پڑھنے پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کو دیکھنا بھی عبادت میں شامل ہے۔ ایک سو چودہ سورتوں، سات منزلوں، تیس جزو، اور (۶۶۶۶) آیات پر مشتمل رہنے کے باوجود اتنا آسان ہے کہ ایک ایک بچہ بھی اس کو زبانی یاد کر لیتا اور روقت پر پڑھ سناتا ہے۔ حضرت امام شافعی رح نے

چھ سال کی عمر میں، اور حضرت امام محمدؒ نے ایک ہفتہ میں اس کو حفظ کر لیا تھا۔ اسی سے قرآن کریم کی شان ظاہر ہے۔

فِیْ لَوْحٍ کی تفسیر فِیْ لَوْحٍ (لکھا ہوا ہے) لوح میں" لوح کے معنی تختی کے ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اخبرت ان لوح الذکر لوح واحد فیہ الذکر وان ذلک اللوح من نور وانہ مسیرۃ ثلاث مائۃ سنۃ (ابن المنذر) مجھے خبر دی گئی ہے کہ لوح سے لوح ذکر مراد ہے جس میں ذکر یعنی قرآن مجید مکتوب ہے اور یہ تختی نور کی ہے یہ اتنی طویل وعریض ہے کہ اس کو طے کرنے میں تین سو سال درکار ہوتے ہیں" اور دوسری دفعہ فرمایا:۔ خلق اللہ اللوح المحفوظ لمسیرۃ مائۃ عام فقال للقلم قبل ان یخلق الخلق اکتب علمی فی خلقی فجری بما ھو کائن الی یوم القیامۃ (ابو الشیخ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے لوح محفوظ اتنی وسیع بنائی کہ سو سال میں اس کو طے کیا جا سکے۔ پھر دیگر مخلوقات کی آفرینش سے پیشتر قلم کو یہ حکم دیا کہ میری تمام مخلوق کے باب میں جو میرا علم ہے اس کو (لوح محفوظ میں) لکھ دے تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب لکھ دیا" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان للہ لوحا من زبرجدۃ خضراء جعلہ تحت العرش وکتب فیہ انی انا اللہ لا الہ الا انا خلقت ثلاث مائۃ

و بضعة عشر خلقا من جاء بخلق منها مع شهادة ان لا اله الا الله دخل الجنة ۔ (ابن ابی الدنیا، بیہقی، ابوالشیخ، ابن مردویہ) یقین جانو کہ اللہ سبحانہ کی ایک تختی ہے ۔ زبرجد سبز سے بنی ہوئی، اس کو عرش اعظم کے تحت رکھا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ اللہ میں ہی ہوں میرے سوا کوئی بھی قابل پرستش نہیں ہے ۔ میں نے تین سو دس سے کچھ زائد شرائع پیدا کئے ہیں ۔ ان میں سے کوئی ایک شریعت بھی اختیار کر کے میرے ہاں حاضر ہوگا درحالیکہ وہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی بھی پرستش کے قابل نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا ۔" حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان بین یدی الرحمن تبارك وتعالی للوحا فیه ثلاث مائة وخمس عشرة شریعة یقول الرحمن وعزتی وجلالی لا یجیئنی عبد من عبادی لا یشرك بی شیئا فیه واحدة منكن الا ادخلته الجنة (عبد بن حمید، ابویعلی) یقیناً خدائے رحمن تبارک وتعالی کے روبرو ایک تختی ہے جس میں تین سو پندرہ شریعتیں درج ہیں ۔ خدائے رحمن کا ارشاد ہے میری عزت وجلال کی قسم ہے کہ میرے بندوں میں سے جو کوئی بندہ، جو میرے ساتھ کسی کو نہ شریک نہ ٹھہراتا ہو، تم میں سے کسی ایک شریعت کو اختیار کئے ہوئے میرے پاس حاضر ہوگا اس کو ضرور جنت میں داخل کروں گا ۔"

عرضِ فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں مرسلین سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی شریعتوں کی طرف اشارہ ہے جبکہ ان کے عہد میں یہ شریعتیں جاری تھیں۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ان پر عمل کرنیوالے جنت میں جائینگے لیکن حضرت نبی آخرالزماں علیہ صلوات اللہ وسلام الرحمان کے عہد مبارک میں جبکہ وہ شریعتیں منسوخ ہوچکیں اور دنیا سے انکی تعلیمات اُٹھ گئیں تو اب ان پر عمل کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اول تو وہ شریعتیں محفوظ نہیں رہیں اور اگر ان کے کچھ آثار باقی بھی ہیں تو چونکہ وہ منسوخ ہوچکی ہیں لہٰذا ان پر عمل آوری کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا۔ اب صرف شریعت مصطفویہ ہی پر عمل کرنا ہوگا اور اسی پر نجات موقوف و منحصر رہیگی۔ چنانچہ اس کی تائید روایت ذیل سے ہوتی ہے:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان فی صدر اللوح لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ دینہ الاسلام ومحمد عبدہٗ ورسولہ فمن آمن باللّٰہ وصدق بوعدہٖ واتبع رسلہ ادخلہ الجنۃ ۔ (بغوی ابن کثیر) یقین جانو کہ لوح محفوظ کی ابتدا میں لکھا ہے کہ خدائے واحد کے سوا کوئی ہستی لائق عبادت نہیں، اس کا دین اسلام ہے اور (حضرت) محمد (مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں لہٰذا جو کوئی اللہ پر ایمان لائے اور اس کے وعدوں کی تصدیق کرے اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کا اتباع کرے تو میں اس کو جنت میں داخل کروں گا" حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ واللوح لوح من درۃ بیضاء طولہ ما بین السمآء والارض وعرضہ ما بین المشرق والمغرب

وجا فتاہ من الدر والیاقوت ودفتاہ یاقوتۃ حمرآء وقلمہ نور وکلامہ معقود بالعرش واصلہ فی حجر ملک۔ (بغوی ابن کثیر) لوح اعظم سفید موتی کی تختی ہے جس کا طول اتنا ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے اور اس کا عرض اتنا جتنا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے اور اس کی کناریاں موتی اور یاقوت کی ہیں اور اس کے مقوے یاقوت سرخ کے' اس کی تحریر نور کی' اور اس کا کلام عرش اعظم سے بندھا ہوا اور اصل لوح فرشتے کی گود میں دی ہوئی ہے'' اور یہ بھی فرمایا:۔ ان اللہ تعالیٰ خلق لوحا محفوظا من درۃ بیضاء صفحاتھا من یاقوتۃ حمراء قلمہ نور وکتابہ نور وللہ فیہ فی کل یوم ستون وثلاث مائۃ لحظۃ یخلق ویرزق ویمیت ویحیی ویعز ویذل ویفعل ما یشآء (طبرانی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا جس کے صفحات یاقوت سرخ کے ہیں' اس کا قلم نور کا اور اس کی تحریر بھی نور کی ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ روزانہ اس کو تین سو ساٹھ دفعہ ملاحظہ فرماتا رہتا ہے (اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ پیدا بھی کرتا ہے اور رزق بھی دیتا ہے' مارتا بھی ہے اور جلاتا بھی' عزت بھی دیتا ہے اور ذلت بھی' اور جو چاہتا ہے کرتا ہے'' حضرت انسؓ نے بھی ایسے ہی فرمایا ہے۔ اور یہ روایات ابوالشیخ اور ابن مردویہ سے بھی مروی ہیں۔ یہ لوح کا بیان ہوا۔

محفوظ کی تفسیر | مَحْفُوْظٍ۔ (یہ قرآن مجید لکھا ہوا ہے لوح میں) جس کی حفاظت

کی گئی ہے"۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ۔ محفوظ عند اللہ ۔ (عبدالرزاق، ابن المنذر) (قرآن مجید) اللہ سبحانہ کے پاس محفوظ ہے" یعنی خود اللہ سبحانہ اس کا محافظ ہے جیسا کہ سورۂ نحل میں ارشاد ہوا ہے: ۔ وانا له لحافظون ۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں" یہ حفاظت کس نوعیت کی ہے اس کا علم اللہ سبحانہ کو ہے۔ حضرت عبداللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں: ۔ لوح عند اللہ وھو ام الکتاب ۔ (ابن المنذر) اللہ سبحانہ کے پاس ایک تختی ہے (اس پر لکھا ہے) اور وہی تمام کتابوں کی اصل ہے" یعنی سارے علوم کا منبع وہی ہے اور دنیا کے مصاحف شریفہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی اصل بھی یہی ہے۔ حضرت قتادہ نے یہ بھی فرمایا: ۔ فی صدور المؤمنین ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) ایمان والوں کے سینوں میں ہے" چنانچہ مسلمانوں کا بچہ بچہ اس کا حافظ ہے۔ یہ حفاظت اہل زمین کے ذریعہ ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ۔ ان اللوح المحفوظ الذی ذکرہ اللہ فی القرآن فی قوله بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ فی جبھة اسرافیل (ابن جریر) لوح محفوظ جس کا بیان اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ میں فرمایا ہے، اللہ سبحانہ کے مکرم فرشتے) اسرافیل (علیہ السلام) کی پیشانی میں محفوظ ہے" یہ حفاظت ساکنین سماوات اور ملأ اعلیٰ کے ذریعہ ہے۔ اب غور کرنا چاہئے کہ جس کتاب کریم کی حفاظت اس طرح منجانب اللہ

کی گئی ہو۔ اس میں کسی زیادتی یا کمی اور تحریف و تبدیل کی کہاں گنجائش ہے۔ یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس کلام پاک کو نازل ہوئے چودہ سو سال ہوتے ہیں۔ اس طویل و عریض مدت میں سینکڑوں حوادث و آفات آتے رہے اور زمانہ کی دستبرد سے بڑی بڑی سلطنتیں تک محفوظ نہ رہ سکیں مگر قرآن کریم ہے کہ وہ ہر طرح محفوظ و مصئون ہے۔ اور تا قیامت اسی طرح محفوظ رہیگا۔ اس سے ثابت ہے کہ یہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے۔ اس کے باوجود کسی کا یہ کہنا کہ قرآن کریم کے چالیس پارے تھے۔ ان میں سے دس پارے خارج کردئے گئے ایسا کہنا کیا ارشاد باری تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون اور اس آیہ کریمہ فی لوح محفوظ کی صریح تکذیب نہیں ہے۔ ایسا کہنے والے بجائے خود ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ واللہ الموفق

خاتمہ الحمد للہ والمنہ کہ سورۂ بروج کی تفسیر ختم ہوئی جو طوال مفصل کی آخری سورت ہے اس کے بعد سے اوساط مفصل شروع ہوتے ہیں۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیئ قدیر۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

(۷ ربیع المنور ۱۳۸۰ھ)

86 Taariq Makky Verses 17 (۸۶)

سُورۂ طارق

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں سترہ آیات ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا سورت ماقبل سے ربط اور مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں سورتوں کا آغاز والسماء کے کلمہ سے ہوا ہے۔ اُس کے آخر میں قرآن مجید کی

اس سورت کے مکیہ ہونے کا ثبوت حضرت خالد عدوانی فرماتے ہیں: — انہ ابصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسوق ثقیف وھو قائم علی قوس او عصا حین اتاھم یبتغی النصر عندھم فسمعہ یقرأ والسماء والطارق حتی ختمھا قال فوعیتھا فی الجاھلیۃ ثم قرأتھا فی الاسلام (امام احمدؒ، بخاری، ابن مردویہ، طبرانی) خالد عدوانیؓ نے حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثقیف کے بازار میں دیکھا کہ کمان یا عصا پر ٹیک لگائے کھڑے ہیں اور ثقیف کی مدد کے خواہاں ہیں اس وقت آپ سورۂ والسماء والطارق تلاوت فرما رہے تھے یہاں تک کہ اس کو ختم فرما لیا۔ اسی وقت میں نے قبول اسلام سے پہلے اس کو حفظ کر لیا پھر قبول اسلام کے بعد بھی اس کو پڑھتا رہا۔"

حفاظت۔ اور اس کے اول میں ہر نفس کی حفاظت کا بیان ہے نیز ماقبل سورت میں کفار کی تکذیب کا حال بیان ہوا تھا کہ وہ قرآن کریم کو اللہ سبحانہ کا کلام ہونے کا انکار کر رہے تھے اور جھٹلا رہے تھے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ اس سورت شریفہ میں انسان کی حقیقت حال بتائی جارہی ہے کہ وہ کیسا درماندہ عاجز اور حقیر ہے۔ وہ قرآن کریم جیسے عالی مرتبت کلام کی منزلت کیا جانے؟ اللہ سبحانہ نے جو استعداد انسان میں ودیعت رکھی ہے اگر اس سے کام لیتا تو ایسی واہی تباہی باتیں نہ کرتا۔ آخر پر قرآن کریم کی رفعت شان ظاہر کرتے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی دی ہوئی استعداد سے کام نہ لینے والے بلکہ اس کو بگاڑ لینے والوں کا جواب یہی ہے کہ ان کو ذرا سی مہلت دی جائے اور انتظار کیا جائے کہ ان کے ساتھ عنقریب کیا سلوک ہونے والا ہے؟ ان کی ان حرکات سے ملول و دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

86-1
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾
86-2
86-3
النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ قسم ہے
86-4
آسمان کی اور رات کو آنے والے کی اور کچھ تم نے جانا کیا ہے وہ رات کو آنے والا

وہ تارا ہے خوب چمکنے والا" کوئی جان نہیں مگر اس پر نگہبان ہے۔"

شانِ نزول | کلبیؒ فرماتے ہیں: ۔ اتی ابوطالب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتحفہ بخبز ولبنٍ فبینما ھو جالس یأکل اذا انحطم نجم فامتلأ ماثمۃ ففزع ابوطالب وقال ای شئی ھذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا النجم رمی بہ وھو آیۃ من آیات اللہ عز وجل فعجب ابوطالب فانزل اللہ تعالی والسماء والطارق ۔ (مظہری) حضرت ابوطالب نے حضور اکرم رسول انس وجاں علیہ صلوات الرحمان کی خدمت میں روٹی اور دودھ کا تحفہ پیش کیا آپ اس کو نوش فرما رہے تھے کہ ایسے میں ایک تارا ٹوٹ پڑا جس سے فضا روشن ہوگئی۔ اس سے ابوطالب گھبرا گئے اور پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس پر سید عالم رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک تارا ہے جس کے ذریعہ (شیاطین پر) مار پڑی ہے۔ یہ بھی خدائے عزوجل کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے (کہ شیاطین ملأ اعلیٰ کی باتیں سننے کے لئے سماوات پر آتے ہیں تو ان کو اس طرح مار کر بھگا دیا جاتا ہے) یہ سن کر ابوطالب تعجب کرنے لگے۔ اس موقع پر یہ چند آیات والسماء والطارق سے لما علیھا حافظ تک نازل ہوئیں۔"

مذکورہ آیات کریمہ کی تفسیر | ان آیات کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ آسمان کی

قسم ہے رات کو آنے والے کی قسم ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ اس سوال میں رات کو آنے والے کی عظمت شان بتانا منظور ہے کہ وہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے نہایت مہتم بالشان ہے۔ وہ حد درجہ چمکیلا ستارا ہے جو ٹوٹ پڑا ہے جس کے ذریعہ احکام قضاو قدر جو ملائکہ کرام کو دئے گئے ہیں اور ملائکہ میں ان کا چرچا ہو رہا ہے اور متعلقہ فرشتوں میں ان کی تقسیم ہو رہی ہے ان کو سننے کے لئے شیاطین اوپر آتے ہیں تو شہاب ثاقب کے ذریعہ مار کر فرشتے ان شیاطین کو بھگا دیتے ہیں۔ پھر ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسا انتظام واہتمام صرف ملأ اعلیٰ اور آسمانوں تک ہی محدود نہیں۔ کائنات ارضی کے ہر متنفس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی نگہبان موجود ہے جو منشائے الٰہی کے مطابق اس کی حفاظت پر مامور ہے۔

تفسیر سلف صالحین حضرت حبر الامۃ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اقسم ربك بالطارق وكل شئي طرقك بالليل فهو طارق (ابن مردویہ) كل نفس عليها حفظة من الملائكة (ابن جریر) تمہارے رب نے طارق کی قسم کھا کر اور اس کو گواہ ٹھہرا کر فرمایا ہے کہ ہر متنفس پر محافظ فرشتے متعین ہیں۔ رات کے وقت جو بھی دروازہ کھٹکھٹائے اور دستک دے اس کو طارق کہتے ہیں" یہاں طارق سے شہاب ثاقب مراد ہے جو دن کو نظر نہیں آتا اور رات میں ٹوٹ کر گرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔

والسماء والطارق قال ھو ظھور النجم باللیل یقول یطرق باللیل النجم الثاقب قال المضیئ ان کل نفس لما علیھا حافظ قال ما کل نفس الا علیھا حافظ قال وھم حفظۃ یحفظون عملک ورزقک واجلک فاذا توفیتہ یا ابن آدم قبضت الی ربک (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر)۔ ان آیات کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ رات کے وقت آسمانوں پر ستارے جو چمکتے اور جگمگاتے رہتے ہیں (اور بعض ٹوٹ پڑتے ہیں) یہ سب تمھاری حفاظت کا سامان ہے۔ اسی طرح ہر متنفس جاندار کی حفاظت کے لئے محافظ مقرر ہیں جو تمھاری حفاظت کے علاوہ تمھارے اعمال، اور تمھارے رزق، اور تمھاری عمر اور بقا کے بھی محافظ ہیں۔ اے فرزند آدم! جب تو اپنے عمل، اور روزی اور عمر کی تکمیل کر چکتا ہے تو تیری جان کو قبض کر کے تیرے رب کے حضور میں پیش کر دیا جاتا ہے۔"

قوم سے خطاب اگر ستارے نہ ہوتے تو شب تاریک میں راستہ چلنا دشوار ہو جاتا۔ خشکی پر سواریاں، سمندر میں جہاز اور فضا میں طیارے اپنی رفتار اور پرواز برقرار نہ رکھ سکتے۔ اوقات اور موسموں کا حال معلوم نہ ہوتا۔ اللہ سبحانہ جو سب کا حافظ حقیقی ہے اس کا کتنا کرم ہے کہ ہماری سہولت اور حفاظت کا بے شمار سامان مہیا فرمایا۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ستاروں کی گنتی کتنی ہے؟ اور ہر ستارے کے اندر ہمارے لئے کیا کیا سہولتیں ودیعت

فرمائی گئی ہیں؟ اسی طرح کائنات میں جاندار چیزیں کتنی ہیں اور ان کی حفاظت کے لئے کتنے فرشتے متعین ہیں اور وہ کس طرح ہر متنفس کے حفظ و بقا کے انتظام میں لگے ہوتے ہیں۔ پھر نہ صرف ہر جاندار کا تحفظ فرمایا گیا ہے بلکہ اس کے ہر عمل کا تحفظ بھی کیا گیا ہے جبھی تو ہر جاندار صبح و شام اپنا اپنا کام جاری رکھا ہوا ہے۔ اگر کام کا موقع نہ دیا جاتا اور اس کا سامان فراہم نہ ہوتا تو کوئی کام بھی نہ ہو سکتا۔ پھر ہر متنفس کی روزی ہر ایک کے مناسب حال وقت مقررہ پر پہنچ رہی ہے اور اس طرح زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں۔ جب ہر ایک کا کام ختم ہو جائے روزی کی تکمیل ہو جائے اور وہ مدت جو ہر ایک کو یہاں رہنے کے لئے دی گئی ہے وہ پوری ہو جائے تو ہر متنفس جہاں سے آیا تھا وہیں لوٹ جاتا ہے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ ہم سب اللہ سبحانہ کے پاس سے آئے تھے پھر سب اسی کی طرف لوٹ جائیں گے"۔ لہٰذا ہم کو غور کرنا چاہئے کہ ہم کون ہیں؟ کس چیز سے بنائے گئے ہیں؟ کہاں ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جائیں گے؟ یہاں آئے ہیں تو کس نے بھیجا ہے؟ اور کس لئے بھیجا ہے؟ جس کام کے لئے بھیجا ہے ایا اس سے ہم کو آگاہ فرما دیا گیا ہے؟ یہ چند سوالات ہیں جو ہمارے غور و فکر کے طالب ہیں۔ ہم کو ان سوالات کا صحیح صحیح جواب دینا ہوگا۔ اگر ہمیں ان چند جوابات کی تصحیح کر لی جائے تو کامیابی کی توقع ہو سکتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو نجات و کامیابی کی کیا صورت ہوگی اس پر بھی غور کر لیا جائے۔ یہ سوالات ایسے ہیں کہ معمولی

عقل وفہم رکھنے والا انسان اس کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

گر از پے شہوت و ہوا خواہی رفت — از من خبرے کہ بینوا خواہی رفت

بنگر کہ کسی و از کجا آمدۂ — می داں کہ چہ می کنی کجا خواہی رفت

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ 86-5
86-6
مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ اب غور کرے انسان کہ وہ کس چیز سے پیدا 86-7

کیا گیا ہے؟ وہ پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے، وہ نکلتا ہے پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے۔“

شان نزول حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں: هو ابو الاشدين كان يقوم على الاديم فيقول يا معشر قريش من ازالني عنه فله كذا وكذا ويقول ان محمدا يزعم ان خزنة جهنم تسعة عشر فانا اكفيكم وحدي عشرة واكفوني انتم تسعة۔ (ابن ابی حاتم) یہاں الانسان سے ابو الاشدین مراد ہے جو ایک چمڑے پر کھڑا ہو کر کہتا تھا کہ اے جماعت قریش! مجھے جو کوئی یہاں سے ہٹا دیگا تو اس کو ایسا ایسا انعام دوں گا۔ اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ محمد کا دعویٰ ہے کہ جہنم کے نگراں کار انیس (۱۹) ہیں لہذا میں اکیلا دس کے لئے بس ہوں اور تم باقی نو (۹) کو دیکھ لو۔“ اس کی تفصیل سورۃ مدثر کی آیہ کریمہ علیہا تسعۃ عشر کی تفسیر میں گزر چکی ہے اس کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آیات کریمہ اس موقع پر نازل ہوئی ہوں لیکن حکم عام ہے۔ جس میں ابو الاشدین بھی

داخل ہے۔

مِمَّ خُلِقَ کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے کہ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ہر انسان کو غور کرنا چاہئے کہ اس کی تخلیق کس چیز سے ہوئی ؟ اگرچہ انسان کی عادت ہے کہ وہ بلند بانگ دعوے کیا کرتا ہے اور ایسے دعوے اس امر کی علامت ہیں کہ وہ اپنی خودی کو بھولا ہوا ہے۔ اگر اپنی آفرینش پر غور کرتا کہ وہ کس چیز سے اور کس طرح ہوئی تو وہ ایسے بلند بانگ دعوے نہ کرتا۔ اس سورت شریفہ کی ابتدائی آیات کریمہ کی تفسیر میں جن غور طلب امور کا ذکر ابھی ابھی آیا ہے ان کے منجملہ یہ پہلا سوال ہے جس پر دعوت غور و فکر دی جا رہی ہے یعنی انسان کو دیکھنا اور غور کرنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے بنایا گیا ؟ انسان اپنی اس ابتدائی حالت کا کیا جواب دے سکتا جبکہ وہ موجود ہی نہ تھا اس لئے اس کا خالق جو تمام کائنات کا خالق ہے خود ہی اس کا جواب دے رہا ہے۔

ماء دافق کی تفسیر خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۔ وہ انسان ایک اچھلتے ہوئے پانی سے بنایا گیا ہے" پانی کی حقیقت سے سب واقف ہیں کہ وہ ایک سیال (بہنے والی) چیز ہے۔ اس میں جہندگی (اچھلنے) کی صفت کس طرح پیدا ہوتی ہے ؟ یہ صفت اسی وقت پیدا ہوگی جب کہ اس پر کسی طرح کا تدافع (دباؤ) پڑے۔ یہ دباؤ اور تدافع جس درجہ قوی ہوگا اسی مناسبت سے اس میں جہندگی پیدا ہوگی۔ یہ ظاہر ہے کہ پانی کا

ایک ایک قطرہ ہوتا ہے جب قطرات کا سلسلہ قائم ہو اور قطرات یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کو آگے کی طرف قوت سے بڑھاتے جائیں تو ان قطرات کی روانی میں تیزی اور جہندگی پیدا ہونا لازمی بات ہے۔ بہرحال یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ اس پانی کو پیدا کرنا، سیال بنانا اور اس کی روانی میں قطرات کا یہ تسلسل قائم کرنا جس کے باعث اس کی روانی میں سرعت اور جہندگی پیدا ہو یہ سب کچھ اسی حکیم علی الاطلاق کی حکمت بالغہ کی بدولت ہے۔ اس کے بعد یہ سوال ہوتا تھا کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے؟ اس کا جواب بھی سن لیجئے۔

الصلب والترائب کی تفسیر | یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ۔ وہ پانی پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے۔" صُلب سے مراد یہ ہے کہ پیٹھ کی ہڈی کے منکے جس میں حرام مغز ہوتا ہے اور اس کا سلسلہ کمر سے دماغ تک قائم ہے۔ اور ترائب جمع ہے تَرِیْبَۃٌ کی۔ جس سے سینے کی ہڈیاں مراد ہیں۔ جو داہنی طرف سے چار اور بائیں طرف سے بھی چار ہیں۔ ان ہی کے درمیان سے نطفہ خارج ہوتا ہے۔ یوں تو نطفہ تمام اعضائے بدن کا نچوڑ ہے لیکن چونکہ یہ عصارہ (نچوڑ) تمام بدن سے اکٹھا ہو کر صلب اور سینے کی ہڈیوں میں جمع ہوتا اور وہاں سے اوعیہ منی میں آکر اُنثیین میں پکتا ہے تو اس کے خارج ہونے کی نوبت آتی ہے۔ بہرحال صلب اور ترائب اس کے اہم مقامات ٹھہرے اسلئے

خصوصیت کے ساتھ ان دونوں کا بیان فرمایا گیا۔

قول اول یہاں مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ایک یہ کہ صلب سے مرد کی پیٹھ اور ترائب سے عورت کی پسلیاں مراد ہیں۔چنانچہ حضرت عکرمہ سے اس بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔صلب الرجل وترآئب المرأۃ۔(عبد بن حمید)مرد کا پانی صلب سے اور عورت کا پسلیوں سے نکلتا ہے۔" حضرت سیدنا ابن عباسؓ نے اس پر اتنا اضافہ فرمایا:۔لا یکون الولد الا منھما (عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) بچہ ان ہی دو پانیوں سے بنتا ہے۔" گویا ان دونوں کا پانی ایک جگہ جمع ہوتا اور اس کے آمیزے سے بچے کی تخلیق ہوتی ہے۔نیز حضرت ابن عباسؓ نے ترائب کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا:۔ الترآئب اربعۃ اضلاع من کل جانب من اسفل الاضلاع۔(حاکم بروایت صحیح)۔ترائب چار پسلیوں کا نام ہے ہر جانب سے یعنی داہنی جانب کی چار اور بائیں جانب کی چار۔اور پانی ان پسلیوں کے نچلے حصے سے برآمد ہوتا ہے۔"

قول ثانی دوسرا قول یہ ہے کہ پانی مرد کا ہو یا عورت کا۔ہر ایک کی صلب اور ہر ایک کی پسلیوں سے نکلتا ہے۔اس کے بعد وہ ایک جگہ جمع ہو کر اس کے آمیزے سے بچے کی تولید ہوتی ہے۔حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں:۔یخلق العظام والعصب من ماء الرجل ویخلق اللحم والدم من ماء المرأۃ۔(عبدالرزاق، ابن المنذر)

بچے کی ہڈیاں اور پٹھے، مرد کے پانی سے تیار ہوتے ہیں اور گوشت و خون کی تیاری عورت کے پانی سے ہوتی ہے۔" بہرحال یہ خدائے حکیم کی صنعت ہے کہ ایک قطرۂ آب سے انسان کی تخلیق عمل میں آتی ہے۔ اب انسان اپنے خالق اور رب کو بھول کر کیسے ہی بلند بانگ دعوے کیا کرے لیکن انسان کی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ وہ ماءِ مھین ایک ذلیل پانی سے بنایا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو جس کا نقطۂ آغاز، پانی کی ایک بوند ہے یہ کرامت اور یہ عزت و افتخار تمام کائنات پر بخشا ہے تو اس کے لئے کیونکر سزاوار ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے خالق اور رب کو ہی بھول جائے۔ اور اس کے بھیجے ہوئے مقبول و معصوم بندوں کی بات نہ مانے اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں جو اس کے احکام درج ہیں ان کی تعمیل سے سرتابی کرے۔ حاشا و کلا۔ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے۔

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝ فَمَا لَهُ 86-8
86-9
مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ۝ بے شک وہ اس کے پھیر لانے پر ہر طرح قدرت رکھتا 86-10
ہے، جس دن جانچے جائیں بھید، تو کچھ نہ ہوگا اس کو زور اور نہ کوئی مدد کرنے والا۔"

انّہ علیٰ رجعہ لقادر کی تفسیر یہاں بھی مفسرین کرام نے دو طرح تفسیر فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ سبحانہ انسان کو اس کے مرنے اور فنا ہونے کے بعد دوبارہ حیات نو

بخش کر زندہ کر سکتا ہے۔ دوسری تفسیر یہ کہ یہ پانی جہاں سے آیا تھا پھر اس کو وہیں واپس کر سکتا ہے۔ درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ "رجعہ" کی ضمیر کا مرجع متعین کرنے میں اختلاف ہے۔ "رجعہ" کی ضمیر کا مرجع اگر انسان کو قرار دیا جائے تو پہلی تفسیر اس کے مطابق ہوگی اور اگر "ہ" کی ضمیر پانی کی طرف رجوع ہو دوسری تفسیر اس کے مطابق ہوگی۔ لیکن سیاق وسباق کے لحاظ سے پہلی تفسیر ہی اولیٰ ہے اور جمہور مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں اس لئے کہ پہلی تفسیر کی رو سے قیامت میں انسانوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کا مسئلہ اس سے حل ہو جاتا ہے جس سے کافر اب تک انکار کیا کرتے ہیں۔ اور قرآن کریم میں جا بجا اسی پر زیادہ زور دیا گیا ہے تاکہ انسان اس کو سمجھے اور اپنی عاقبت کی فکر کرے کہ انسان جبکہ کچھ نہ تھا تو اس کو ایک ذلیل و حقیر پانی سے بنایا گیا جو نہایت ہی عجیب تر ہے اور اس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اسی خدائے قادر کا جب بار بار تاکید ارشاد ہو رہا ہے کہ دوبارہ اس کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اگرچہ یہ نشأت ثانیہ بھی بجائے خود عجیب ہے لیکن نشأت اولیٰ کے اعتبار سے عجیب تر نہیں تو یہ امر کیوں مستبعد خیال کیا جائے؟ عقل کے نزدیک اس کے انکار کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اس کو تسلیم نہ کرنا کمال نادانی ہوگی۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ نے انّه علی رجعه لقادر کی تفسیر میں فرمایا:۔ علی احیائه (ابن المنذر)

اللہ سبحانہ انسان کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔"

دوسری تفسیر دوسری تفسیر کے سلسلہ میں حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔
علی ان یجعل الشیخ شابّا والشاب شیخا۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) یعنی اللہ سبحانہ ہر طرح قادر ہے کہ بوڑھے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بنا دے۔" جو بھی ہو اللہ سبحانہ جب اپنی قدرت کاملہ سے جو چاہے کر سکتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور کوئی کام اس کے نزدیک مشکل نہیں تو ایک انسان جس کی ذلت و حقارت کا یہ حال ہے تو اس کے لئے کیونکہ سزاوار ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ اور اسکے بھیجے ہوئے رسولوں اور اسکی نازل کی ہوئی کتابوں کا انکار کرے؟

تبلی السرائر کی تفسیر یعنی روز قیامت ایسا دن ہوگا کہ تمام چھپی باتیں اور پوشیدہ راز کھل جائیں گے۔ ع روز محشر ہر نہاں پیدا شود۔
اگر کوئی اچھی بات اور نیکی کا خیال چھپا ہوگا یا کوئی نیک کام چھپ کر کیا ہوگا جس کو کوئی دیکھ نہ سکا اور نہ اس پر اطلاع پا سکا تو وہ ظاہر ہو کر رہیگا اور اس کی اچھی جزا ملے گی۔ اس کو کوئی قوت دفع کرنے والی نہ ہوگی اور نہ کوئی اس کے دفع کرنے میں معین و مددگار بن سکیگا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا:۔ یبدی اللہ یوم القیامۃ

کل سر فیکون زینا فی وجوہ و شینا فی وجوہ ۔ (مظہری) اللہ سبحانہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اسرار کو آشکارا فرمادیگا۔ (اچھے اسرار سے) چہروں میں زینت وخوبصورتی نمایاں ہوگی ۔" اللھم اجعلنا منھم ۔ آمین ۔ اسی طرح اگر کسی نے بری بات اور برا کام گناہ کا چھپ کر کیا ہوگا جس کی دوسروں کو خبر تک نہ ہوسکی تو وہ بھی قیامت میں کھل جائے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ مالک ومختار ہے اپنی شان ستاری سے گنہگار کے گناہوں کو چھپا بھی دے اور بخش بھی دے کیونکہ وہ ہر طرح قادر ومختار ہے۔

تمام سرائر عند اللہ منکشف ہیں حضرت ربیع بن خثیمؒ نے فرمایا:۔ السرائر التی تخفین من الناس وھن للہ بواد داوید اوھن قیل وما دواؤھن قال ان تتوب ثم لا تعود (عبد بن حمید) سرائر (سربستہ راز) وہی ہیں جو لوگوں سے مخفی رکھے جائیں۔ پر وہ اللہ سبحانہ کے آگے سب کچھ پوری طرح آشکارا ہیں۔ بچنے کی ایک ہی دوا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اس کی دوا کیا ہے؟ تو فرمایا کہ توبہ کرو دوبارہ ایسا نہ کرو۔"

سرائر کیا ہیں؟ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ضمن اللہ خلقہ اربعۃ الصلاۃ والزکاۃ وصوم رمضان والغسل من الجنابۃ وھن السرائر التی قال اللہ یوم تبلی السرائر۔ (بیہقی)

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے کہ (وہ اپنے بندوں کو نجات دے گا بلکہ ان کو اپنے اسرار سے بہرہ ور فرمائے گا اگر) اس کی مخلوق (کم از کم) چار پوشیدہ اسرار کی ضمانت دیں۔ نماز، زکاۃ، رمضان کے روزے، اور جنابت کا غسل۔ یہی سرائر ہیں جن کا بیان اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ یوم تبلی السرائر میں فرمایا ہے" یعنی یہ چار کام ایسے ہیں کہ ان کو صحیح طریقہ پر ادا کیا یا نہیں اس کا حال دوسروں کو معلوم نہیں ہو سکتا مثلاً نماز باوضو ادا کی یا بے وضو، کپڑے پاک تھے یا نہیں، جہاں نماز پڑھی وہ جگہ پاک تھی یا کیا؟ ستر کا اہتمام کیا یا نہیں؟ وقت پر ادا کی یا کیا؟ سمت قبلہ ٹھیک تھی یا نہیں؟ قراءت، تسبیحات، تشہد، درود ارکان اور رکعات کس طرح ادا کئے دوسرے کیا جانیں؟ اس کا حال صرف مصلی ہی جانتا ہے۔ یہی حال زکاۃ، روزے اور غسل جنابت کا ہے۔ کم از کم ان چار کاموں کو صحیح طریق پر انجام دیا جائے تو اللہ سبحانہ بھی ذمہ لیتا ہے کہ اس کو نجات دے گا۔ ان چار کاموں کو درست طریقہ پر ادا کرے تو اس سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ دوسرے پوشیدہ کام بھی صحیح طور پر انجام دے گا۔ ورنہ ایک دن آرہا ہے جس میں یہ سارے راز کھل جائیں گے۔ دنیا میں تو وہ پاکباز پابند روزہ و نماز مشہور تھا مگر آخرت میں حقیقت حال ظاہر ہو جائے گی۔ یہ دکھاوا اور یہ شہرت کام نہ آئیگی۔ نہ اپنی سینہ زوری کام دیگی اور نہ کوئی معین مددگار ہوگا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ قسم ہے آسمان کی جو لوٹانے والا ہے، اور زمین کی جو پھٹنے والی ہے، یقیناً یہ (قرآن) کلام ہے فیصلہ کن، اور نہیں ہے وہ ہنسی کی بات ۔"

آیات بالا کی تفسیر آسمان کا وصف ہے کہ بخارات جو اوپر چڑھتے ہیں انکو مینہ کی شکل میں زمین پر لوٹا دیتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔ اور زمین کی صفت ہے کہ برسات کے زور سے جا بجا سے پھٹتی اور پانی کو اپنے اندر جگہ دیتی ہے۔ پھر ایک ایک نبات اوگتی ہے تو اس کو اپنے اندر سے نکالنے کے لئے جگہ جگہ سے شق ہوتی جاتی ہے۔ نباتات کے حق میں آسمان یعنی اوپر سے برسنے والی برسات بجائے باپ کے اور زمین بجائے ماں کے ہے جس میں سے شجر و ثمر پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش عالم سے جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا جس کا مشاہدہ عام طور پر سب ہی کر رہے ہیں۔ اس آسمان و زمین کی شہادت پیش کی جا رہی ہے اور ان دونوں کو گواہ گردان کر ان کی قسم کھائی گئی ہے کہ دیکھو بارش کی بدولت ہر سال، قحط اور خشک سالی کس طرح رفع ہوتی اور نباتات ایک ایک دفعہ فنا ہونے کے بعد کس طرح حیات نو لیکر برآمد ہوتے جاتے ہیں؟ اگر اسی پر غور کرو تو حیات بعد الموت کی

صداقت اور واقعیت سمجھ میں آجائے گی اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا مسئلہ آسانی کے ساتھ معلوم ہو جائے گا۔ اور قیامت کے حق ہونے کی بابت جو شکوک اور اوہام کافروں کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں وہ دور ہو جائیں گے۔ بہرحال برسانے والے آسمان اور اُگانے والی زمین کی قسم ہے کہ قرآن کریم جو قیامت کے آنے کی خبر اس شدومد سے دے رہا ہے اور نہ صرف یہی بلکہ اس کی تمام باتیں فیصلہ کُن اور اٹل ہیں۔ اس کی ہر بات ایسی ہے کہ دل سے اس کو تسلیم کیا جائے اور ضرورت پر زبان سے اس کا اقرار و اعتراف کیا جائے۔ یہی تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ایمان ہے۔ پھر وقت آنے پر قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنا یہ اسکی علامت اور نشان ہے۔

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ کی تفسیر

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۔ اور نہیں ہے وہ قرآن کریم ہنسی کی بات۔ یعنی قرآن کریم کی ہر بات امر واقعہ اور حقیقت حال کا اظہار کرنے والی ہے۔ ہنسی مذاق، ٹھٹھا اور دل لگی کی کوئی بات اس میں نہیں ہے۔" اگر ایسا نہ ہو تو پھر کلام اللہ ہی کیا رہا؟ اور اللہ سبحانہ کے کلام معجز نظام اور دوسروں کے کلام میں فرق ہی کیا ہوا؟ یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جو کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں:۔ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما الفتن فعظمها وشددها فقال علی بن ابی طالب یا رسول اللہ فما المخرج منها قال

کتاب اللہ فیہ المخرج فیہ حدیث ما قبلکم ونبأ ما بعدکم وفصل ما بینکم من ترکہ من جبار یقصمہ اللہ ومن یبتغی الہدیٰ فی غیرہ یضلہ اللہ وھو حبل اللہ المتین والذکر الحکیم والصراط المستقیم ھو الذی لما سمعتہ الجن لم تتناہ ان قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد ھو الذی لا تختلف بہ الالسن ولا تخلقہ کثرۃ الرد۔ (محمد بن نصر طبرانی) حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فتنوں کا ذکر فرمایا (جو آپ کے بعد پیدا ہوں گے) اور ان کی عظمت اور شدت کو تفصیل سے بیان فرمایا۔ اس پر سیدنا علی ابن ابی طالب (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ) نے دریافت کیا۔ اے خدا کے پیارے رسول! پھر ان فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ کتاب اللہ (کو تھامے رہو) اسی میں نجات ہے۔ اس میں اگلوں کے واقعات ہیں اور آنے والوں کی نسبت پیشین گوئیاں۔ اور جو اختلافات تمھارے درمیان دائر ہیں اس میں ان کا فیصلہ ہے۔ کوئی جبار ظالم اس کو چھوڑ بیٹھے گا تو اللہ (اس کی گردن) توڑ کر رکھ دیگا۔ اور جو اس کو چھوڑ کر کسی اور جگہ راہ حق کی تلاش کرے گا تو اللہ اس کو گمراہی میں ڈال دے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے (اس کو تھام کر بام عروج پر پہنچ سکو گے) اور اس میں حکیمانہ نصیحتیں ہیں۔ اور صراط مستقیم کی رہنمائی بھی اس میں ہے۔ یہ وہی کلام ہے

جس کو سن کر قوم جن کے لوگ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا جو سیدھی راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ ایسا کلام ہے کہ ہر زبان کا آدمی اس کو سہولت سے پڑھ سکتا ہے اور بار بار پڑھنے سے اس کی رونق کم نہیں ہوتی " بلکہ نیا لطف آتا ہے۔

قرآن کریم کی فضیلت اس روایت کو خود حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے سن لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انّھا ستکون فتنۃ قلت فما المخرج منھا یارسول اللہ قال کتاب اللہ فیہ نبأ من قبلکم وخبر من بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبّار قصمہ اللہ ومن ابتغی الھدی فی غیرہ اضلّہ اللہ وھو حبل اللہ المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم ھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء ولا تشبع منہ العلماء ولا تلتبس بہ الالسن ولا یخلق من الردّ ولا تنقضی عجائبہ ھو الذی لم تنتہ الجن اذ حتی قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد من قال بہ صدق ومن حکم بہ عدل ومن عمل بہ اجر ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم (ابن ابی شیبہ، دارمی، ترمذی، محمد بن نصر، ابن الانباری عن الحارث الاعور) حضرت رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا ہے آپ فرماتے تھے عنقریب ایک فتنہ بپا ہوگا۔

میں نے عرض کیا اس سے بچ نکلنے کی کیا سبیل ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کتاب اللہ! اس میں وہ
تمام خبریں ہیں جو تم سے پہلے گزریں اور وہ جو تمہارے بعد ہونگی۔ نیز وہ تمام فیصلے جو
تمہارے درمیان دائر ہوں گے۔ یہ اٹل فیصلہ ہے، ہنسی مذاق نہیں جس سرکش و مغرور
نے اس سے منہ موڑا اللہ اس کا سر توڑ دیگا۔ اور جس نے اس کو چھوڑ کر اور کہیں ہدایت
تلاش کی اللہ اس کو گمراہ کر دیگا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور یہی حکیمانہ نصیحت ہے
اور یہی صراط مستقیم ہے جس کو حرص و ہوس ٹیڑھا نہیں کر سکتی، اور جس سے زبانیں خلط
ملط نہیں ہو سکتیں، علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہوتے، اس کو بار بار دہرانے سے جی نہیں
اکتاتا، اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے، یہ وہی کلام ہے جس کو سن کر جن بھی بول
اٹھے ہم نے عجب قرآن سنا جو سیدھی راہ پر چلاتا ہے، جو اس کے مطابق بولا سچ بولا اور
جو اس پر عمل پیرا ہوا اجر پایا، جس نے اس کے موافق فیصلہ کیا منصف قرار پایا اور
جس نے اس کی طرف آنے کی دعوت دی اس کو راہ راست ملی۔" بہرحال قرآن حکیم کا
ہر فیصلہ اٹل ہے۔ یہ کوئی ہنسی دل لگی کی بات نہیں ہے اس پر مضبوطی سے عمل کرتے رہو۔

6-15
6-16 إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِينَ
6-17 أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ بے شک وہ لگے ہوئے ہیں کچھ داؤ کرنے میں اور میں بھی
لگا ہوا ہوں کچھ داؤ میں لہٰذا آپ ڈھیل دیجئے منکروں کو ڈھیل دیجئے ان کو

تھوڑی سی ۔"

تفسیر آیات صدر یعنی کافر یہ داؤ پیچ کر رہے ہیں کہ قرآن کریم کی تبلیغ میں نت نئی صورت سے رکاوٹ ڈالیں اور حق پسند لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کریں تاکہ کسی نہ کسی تدبیر سے حق کو ابھرنے اور پھیلنے نہ دیں، مگر وہ کیا جانیں کہ ہماری لطیف تدبیر بھی ساتھ ساتھ کارفرما ہے کہ ان کے سارے داؤ پیچ ٹوٹ کر رہ جائیں اور آپ کے مقابلے میں ان کی ایک چال بھی نہ چل سکے۔ بلکہ راہ حق میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے جو جال ان منکرین نے پھیلا رکھا ہے اس کو ان ہی کے گلوں میں پھندا بنا کر ڈال دیا جائے۔ وہ چاہتے ہیں اہل حق کو پھانسنا اور ہو یہ رہا ہے کہ خود ہی اس میں پھنسے جا رہے ہیں ایسا کہ پھر کبھی نکل نہ سکیں۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اللہ سبحانہ کے آگے کسی کی چالبازی اور مکاری کیا چل سکتی ہے ؟

فمہل الکافرین کی تفسیر فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۔ لہذا اے نبی کریم آپ ان کی سزا دہی میں جلدی نہ فرمائیں اور ان کی چالوں سے گھبرا کر بددعا نہ کریں۔ ان کافروں کو صرف ڈھیل دیجئے۔ یہ ڈھیل زیادہ نہیں بلکہ ذرا سی چند روزہ ہوگی پھر دیکھئے کہ انجام کیا ہوتا ہے ؟ حضرت سدیؒ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ امهلهم حتی آمر بالقتال۔ (ابن المنذر) جہاد کا حکم آنے تک ان کو

ڈھیل دیتے جائیے۔" اور حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ھذا وعید من اللہ عزّ وجل قد اخذھم اللہ یوم بدر۔ (مظہری) یہ خدائے عزّ وجل کی طرف سے کافروں کے حق میں وعید ہے چنانچہ اللہ سبحانہ نے کچھ ہی مدت گزرنے پر غزوۂ بدر میں کفار کو گرفتارِ عذاب کیا۔"

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ آیۂ کریمہ کفار کے حق میں تو وعید ہے لیکن حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تسلی خاطر ہے کہ کافروں کی ایذاؤں کا دور ختم ہو رہا ہے اور آپ کی کامیابی اور فتح و نصرت کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔

حضرت ابن زید فرماتے ہیں: مھّلھم فلا تعجل علیھم ترکھم حتی اذا اراد الانتصار منھم امرہ بجھادھم وقتالھم والغلظۃ علیھم۔ (ابن جریر) ان کو مہلت دیجئے اور جلدی نہ کیجئے وہ اپنی غفلت میں پڑے رہیں۔ تا آنکہ جب اللہ سبحانہ نے ان سے بدلہ لینے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو جہاد و قتال اور ان کے ساتھ شدت اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔"

الحمد للہ والمنۃ کہ سورۂ طارق کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

(پنجشنبہ ۷ ربیع الآخر ۱۳۸۰ھ)

87 Aa'laa Makky Verses 19 (۸۷)

سُورۂ اعلیٰ

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۱۹) آیتیں ہیں

ماقبل سورت سے ربط سورۂ طارق میں انسان کی آفرینش کا تفصیلی بیان فرمانے کے بعد نباتات کی پیدائش کی طرف اجمالی طور پر اشارہ فرمایا گیا تھا۔ اس سورت شریفہ میں انسان کی آفرینش کی جانب اجمالی اشارہ فرماتے ہوئے نباتات کی پیدائش کا تفصیلی بیان فرمایا جا رہا ہے گویا یہ سورت شریفہ سورۂ طارق کا تکملہ ہے

سورۂ اعلیٰ سے حضور اکرم کی محبت حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحبھا۔ (امام احمدؒ بزارؒ ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سورت شریفہ کو بہت چاہتے تھے" اس کا ثبوت روایات ذیل سے ملتا ہے:۔

حضرت ابو تمیمؒ فرماتے ہیں:۔ انہ علیہ الصلاۃ والسلام سمع ھما

افضل المسبّحات۔ (ابو عبید) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سورتوں (یعنی سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ) کو مسبحات (سبعہ) میں سب سے افضل قرار دیا" اور اس کا نام افضل المسبّحات رکھا۔ مسبحات وہ سورتیں جن کی ابتدا تسبیح سے ہوئی ہے یہ سات سورتیں ہیں۔ سورۂ اسراء[1]، حدید[2]، حشر[3]، صف[4]، جمعہ[5]، تغابن[6]، اعلیٰ[7] اسی وجہ سے سورۂ اعلیٰ کو سورۂ سبّح بھی کہتے ہیں۔ افضل ہونے کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے اور امر تسبیح پر مشتمل ہونے کے باوجود یہ سب سے مختصر بھی ہے جس کا پڑھنا آسان تر ہے۔

سورۂ اعلیٰ کی نمازوں میں تلاوت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر فی الرکعۃ الاولی سبّح و فی الثانیۃ قل یاایھا الکافرون وفی الثالثۃ قل ھو اللہ احد والمعوّذتین۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) حضور نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری رکعت میں قل یاایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھا کرتے تھے" اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ تیسری رکعت میں صرف سورۂ اخلاص یعنے قل ھو اللہ احد الخ پڑھتے تھے"۔ اس کو

ترمذی کے سوا دوسرے مذکورہ محدثین نے بھی روایت کی ہے۔ بہرحال دونوں روایات اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مصلی کو اختیار ہے کہ کبھی سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھے اور کبھی صرف سورۂ اخلاص پر اکتفا کرے۔ فقیر کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ رمضان شریف میں وتر میں امام کو چاہیے کہ تیسری رکعت میں صرف سورۂ اخلاص پڑھے تا کہ مقتدیوں پر گرانی نہ ہو۔ پھر وتر میں عام طور پر سورتوں کی تخصیص نہیں جو سورتیں یا آیات چاہے پڑھ سکتے ہیں لیکن تبرک اور فضیلت کے مدنظر ان روایات کے مطابق بھی پڑھا کریں۔

سورۂ اعلیٰ کی نماز جمعہ و عیدین میں تلاوت

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقرأ فی العیدین و یوم الجمعۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ وھل اتاک حدیث الغاشیۃ وان وافق یوم الجمعۃ قرأھما جمیعا۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمدؒ، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) حضرت رسول رب العالمین صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم عیدین میں اور جمعہ کے دن (پہلی رکعت میں) سبح اسم ربک الاعلیٰ اور (دوسری رکعت میں) ھل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھتے تھے۔ اور اگر عید کی نماز جمعہ کے دن آ گئی تو دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھا کرتے۔"

سورۂ اعلیٰ کی آخری نماز مغرب میں تلاوت حضرت عبداللہ بن حرثؓ فرماتے ہیں: ۔ان آخر صلاۃ صلاّھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المغرب فقرأ فی الرکعۃ الاولی بسبح اسم ربك الاعلی وفی الثانیۃ بقل یا ایھا الکافرون ۔ (طبرانی) آخری نماز جس میں رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت فرمائی مغرب کی نماز تھی ۔ اس کی پہلی رکعت میں آپ نے سبح اسم ربك الاعلیٰ اور دوسری میں قل یا ایھا الکافرون کی سورتیں تلاوت فرمائیں" مغرب میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھنے کا حکم ہے لیکن مقتدیوں پر گراں گزرنے کا اندیشہ نہ ہو تو سورۂ اعلیٰ یا اس سے طویل سورتیں بھی پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ بعض روایات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مغرب میں سورۂ والنجم وغیرہ پڑھنا بھی منقول ہے کیونکہ صحابہ کرام آپ سے قرآن سننے کا شوق رکھتے تھے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔

تسبیحات رکوع وسجود کا ماخذ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں: ۔لمّا نزلت فسبح باسم ربك العظیم قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اجعلوھا فی رکوعکم فلمّا نزلت سبّح اسم ربك الاعلیٰ قال اجعلوھا فی سجودکم ۔ (امام احمدؒ) جب آیۂ کریمہ فسبح باسم ربك العظیم نازل ہوئی تو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ اس کو رکوع میں رکھو ۔ یعنی بحالت رکوع سبحان

ربی العظیم پڑھا کرو یعنی میں پاکی بیان کرتا ہوں اپنے پروردگار کی جو بڑا ہی باعظمت ہے۔" پھر جب آیہ کریمہ سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل ہوئی تو آپ نے ہم کو حکم فرمایا کہ اسکو اپنے سجدے میں رکھو یعنی سجدے کی حالت میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا کرو جسکے معنی یہ ہیں کہ میں پاکی بیان کرتا ہوں اپنے آقا و مالک کی جو سب سے بلند تر اور اسکی شان سب سے اعلیٰ ہے۔" ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی موسیٰ بن ایوبؓ سے اس کی روایت کی ہے۔

امر سبّح کی تعمیل حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا قرأ سبّح اسم ربك الاعلیٰ قال سبحان ربّی الاعلیٰ۔ (امام احمدؒ) حضرت رسول اعلیٰ و اکرم صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب سبّح اسم ربك الاعلیٰ کی تلاوت فرماتے (جس میں حکم ہے کہ اپنے رب اعلیٰ کی پاکی بیان کرو) تو فوراً اس کی تعمیل میں فرماتے سبحان ربّی الاعلیٰ میرا پروردگار پاک ہے جو سب سے اعلیٰ تر ہے۔" ابوداؤد شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللّٰہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت ابن عباسؓ کا عمل یہی تھا۔ تلاوت خارج نماز ہو یا نماز نفل ہو تو اس آیہ کریمہ پر سبحان ربّی الاعلیٰ کہہ سکتے ہیں لیکن فرض نماز میں حنفیہ کے نزدیک مقتدیوں کو خاموش رہنا چاہیے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک فرض نماز میں بھی اس آیہ کریمہ کو سن کر سبحان ربی الاعلیٰ کہہ سکتے ہیں۔ ان تمام احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ حضور انور کو یہ سورت شریفہ کس درجہ محبوب و

مرغوب تھی؟ ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔

۸۷ (آیت ۱ تا ۵)

87-1 سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ الَّذِىۡ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ وَالَّذِىۡ
87-2
87-3 قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ وَالَّذِىۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰى ۙ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰى ؕ
87-4
87-5 پاکی بیان کیجئے اپنے پروردگار کے نام کی جو سب سے بلند تر ہے جس نے پیدا کیا پھر
ٹھیک بنایا اور جس نے اندازہ مقرر کیا پھر راہ بتلائی اور جس نے نکالا چارا پھر
اس کو کر دیا کوڑا سیاہ ۔

آیات صدر کی تفسیر یعنی اے نبی کریم! اپنے رب کی پاکی اور عظمت بیان کیا کیجئے جو سب سے بلند تر ہے جس کے سوا کائنات میں اور کوئی بھی اس جیسی عظمت اور رفعت و بلندی والا نہیں ہے ۔ نیز اپنے رب کے نام کی پاکی اور عظمت بیان کیا کیجئے کہ ایسا عظیم الشان و رفیع المرتبت نام اور کسی کا نہیں ہو سکتا ۔ زبان سے اس کی پاکی اور علو شان کا بیان ہو اور دل میں اتنا ہی خشوع اور تذلل پیدا ہو جیسی اس کی شان اعلیٰ ہے اور اعضاء و جوارح پر اس کی عظمت شان و رفعت مکان کے آثار ہویدا ہوں ۔ کفار و مشرکین اپنے معبودان باطل کو لات و عُزّیٰ وغیرہ ناموں سے

پکارتے ہیں جو ان کے من گھڑت نام ہیں۔ ان کے مقابل آپ اپنے معبود برحق جل جلالہٗ وعم نوالہ کو ان اسمائے حسنیٰ سے یاد کیا کیجئے جن سے آپ کو واقف کرادیا گیا ہے۔ اور یہ حکم اپنی امتہ مرحومہ کو سنا دیجئے: و للہ الاسمآء الحسنیٰ فادعوہ بھا۔ اور اللہ سبحانہ کے اچھے اچھے پاک نام ہیں لہٰذا تم ان ہی ناموں سے اس کو یاد کرتے رہو" اپنی طرف سے القاب وخطابات نہ دیا کرو۔ کیونکہ تمہارے دئے ہوئے القاب اور خطابات میں وہ جامعیت اور موزونیت نہیں آسکتی جو اس کے شایان شان ہو۔ وذرالذین یلحدون فی اسمآئہ۔ ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں الحادو بے دینی کی بنا پر نت نئی تراش سے کام لیتے ہیں" چنانچہ محققین علمائے کرام کی اکثریت اسی طرف ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ توقیفی ہیں جن سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واقف کرادیا گیا ہے۔ احتیاط بھی اسی میں ہے۔ اگرچہ بعض کے نزدیک یہ بھی جایز ہے کہ نام وہ ہو کہ اس سے پاکی اور عظمت شان ایسی ظاہر ہو کہ اس کا اطلاق اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی پر نہ ہو سکے۔ مثلاً وہ اسماء جو سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم اکابر دین سے منقول ہیں۔

الذی خلق کی تفسیر | اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی۔ جس نے ساری مخلوقات کو پیدا کیا پھر ہر مخلوق کو اس کی موزونیت و مناسبت کے لحاظ سے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق

ٹھیک بنایا" وہ مخلوقات انسان ہوں یا فرشتے یا جن حیوانات ہوں یا نباتات و جمادات جواہر ہوں یا اعراض آسمان ہوں یا زمین ان کا مقام آسمان وزمین کے درمیان ہو یا آسمانوں کے اوپر یا زمین کے اندر جن چیزوں کا علم اجمالی یا تفصیلی ہم کو کرایا گیا ہو یا نہ کرایا گیا ہو ہماری عقل و فہم کی رسائی ان کی حقیقت اور کُنہ تک ہو سکتی ہو یا نہ ہو ان سب کو اسی خدائے وحدہٗ لا شریک لہٗ نے بنایا اور ہر ایک کو اس کی صلاحیت و استعداد کے اعتبار سے جو کچھ دینا تھا وہ سب کچھ دیا۔

فسوّیٰ کی تفسیر امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:۔ الذی خلق الاشیاء فسوّی خلقها و عدّلها جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا کہ ہر ایک کی تخلیق اس کے حسب حال کمال اعتدال کے ساتھ عمل میں آئی۔ اس کی آفرینش میں کسی قسم کا تفاوت خلل نیچ اونچ نہیں۔ اور نہ کسی کا تصور ہو سکتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی صورت گری اور معنی آفرینی ہو سکتی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: خلق الخلیقۃ وسوّیٰ کل مخلوق فی احسن الهیئات۔ اس نے تمام مخلوقات کو جو پیدا ہونے کی قابل تھیں پیدا کیا اور ہر مخلوق کو اس کی مناسب و موزوں بہترین شکل و ہیئت پر پیدا کیا کہ اس سے بہتر کوئی ہیئت متصور نہیں ہو سکتی"۔

قدّر فهدیٰ کی تفسیر وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی۔ اور آپ کا ربّ اعلیٰ وہ ہے

جس نے مخلوقات کو پیدا کرنے سے پیشتر ہر ایک کا ٹھیک اندازہ مقرر فرمایا پھر اس کے مقررہ اندازے کے مطابق عمل پیرا ہونے کی راہ بتائی اور اس کے طور طریقے سمجھا دئے"

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان اللّٰہ قدّر مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السماوات والارض بخمسین الف سنۃ وکان عرشہ علی الماء ۔(مسلم شریف) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تمام خلائق کے اندازے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پیشتر ہی مقرر فرما دئے" یعنی تمام کائنات کے اجناس، انواع، اصناف، اشخاص، ہر ایک کی مقدار، صفات، افعال، ان کا رزق یعنی ان کے حفظ و بقا کا سامان، اور ہر ایک کی مدت، اپنی مشیت کے مطابق مقرر فرمادی۔ جس سے سرمو تجاوز یا انحراف نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ کل شیئ بقدر حتّی العجز والکیس ۔ ہر چیز تقدیر و اندازے کے مطابق ہے یہاں تک کہ (کسی کام کی قوت و قدرت رکھنا یا اس سے) قاصر و عاجز رہ جانا، اور دانائی و ذکاوت (یا نادانی اور بلادت)" یہ آیہ کریمہ، سورہ طٰہٰ کی آیہ کریمہ ربّنا الذی اعطی کلّ شیئ خلقہ ثمّ ھدیٰ کے ہم معنی ہے کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب حال پیدا کیا پھر اسی مناسبت سے اس کی راہ نمائی فرمائی" سورہ طٰہٰ کی تفسیر

حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے قلم فیض رقم سے گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

اخرج المرعیٰ کی تفسیر

وَالَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی۔ اور ربّ اعلیٰ وہ ہے جس نے (جانوروں کے لئے زمین سے) چارا نکالا۔ جانور گھانس پات کھاتے اور تمھارے کام آتے ہیں۔ کسی پر تم سواری کرتے ہو اور بوجھ لادتے ہو۔ کسی کو زراعتی کاروبار میں لگاتے ہو۔ کسی کا دودھ پیتے ہو اور ان کا گوشت کھاتے ہو۔ اور ان کی نسل سے فائدہ اٹھاتے ہو۔ یہی جانور تمھاری زینت و آرائش کا سامان ہیں۔ جب وہ گھر سے نکل کر صبح کے وقت چرنے کے لئے آبادی سے باہر جاتے اور شام کو گھروں کی طرف واپس آتے ہیں تو ان کو دیکھ کر تمھارا دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔ پھر کسی کا شکار کرتے ہو اور اس کو شوق سے کھاتے ہو۔ اگر ان کے لئے چارا اس افراط سے پیدا نہ کیا جاتا تو جانوروں کی زندگی دوبھر ہوجاتی اور یہ ان گنت منافع جو تم کو حاصل ہو رہے ہیں ان سے محرومی رہتی۔ پھر اسی چارے میں جو جانوروں کی غذا ہیں ایسی جڑی بوٹیاں ہیں جو کیمیاوی اثر رکھتی ہیں وہ تمھاری دواؤں میں استعمال کی جاتی ہیں اور اپنے افعال و خواص کے لحاظ سے تم کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ یہ ہے وصف ذاتی ربّ اعلیٰ کا جس کو سن کر دل چاہتا ہے کہ بے اختیار اُس کے آگے سربسجود ہوں۔ فرعون نے بھی دعویٰ کیا تھا اور کہا کرتا تھا:۔ انا ربکم الاعلیٰ۔ میں تمھارا آقا ہوں سب سے

بلند تر"۔ مگر کوئی غور کرے کہ رب اعلیٰ کے جو اوصاف اوپر گنائے گئے اس کم بخت میں ان میں کا کونسا وصف تھا۔ اس نے کونسی چیز کائنات کی پیدا کی۔ کس کو ٹھیک کیا، کس چیز کی کیا قدر کی؟ کونسی رہنمائی اس سے ہوئی؟ اللہ سبحانہ نے اس کو مصر کی حکومت دی تو کیا کیا بجز اس کے کہ ولقد اضلّ فرعون قومہ وما ھدیٰ ۔ اور بے شک فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور خود بھی گمراہ ہوا۔ صحیح رہنمائی کچھ بھی نہ کی خود بھی ڈوبا اور ساری قوم کو لے ڈوبا۔ آج بھی دنیا میں فراعنہ کی کمی نہیں ہے بلکہ ان کا فتنہ، فرعون کے فتنے سے کہیں بڑھا چڑھا ہے۔ اس کا دائرۂ اثر صرف ملک مصر تک محدود تھا۔ ان کا اثر عالمگیر ہے۔ مگر ڈرنے کی بات نہیں۔ ہر فرعونے را موسیٰ۔ ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند ـــ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ سے ڈریں اور سب سے نڈر ہو جائیں۔ ارشاد باری ہے: ـ فلا تخافوھم وخافون۔ لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو۔ مجھی سے ڈرتے رہو" یہ بھی ارشاد ہے: ـ اتخشونھم واللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین۔ کیا تم ان سے ہیبت کھاتے اور کانپ جاتے ہو؟ حالانکہ اللہ جل جلالہ سب سے زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اور اس کی خشیت اپنے دل میں پیدا کرو اگر تم ایمان والے ہو"

فجعلہ غثاء احوی کی تفسیر

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۔ پھر اس نبات کو

(سکھا کر) سیاہ کوڑا بنا دیتا ہے" روئے زمین پر جس قدر نباتات ہیں ان کی ابتدا
سرسبزی اور شادابی کے ساتھ ہوتی ہے پھر وہ خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ درختوں کی نئی
شاخیں، پتے، پھل پھول دیکھ دیکھ کر خوشی اور مسرت ہونے لگتی ہے جی چاہتا ہے کہ
ان کو دیکھتے ہی رہیں۔ ان کے سایہ میں دن تمام گزار دیں۔ ان کے پھل پھول سے
لطف اندوز ہوتے رہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے رہیں ؎

یاد در سایۂ درختانش گسترانید فرش بوقلموں

یہ بہار اللہ سبحانہ ہی کی لائی ہوئی ہے۔ اگر اس کا فضل شامل نہ ہوتا تو ایسا خوشنما
منظر اور ایسی خوشگوار گھڑیاں نصیب نہ ہوتیں الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ پھر نباتات پر
ایک وقت اور آتا ہے کہ پھل پھول غائب۔ اور پتے پیلے پڑ جاتے اور صبح و شام
ٹپکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ برہنہ شاخیں کھڑی رہتی ہیں۔ اور جہاں گھانس
پات سے زمین پٹی ہوئی تھی۔ خس و خاشاک بن کر اڑ جاتی اور ساری زمین چٹیل میدان
بن جاتی اور ہر طرف سے خاک اڑتی نظر آتی ہے۔ وہی سرسبز گھانس، سیاہ کوڑا بن کر
ہوا میں اڑ گئی۔ یا سیلاب میں بہ گئی۔ یہ بھی اللہ سبحانہ کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے
یہی حال ہر سال مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی ایک سبق ہے کہ انسان اور ساری
کائنات ایک دن فنا ہو کر پھر نشأت ثانیہ ہوگی۔ اور دوبارہ انسان و حیوانات

زمین سے زندہ ہو کر نکل آئیں گے۔ بہرحال یہ ہیں صفات آپ کے ربِ اعلیٰ کی لہٰذا اس کی
تسبیح میں ہر دم رطب اللسان رہنا چاہئے اسی حکم کی تعمیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اس سورت شریفہ کو نمازوں میں عام طور پر اور جمعہ و عیدین میں خصوصیت کے ساتھ
تلاوت فرماتے رہے اور سجدہ کی حالت جو ربِ اعلیٰ کا قُرب ڈھونڈھنے کی حالت خاص
ہے اس میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے رہے اور آپ کی اتباع میں تمام مسلمان سجدہ
میں یہی تسبیح کا ورد رکھتے ہیں۔ وللہ الحمد۔

87-6 87-7 سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ ۙ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ
87-8 87-9 وَمَا يَخْفَىٰ ۝ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ۝ فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ۝

البتہ ہم پڑھاتے جائیں گے آپ کو، پھر آپ نہ بھولیں گے، مگر وہ جو چاہے اللہ بے شک
وہ جانتا ہے پکارنے کو اور وہ جو پوشیدہ ہو، اور ہم آہستہ آہستہ پہنچائیں گے آپ کو
آسانی تک، لہٰذا آپ سمجھاتے رہیں اگر فائدہ دے سمجھانا۔"

سنقرئک کی تفسیر یعنی جس طرح جمادات، نباتات، حیوانات، انسان اور ہر
شئی کو پیدا کرنے کے بعد ہم اس کی تربیت فرماتے اور بتدریج اس کو درجۂ کمال تک
پہنچاتے ہیں، ہم آپ کے باوجود اُمّی ہونے کے پورا قرآن کریم آپ کو پڑھاتے جائیں گے
ایسا کہ پھر آپ پڑھے ہوئے کو کبھی بھول نہ سکیں گے۔ اور قرآن کریم کے حفظ کی وہ قوت

آپ کو خصوصیت کے ساتھ عنایت کریں گے کہ ایک دفعہ کا پڑھا دینا عمر بھر کے لئے کافی ہوگا۔ یہ قوت حفظ بھی آپ کے حق میں ایک معجزہ ہے۔ گو دیگر امور میں سہو و نسیان بہ تقاضائے بشریت آپ سے بھی احیاناً صادر ہو سکتا ہے جیسا کہ سجدۂ سہو کے باب میں احادیث شریفہ موجود ہیں۔ لیکن قرآن کریم کی تبلیغ میں ایسا نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس کا بطور خاص اہتمام فرمایا گیا ہے۔ مگر قرآن کریم کا وہ حصہ جس کو بھلا دینا ہی ہم کو منظور ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کو ہم آپ کے ذہن شریف اور حافظہ سے نکال دیں گے اس میں بھی اللہ سبحانہ کی حکمت ہے۔ اور یہ بھی نسخ قرآن کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ سورۂ احزاب کے بارے میں احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ اول اول یہ سورت شریفہ سورۂ بقرہ کے برابر تھی۔ لیکن اس کا اکثر حصہ ذہن سے نکال دیا گیا، اب نہ اس کی تلاوت باقی ہے اور نہ اس کے احکام ہی باقی رہے ہیں۔ اس سے اللہ سبحانہٗ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے۔

شانِ نزول سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتاہ جبریل بالوحی لم یفرغ جبریل من الوحی حتّٰی یزمّل من ثقل الوحی حتی یتکلّم النبی صلی اللہ علیہ وسلم باوّلہ مخافۃ ان یغشی علیہ فینسی فقال لہ جبریل لم تفعل ذلک قال مخافۃ ان انسی فانزل اللہ

سنقرئك فلا تنسیٰ الا ما شآء اللہ ۔ (طبرانی، ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں جبرئیل علیہ السلام جب وحی لاتے تو ابھی جبرئیل علیہ السلام وحی پہنچانے سے فارغ ہونے بھی نہیں پاتے تھے کہ وحی کے بوجھ اور دباؤ سے آپ چادر اوڑھ لیتے اور آئی ہوئی وحی کو شروع سے پڑھتے جاتے اس اندیشے سے کہ آپ پر اس کے ثقل سے غشی طاری ہو اور کہیں اس کو بھول جائیں ۔ یہ حالت دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا اس اندیشے سے کہ کہیں اسکو بھول جاؤں ۔ اس موقع پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی :۔ سنقرئك فلا تنسیٰ الا ما شآء اللہ ۔ البتہ ہم آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ آپ اس کو بھول نہ سکیں گے مگر وہی جس کا بھول جانا اللہ کو منظور ہے "

وحی کو بھلا دینا بھی نسخ ہے ثم قال له جبريل انه لم ينزل على نبي قبلك الا نُسِيَ والا رُفع بعضه وذلك ان موسى اهبط الله عليه ثلاثة عشر سِفرا فلما القى الالواح انكسرت وكانت من زمرد فذهب اربعة اسفار وبقي تسعة ۔ (طبرانی، ابن مردویہ) پھر جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا بات یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی کسی نبی پر وحی الٰہی نازل ہوتی رہی تو ان کو بھی بھلا دیا گیا اور وحی کا کچھ حصہ اٹھا لیا گیا ۔ (حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام

اللہ سبحانہ نے (۱۳) تیرہ دفاتر اتارے تھے۔ جب انھوں نے الواح کو ڈال دیا (یعنی غصہ کی حالت میں ان کے ہاتھ سے وہ تختیاں چھوٹ گئیں) تو وہ ٹوٹ گئیں۔ وہ تختیاں زمرد کی تھیں (زمین پر گرنے سے ٹوٹ گئیں) جس کے باعث چار تختیاں جاتی رہیں اور صرف (۹) نو تختیاں باقی رہ گئیں۔" جس میں کتاب توریت شریف لکھی تھی۔ یہ بھی ایک قسم نسخ کی تھی کہ نہ ان چار الواح کی تلاوت باقی رہی اور نہ ان کے احکام جاری رہے۔ یہ حکمت الٰہیہ کے عین مطابق ہے۔

ومایخفی کی تفسیر اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى۔ بے شک وہ جانتا ہے پکارنے کو اور اس کو جو پوشیدہ ہو۔" آپ آہستہ کلام کریں یا زور سے۔ سب کچھ اللہ سبحانہ کے احاطۂ علم میں ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے اور نہ اس کے علم سے باہر ہے۔ وہ سب کو یکساں جانتا ہے۔ حضرت قتادہؓ نے ومایخفی کی تفسیر میں فرمایا:۔ الوسوسۃ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) یعنی وسوسہ جو دل میں آتا ہے اللہ سبحانہ کو اس کا بھی علم ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ سورۂ قٓ میں ارشاد ہوا:۔ ونعلم ما توسوس به نفسه۔ انسان اپنے دل ہی دل میں جو باتیں کرتا ہے ہم اس کو بھی جانتے ہیں۔" اور حضرت سعیدؒ بن جبیر فرماتے ہیں:۔ ما اخفیت فی نفسك۔ (ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم) جو باتیں تم اپنے دل میں چھپائے رکھتے ہو وہ بھی سب ہمارے علم میں ہیں۔"

یسریٰ کی تفسیر وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی۔ "اور ہم آہستہ آہستہ پہنچائیں گے آپ کو آسانی تک"۔ یعنی نہ صرف آپ کو قرآن کریم پڑھا دیں گے اور پختہ یاد دلادیں گے۔ بلکہ اس کی ہدایات کے مطابق اس پر عمل آوری کی راہیں بھی ہموار کردیں گے۔ اور ایسی شریعت آپ کو دیں گے جو تمام شریعتوں کے مقابلہ میں اکمل، اشرف اور سب سے آسان تر ہوگی۔ تہذیب نفس ہو یا تدبیر منزل یا سیاست مدن جو علم اخلاق کا خلاصہ ہے اس کو ایسے طریقے سے سمجھا دیں گے کہ اس کو یاد رکھنا دوسروں تک پہنچانا اور وقت پر عمل کرنا آسان ہوجائے۔ پھر جب یہ منازل طے ہوجائیں تو کامیابی اور منزل مقصود تک رسائی دور نہیں۔ حضرت سیدنا ابن عباسؓ للیسریٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ للخیر۔ (ابن ابی حاتم) "ہر بھلائی تک ہم آپ کو بہ سہولت ہمکنار کردیں گے اور پہنچادیں گے"۔

ان نفعت کی تفسیر فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی۔ "لہذا آپ لوگوں کو سمجھاتے اور اللہ سبحانہ کی یاد دلاتے رہیں اگر آپ کی فہمائش اور یاد دہانی نفع پہنچاتی ہو"۔ اس آیہ کریمہ کی تفسیر دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ اگر ایک دفعہ کی یاد دہانی ہی نفع بخش ہو تو اسی ایک دفعہ کی تذکیر پر اکتفا فرمائیے۔ اور اگر بہ صورت ایک دفعہ کی تذکیر کی مفید نہ ہو تو تذکیر کا سلسلہ جاری رکھئے۔ تا آنکہ اس کی افادیت ظاہر ہوجائے۔ تذکیر کا فائدہ فرو

ظاہر ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ ذاریات کی تفسیر میں گزر چکا:۔ وذکّر فان الذکرٰی تنفع المؤمنین۔ اور یاددہانی کئے جایئے کیونکہ یاددہانی ایمان والوں کو بے شک نفع دیتی ہے" دوسرے اس سے نفع نہ اٹھائیں تو یہ ان کی کم قسمتی ہے۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر نصیحت فائدہ بخش ہو تو نصیحت کیا کیجئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر نصیحت سودمند نہ ہو بلکہ ایسے لوگوں سے یاس ہو کہ ان کو جتنی بھی نصیحت کی جائے وہ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے۔ تو ایسوں کے پیچھے وقت ضائع نہ کیجئے اور خود کو خواہ مخواہ محنت میں نہ ڈالئے۔ جیسا کہ سورۂ نوح کی تفسیر میں گزر چکا:۔ وانّی کلّما دعوتھم لتغفرلھم جعلوا اصابعھم فی آذانھم واستغشوا ثیابھم واصرّوا واستکبروا استکبارا۔ اور (نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار!) میں نے جب کبھی ان لوگوں کو دعوت دی تاکہ آپ کی مغفرت ان کے شامل حال ہو تو ان لوگوں نے کانوں میں اپنی انگلیاں دے لیں اور جسم پر پھر کر کپڑے اوڑھ لئے (تاکہ میری آواز ان تک نہ پہنچے) اور اسی حالت پر اڑے رہے اور بڑا ہی تکبر اختیار کیا" اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ جہاں ایسی صورت حال ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر غیر موثر پایا جائے بلکہ اس کا الٹا اثر ظاہر ہو تو وہاں نصیحت واجب نہیں جب تک کہ صورت حال بدل نہ جائے۔

ایک اور تفسیر ایک قول یہ ہے کہ ان نفعت الذکریٰ کے بعد او لم تنفع محذوف ہے۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر نصیحت نفع دے تو نصیحت کیجئے یا نصیحت نفع نہ دے تب بھی نصیحت کر دیا کیجئے۔" اس سے مخالفین پر اتمام حجت ہو جائے گا۔ اور ماننے والوں کو نصیحت کا فائدہ پہنچے گا۔ ناصح کا کام نصیحت کر دینا ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ کوئی حق پسند ہو گا تو مان لے گا اور اس کو نصیحت نفع دیگی اور کوئی باطل پرست ہو گا تو وہ نہ مانے گا نصیحت اس کے حق میں مفید نہ ہو گی مگر اس پر حجت تمام ہو جائے گی۔ اور بہت ممکن ہے کہ وہ دل میں قائل ہو جائے گا اگرچہ اس وقت ضد اور ہٹ کی وجہ سے اس کا اقرار نہ کرتا ہو۔ قرآن کریم میں ایسا حذف آیا ہے جیسا کہ سورۂ نحل میں ہے:۔ سرابیل تقیکم الحر۔ ارشادِ الٰہی ہو رہا ہے کہ ہم نے تم کو کرتے بنا کر پہننے کا طریقہ بتا دیا ہے جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں" یہاں والبرد محذوف ہے۔ یعنی وہ کرتے سردی سے بچاؤ کا بھی سامان ہیں" کلام فصحا میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کا ذکر کر کے اس کی ضد کو بیان نہیں کرتے مگر متکلم کی مراد ایک شیئ اور اس کی ضد دونوں سے ہوتی ہے۔ ان نفعت الذکریٰ میں بھی او لم تنفع محذوف ہے۔ یعنی نصیحت سود مند ہو یا نہ ہو ہر حال میں نصیحت جاری رکھئے۔

رہا یہ امر کہ نصیحت کس کے حق میں مفید ہوتی ہے اور کس پر کارگر نہیں ہوتی اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہو رہا ہے:۔

7-10 7-11 سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ الَّذِيْ يَصْلَى
7-12 7-13 النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۗ جلد نصیحت مان

لیگا جو ہیبت رکھتا ہے، اور اس سے کنارہ کریگا وہی جو بڑا بدبخت ہے، جو داخل ہوگا سب سے بڑی آگ میں، پھر نہ مریگا اس میں اور نہ زندہ رہیگا۔"

آیات کریمہ کی تفسیر | یعنی جس کے دل میں عظمت الٰہی کا سکہ جما ہوا ہے اور وہ اللہ سبحانہ کی جناب میں پیش ہونے اور اپنے اعمال کی جوابدہی کرنے کا یقین رکھتا ہے چونکہ اس کا دل ہیبت الٰہی سے کانپتا رہتا ہے وہی نصیحت کو جلد مان لیگا اور اس پر عمل پیرا ہوگا۔ رہا وہ جو بڑا ہی بدبخت ہے وہ نصیحت کو ماننے سے دور ہی رہے گا اور نصیحت کی مجالس سے کنارہ کش رہا کریگا تاکہ نہ نصیحت کی بات سننے پائے اور نہ اس پر عمل پیرا ہونے کی نوبت آئے۔ کیونکہ اس کے دل میں اللہ سبحانہ کی عظمت وجلال کو کچھ دخل ہی نہیں اور اس کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور جوابدہی کیلئے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کا یقین ہی نہیں۔ پھر اس کے نصیحت پذیر ہونے کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔ ایسے لوگوں کو سب سے بڑی آگ میں داخل ہونا پڑے گا جس میں داخل ہونے کے بعد

ان کا شمار نہ زندوں میں رہیگا اور نہ مردوں میں۔ بس اسی حالت میں ان کو ابدالآباد پڑے رہنا ہوگا۔ العیاذ باللہ۔

من یخشیٰ اور الاشقیٰ کے مصداق ایک روایت میں ہے کہ من یخشیٰ سے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔ اور الاشقیٰ سے مشہور کافر ولید بن مغیرہ مراد ہے یعنی یہ ان آیات کے مصداق ہیں۔ واللہ اعلم۔ البتہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک انصاری صحابی کا مکان ایک شخص کے گھر کے بازو تھا جس میں کھجور کا ایک درخت تھا جو انصاری کے مکان کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اس کا ثمرہ ہوا سے ٹوٹ کر انصاری کے مکان میں گرا تو انھوں نے بارگاہ رسالت پناہی میں اس واقعہ کو عرض کیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنا درخت انصاری کو دے دو۔ ہم تم کو اس کے بدلے جنت میں ایک درخت خرما دلا دیں گے۔ یہ سنتے ہی اس نے کہا:۔ ابیع عاجلی باٰجل؟ لا افعل کیا میں نقد کو ادھار کے بدلے میں فروخت کردوں؟ میں تو ایسا نہیں کروں گا۔" یہ شخص خود کو مسلمان کہا کرتا تھا۔ اس واقعہ سے پتہ چل گیا کہ یہ منافق تھا۔ اس موقع پر سیدنا عثمانؓ نے اپنا ایک باغ ہی انصاری کو بخش دیا جس میں کئی درخت خرما تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

عہد نبوی کا ایک اور واقعہ ایسا ہی ایک اور واقعہ در پیش ہوا کہ ایک شخص نے

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی کام کر دیا جب کہ آپ مدینے سے باہر تھے حضورِ انور نے اس سے فرمایا کہ تم مدینے میں ہم سے ملنا۔ چنانچہ وہ حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا:۔ ایّما احبّ الیک ثمانون من الضأن او ادعوا اللہ ان یجعلک معی فی الجنّۃ۔ دو باتوں میں سے تجھے کونسی بات پسند ہے؟ اسّی بھیڑ تمھیں دیدیں یا یہ کہ میں تمھارے لئے اللہ سبحانہ سے دعا کروں کہ تم میرے ساتھ جنت میں رہو؟ تو اس شخص نے کہا:۔ بل ثمانون من الضأن۔ نہیں بلکہ اسّی بھیڑی مجھے مطلوب ہیں۔ یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا:۔ اعطوہ ایّاھا۔ اسّی بھیڑیں اس کو دے دو۔ پھر آپ نے فرمایا:۔ انّ صاحبۃ موسی کانت اعقل منک۔ موسیٰ علیہ السلام کی صحابیہ تم سے زیادہ عقلمند تھی۔ وہ واقعہ یوں ہے کہ ایک ضعیفہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے مزار کی نشاندہی کی تھی (۔ جبکہ حضرت موسیٰ حضرت یوسف علیہما السلام کی نعش مبارک کو آپ کی وصیت کی بنا پر مصر سے بیت المقدس منتقل فرمانا چاہتے تھے) مزار شریف دریافت ہونے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا سے فرمایا تھا:۔ ایّما احبّ الیک اسأل اللہ ان تکونی معی فی الجنۃ اومائۃ من الغنم قالت الجنّۃ۔ دو باتوں میں تم کونسی بات زیادہ پسند کرتی ہو؟ میں اللہ سبحانہ سے درخواست کروں کہ تم میرے ساتھ جنت میں رہو۔ یا اس کے صلے میں تم کو سو بکریاں دیدیجائیں؟

تو اس بڑھیا نے کہا تھا کہ میں تو جنت میں جانا چاہتی ہوں "

شان مومن مومن کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ دنیا دوروزہ ہے وہ کسی طرح ختم ہی ہو جائے گی۔ اور دنیا کے ساتھ اس کے سارے ٹھاٹ ختم ہو کر رہیں گے۔ رہی آخرت وہ ابدالآباد ہے۔ کبھی اس کی انتہا ہی نہیں۔ اور مومن کے پیش نظر آخرت ہی رہتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ کبھی دونوں کا مقابلہ ٹھہر جائے تو آخرت ہی لائق ترجیح ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:۔

ہر کہ بیند مر عطا را صد عوض زود در باز د عطا را زیں غرض

آرزوئے گل بود گل خوارہ را گل شکر نگوارد آں بیچارہ را

مگر کفار کو آخرت کا یقین نہیں اس لئے دنیا ہی ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی دنیائے ناپائدار کے پیچھے گزار دیتے ہیں اور اسی حالت میں ان کا وقت آخر آ پہنچتا ہے۔ فردائے قیامت جب وہ اٹھیں گے تو کف افسوس ملتے رہیں گے لیکن ان کا یہ افسوس بعد از وقت ہوگا اور کچھ فائدہ نہ دیگا۔ ان کے آگے سب سے بڑی آگ ہوگی وہ اس میں جا داخل ہوں گے ایسے کہ پھر کبھی اس سے خلاصی نہ ہو سکیگی وہاں ایسی حالت ہوگی کہ نہ ان کا شمار مردوں میں اور نہ زندوں میں۔

لا یموت فیھا ولا یحییٰ کی تفسیر حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ

حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین
نے فرمایا:۔ اما اھل النار الذین ھم اھلھا فانھم لا یموتون فیھا ولا یحیون
ولکن ناس اصابتھم النار بذنوبھم او قال بخطایاھم فاماتھم اللہ تعالیٰ
اماتۃ حتی اذا کانوا فحما اذن فی الشفاعۃ فجیٔ بھم ضبائر ضبائر فبثوا
علی انھار الجنۃ ثم قیل یا اھل الجنۃ افیضوا علیھم من الماء فینبتون
نبات الحبۃ فی حمیل السیل۔ (مسلم شریف) رہے اہل نار جو اسی میں رہنے والے
ہیں وہ نہ تو اس میں مرتے پائیں گے اور نہ زندہ رہیں گے لیکن کچھ لوگ ہوں گے جن کو
ان کے گناہوں یا خطاؤں کی بنا پر آگ چھو جائے گی ان کو اللہ سبحانہ موت کی ایک
صورت دے دیگا۔ تا آنکہ وہ کوئلہ ہو جائیں گے تو ان کی شفاعت کی اجازت صادر
ہوگی۔ پھر ان کو گروہ گروہ کرکے لایا جائے گا اور جنت کی نہروں پر پھیلا دیا جائے گا
پھر جنتی لوگوں سے کہا جائیگا کہ ان کے لئے نہر کا کچھ پانی چھوڑ دیں (جب وہ پانی ان پر
چھوڑا جائے گا تو) پانی کی لوٹ میں دانے اور تخم جو بہتے ہوئے آکر نہر کے کناروں پر
جس طرح اوگتے ہیں ایسے ہی یہ سزا یافتہ گنہگار بھی از سر نو اوگتے جائیں گے " اور پورے
انسان بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔

ادنیٰ جنتی کی شان | حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث میں اس سے زیادہ وضاحت ہے کہ

اِنَّ اَدْنٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ حَظًّا اَوْنَصِیْبًا قَوْمٌ یُخْرِجُھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنَ النَّارِ فَیَرْتَاحُ
لَھُمُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَذٰلِکَ اَنَّھُمْ کَانُوْا لَا یُشْرِکُوْنَ بِاللّٰہِ تَعَالٰی شَیْئًا
فَیُنْبَذُوْنَ بِالْعَرَآءِ فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا یَنْبُتُ الْبَقْلُ حَتّٰی اِذَا دَخَلَتِ الْاَرْوَاحُ
اَجْسَادَھُمْ فَیَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا کَمَا اَخْرَجْتَنَا مِنَ النَّارِ وَاَرْجَعْتَ الْاَرْوَاحَ
اِلٰی اَجْسَادِنَا فَاصْرِفْ وُجُوْھَنَا عَنِ النَّارِ فَیَصْرِفُ وُجُوْھَھُمْ عَنِ النَّارِ (بزار)

جنتی لوگوں میں سب سے کم نصیب وہ لوگ ہوں گے جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ دوزخ سے باہر نکال لائے گا اور ان کی راحت کا سامان فرمائے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا۔ یہ لوگ انہار جنت کے کنارے ڈال دئے جائیں گے۔ پھر (ان کو جیسا جیسا جنتی نہروں کا پانی پہنچتا جائے گا) وہ از سر نو اوگتے جائیں گے جیسی بھاجی ترکاری سبزی اوگتی ہے۔ تا آنکہ جب ان کے جسد میں روح داخل ہوگی تو وہ عرض کریں گے۔ پروردگارا! جیسا کہ آپ نے ہم کو آگ سے باہر نکالا اور ہمارے جسم میں جان کو داخل کیا، ہمارے چہروں کو بھی دوزخ کی طرف سے پھیر دیجئے۔ اس پر ان کے چہرے دوزخ کی طرف سے پھیر دئے جائیں گے۔"

مومن عاصی کی سزا ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ گنہگار مومنین

دوزخ میں ڈالے بھی گئے تو فوراً وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے۔ نارِ دوزخ کا احساس باقی نہ رہے گا۔ اور اسی حالت میں ایک عرصہ تک جو اللہ سبحانہ کو منظور رہے دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ پھر ان کو وہاں سے نکال کر حیات تو بخشی جائے گی۔ یہ بھی اللہ سبحانہ کا اہل ایمان پر بڑا کرم ہے کہ مومن دوزخ میں داخل بھی کیا گیا تو اس کے حق میں دوزخ کی تکلیف محض ایک آنی بات ہوگی یہ حال ادنیٰ جنتی کا ہے۔ ؎

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

عذر تقصیراتِ ما چندانکہ تقصیراتِ ما

7-14
7-15

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۞ بے شک

کامیاب رہا وہ جو پاک ہوا، اور لیا نام اپنے پروردگار کا پھر نماز پڑھی"

نفوسِ زکیہ کی شان آیۂ سابقہ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى میں اللہ سبحانہ کے ذکر سے کنارہ کشی کرنے والوں کی بدحالی اور بُرے انجام کا بیان ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جو لوگ اللہ سبحانہ کی یاد میں لگے رہتے اور اس کی نصیحت کو مانتے ہیں ان کے لئے کیا ہے؟ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جو کوئی پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا نام لیا، پھر اس کی عبادت کی یعنی نماز پڑھی۔ وہ اپنی مراد کو پہنچا اور اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ دنیا میں آنے سے مومن کا مطمح نظر آخرت کی کامیابی اور نجات ہے۔ یہ مقصد اس کو یقیناً حاصل ہو کر رہا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کی دنیا بھی سنور کر رہی۔ بہر حال مومن کو چاہیئے کہ ہمیشہ آخرت کی نجات اور کامیابی کا دلدادہ رہے۔ اور ہر کام آخرت کے لئے کرتا رہے۔ رہی دنیا وہ خود بخود درست ہو جائے گی۔

تزکیہ کے اقسام اس اعتبار سے تَزَكّٰى کی تفسیر یہ ہوئی کہ طہارت جو صحت نماز کی شرط ہے۔ طہارت بدن، اور طہارت جامہ اور طہارت مقام نجاست حقیقی (غلیظہ و خفیفہ) سے۔ اور وضو و غسل یا تیمم نجاست حکمی سے پاک ہونے کے لئے، اور اس سے بیشتر

طہارت باطن شرک و کفر سے، اور طہارت نفس نکمے اور رذیل اخلاق سے، اور طہارت جوارح توبہ کے ذریعہ گناہوں کے خبث اور آلودگی سے، اور طہارت قلب اللہ کے ذکر سے آور ماسوی اللہ کے ذکر سے دل کو فارغ رکھنے سے ہے۔ لہذا مومن کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور جب یہ حال ہو تو اس کی کامیابی میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

عقائد کا تزکیہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ قد افلح من تزکیّٰ قال من شھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وخلع الانداد، وشھد انی رسول اللّٰہ و ذکر اسم ربہ فصلّی قال ھی الصلوٰت الخمس والمحافظۃ علیھا والاھتمام بمواقیتھا۔ (بزار، ابن مردویہ) قد افلح من تزکیّٰ کی تفسیر میں یہ ارشاد فرمایا۔ جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شرک اور شرکا، کو دل سے نکال پھینکا اور یہ بھی گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور ذکر اسم ربّہ فصلّی کی تفسیر میں فرمایا کہ صلّی سے پانچوں نمازیں مراد ہیں اور ان کی پابندی کرنی، اور ان کو اپنے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرنا۔" حضرت ابن عباسؓ سے بھی صلّی کی تفسیر الصلوات الخمس یعنی پنجگانہ نمازیں" مروی ہے۔ یہ شرک اور کفر سے پاکی ہوئی۔ اس بارے میں اور بھی روایات ہیں جو حضرت قتادہؒ عکرمہؒ وغیرہم سے مروی ہیں۔

اعمال کا تزکیہ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں:۔ من اکثر الاستغفار۔

(ابن ابی حاتم) من تزکّی سے وہ شخص مراد ہے جو کثرت سے توبہ واستغفار کرتا رہتا ہو" یہ گناہوں اور معاصی سے پاکی ہوئی۔ اور حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ قد افلح من تزکّی قال بعمل صالح۔ (عبدالرزاق، عبدبن حمید، ابن ابی حاتم) تزکّی سے مراد یہ ہے کہ نیک عمل کرتا رہا" یعنی برے کام سے بچتا رہا اور اچھے کام کرتا رہا۔ یہ بھی فرمایا:۔ یعمل ورعا۔ (ابن جریر) جو تقویٰ اور ورع سے کام لیتا ہو" اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ من کان عملہ زاکیا۔ (ابن جریر) جس کے عمل پاکیزہ، نیک صاف ستھرے ہوں" یہ نفس کی پاکی اور قلب کی پاکی، اور جوارح کی پاکی ہوئی۔

اموال کا تزکیہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول قد افلح من تزکّی وذکر اسم ربہ فصلّی ثم یقسم الفطرۃ قبل ان یغدو الی المصلی یوم الفطر۔ (ابن مردویہ) حضرت سید المرسلین صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی عادت شریفہ تھی کہ عید الفطر کے دن، ان آیات کریمہ کی تلاوت فرماتے پھر عیدگاہ روانہ ہونے سے پہلے صدقۂ فطر ادا فرماتے" حضرت عمرو بن عوفؓ حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء سے روایت کرتے ہیں:۔ انہ کان یأمر بزکاۃ الفطر قبل ان یصلی صلاۃ العید ویتلو ھذہ الآیۃ۔ (بزار، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی) حضور انورؐ عید الفطر کی نماز سے پہلے حکم

فرمایا کرتے تھے کہ زکاۃ فطر ادا کیا کریں اور اس آیہ کریمہ کو تلاوت فرماتے۔" حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے:۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن زکاۃ الفطر قال قد افلح من تزکی فقال ھی زکاۃ الفطر (ر) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زکاۃ فطر کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے قد افلح من تزکی کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ زکاۃ فطر یہی ہے۔" حضرات ابو سعید خدری، ابن عمر، واثلہ بن الاسقع، ابو العالیہ، عطاء بن یسار، رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ مال کی پاکی ہوئی جس سے غذا اور دوسری تمام چیزوں کی پاکی حاصل ہوتی ہے اور اسی سے تزکیہ نفس اور صفاء قلب و روح مربوط ہے۔ اسی بنا پر تمام فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر عید الفطر کے دن عیدگاہ کو جانے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔ تاکہ فقراء و مساکین کو عید کے دن مانگنے پھرنے کی حاجت نہ رہے اور سب اس دن کھا پی کر شکم سیر ہو کر عیدگاہ جا سکیں اور اس طرح سبھوں کی عید ہو۔

زکاۃ و صدقات بھی تزکیہ ہیں

حضرت عطاء فرماتے ہیں:۔ قلت لابن عباس رضی اللہ عنہما ارأیت قولہ قد افلح من تزکی للفطر قال لم اسمع بذلک ولکن للزکاۃ کلھا ثم عاودتہ فیھا فقال لی والصدقات کلھا۔ (ابن ابی حاتم) میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ

آیۂ کریمہ قد افلح من تزکّٰی کیا صدقۂ فطر ہی کے باب میں نازل ہوئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں نے ایسا انحصار کسی سے نہیں سنا بلکہ ہر قسم کے تزکیہ وطہارت کے لئے ہے میں نے پھر آپ سے پوچھا تو اس پر بھی یہی فرمایا (کہ صدقۂ فطر میں منحصر نہیں بلکہ) جملہ صدقات مراد ہیں" یعنی ہر طرح کے تزکیہ کے لئے عام ہے۔ صدقۂ فطر ہی کی تخصیص نہیں۔

احناف سے خطاب چنانچہ حضرت ابوحنیفہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے آیۂ کریمہ وذکر اسم ربہ فصلّٰی سے حسب ذیل دو مسئلے اور استنباط فرمائے۔ ایک یہ کہ تحریمہ کے لئے کلمۂ اللہ اکبر خاص طور پر کہنا شرط نہیں بلکہ اللہ سبحانہ کے ہر نام سے نماز شروع کی جاسکتی ہے جس سے اللہ سبحانہ کی عظمت وجلال ظاہر ہو اور اپنی حاجت یا کسی غرض پر مشتمل نہ ہو۔ کیونکہ وذکر اسم ربہ سے یہی نکلتا ہے کہ اپنے پروردگار کا نام لے" اور اللہ سبحانہ کا نام لے کر نماز شروع کرے۔ مثلاً اللہ اجلّ اللہ اعظم الرحمٰن اکبر لا الٰہ الا اللہ، تبارک اللہ وغیرہ۔ اللہ اکبر کی تخصیص نہیں۔ ہاں اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنا واجب ضرور ہے کیونکہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک بھی ہمیشہ یہی رہا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ تحریمۂ نماز کا داخلی فرض یعنی رکن نہیں بلکہ بیرونی فرض یعنی شرط نماز ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ وذکر اسم ربہ فصلّٰی۔ اور اپنے

پروردگار کا نام لیا' پھر نماز پڑھی'۔ اور فاء تعقیب کے لئے ہے جو حرف عطف ہے نیز معطوف علیہ اور معطوف میں مغائرت ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں بلکہ نماز اس کے بعد شروع ہو رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن کریم کی جامعیت وجاذبیت

غور کیجئے کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت' ایک ایک کلمہ بلکہ ایک ایک حرف اپنے اندر کیسی جامعیت کیسی کشش اور جاذبیت رکھتا ہے؟ سبحانہٗ اعظم شانہٗ۔ چنانچہ من تزکّٰی میں تزکیۂ قلب ونفس اور تصحیح عقیدہ کی طرف اشارہ ہے اور ذکر اسم ربہٖ میں ذکر لسانی وقلبی کی طرف ایما ہے کیونکہ ذکر قلبی کے بغیر ذکر لسانی کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔ اور فصلّٰی میں اعضائے ظاہری وجوارح کے اعمال کی طرف رہبری ہے۔ بہرحال جب استحضار قلبی اور اقرار لسانی اور اعمال جوارح سبھی حکم الٰہی کے مطابق جاری رہیں تو تصدیق بالجنان واقرار باللسان وعمل بالارکان یہ تینوں چیزیں حاصل ہونگی فوز وفلاح آخرت میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟

16 17 بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

بلکہ تم مقدم رکھتے ہو دنیا کے جینے کو' اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا'۔

امت مرحومہ سے خطاب

حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں:۔ یعنی ھذہ الامۃ

و انکم ستؤثرون الحیاۃ الدنیا (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یہی امت مرحومہ مسلمہ مراد ہے کہ تم اے مسلمانو! بہت جلد دنیوی زندگی کو اختیار کروگے اور اس کو آخرت پر ترجیح دوگے۔ حالانکہ دنیا ذلیل اور فانی ہے اور آخرت شاندار اور پائدار ہے"۔ یہ بھی قرآن کریم کی پیشین گوئی اور معجزہ ہے کہ جو صورت آئندہ رونما ہونے والی ہے اس کی خبر پیشتر ہی دے دی گئی۔ اور یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صادق آئی۔ چنانچہ حضرت عرفجہ ثقفی فرماتے ہیں:۔ استقرأت ابن مسعود سبح اسم ربک الاعلی فلما بلغ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا ترک القراءۃ واقبل علی اصحابہ فقال آثرنا الدنیا علی الآخرۃ فسکت القوم فقال آثرنا الدنیا لانا رأینا زینتھا ونساءھا وطعامھا و شرابھا وزویت عنا الآخرۃ فاخترنا ھذا العاجل وترکنا الآجل (ابن جریر، ابن المنذر، طبرانی، بیہقی) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے میں نے سبح اسم ربک الاعلیٰ کے پڑھنے کی استدعا کی۔ (آپ نے اس کو پڑھنا شروع کیا) جب آپ آیۂ کریمہ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا پر پہنچے تو قرارت چھوڑکر اپنے شاگردوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ یہ سنتے ہی لوگوں پر سناٹا چھا گیا۔ پھر فرمایا ہم نے دنیا کو اختیار کیا کیوں کہ ہم نے

اس کی زینت اور خوب صورتی اس کی عورتوں اور کھانے پینے پر نظر رکھی۔ اور ہم سے آخرت سمٹ کر رہ گئی۔ بہرحال ہم نے جلد ملنے والی چیز کو اختیار کیا اور دیر سے ہاتھ آنے والی چیز کو چھوڑ دیا۔" حضرت قتادہ فرماتے ہیں :۔ اختار الناس العاجلة الامن عصم الله والآخرة خير في الخير وابقى في البقاء۔ (عبد بن حمید ابن جریر ابن ابی حاتم) لوگوں نے جلد ہاتھ آنے والی چیز کو اختیار کر لیا مگر جس کو اللہ نے اس سے بچائے رکھا۔ درحالیکہ آخرت خیر ور خیر ہے اور باقی رہنے والی چیزوں میں سب سے زیادہ پائدار ہے۔"

دنیا و آخرت باہم اضداد ہیں

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ من احب دنیاه اضر بآخرته ومن احب آخرته اضر بدنیاه فآثروا ما یبقی علی ما یفنی (امام احمدؒ) جس نے اپنی دنیا کو محبوب جانا تو اپنی آخرت کو ضرر پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو محبوب رکھا وہ اپنی دنیا کو متضرر کیا۔ لہذا جو پائدار ہے اس کو اختیار کرو مقابلے میں اس چیز کے جو فانی ہے۔" یہاں صاف صاف بتا دیا جا رہا ہے کہ ایک دل میں دو محبتیں سما نہیں سکتیں۔ اگر دار آخرت سے محبت ہے تو دنیا کی محبت سے دل کو خالی کر لینا ہوگا۔ اور اگر دنیا کی محبت ہی کو دل میں جاگزیں کیا جاتا ہے تو

آخرت منتفر ہوگی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا سے بھی محبت قائم رہے اور آخرت سے بھی تو دل میں اس کی گنجایش نہیں ہے۔ اسی لیۓ عارف رومیؒ نے فرمایا ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

دنیادار کی مذمت حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له ولها یجمع من لا عقل له۔ دنیا ٹھکانا اس کا ہے جس کا کوئی ٹھکانا نہیں، اور سرمایہ اس کا ہے جس کا کوئی سرمایہ نہیں۔ اور دنیا کے لیۓ جتن کر کر کے وہ رکھتا ہے جس کو کچھ بھی عقل نہیں۔" آخرت کا یقین مومن کا بنیادی عقیدہ ہے۔ جس کو آخرت پر یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا یقین نہ ہو وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔ جب دار آخرت مومن کا دائمی ٹھکانا ٹھہرا تو دار دنیا کی حیثیت مسافر خانہ اور سرائے کی ہوئی جہاں مسافرین رات گزارنے اور کچھ آرام لینے کے بعد وہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے اصلی ٹھکانے پر پہنچنے کا عزم مصمم رکھتے ہیں لہٰذا وہ کون مسافر ہوگا جو اپنے مستقر کو چھوڑ کر مسافر خانے کو اپنا وطن بنالے گا۔ یا اپنے گھر میں اپنی کمائی محفوظ نہ کر کے مسافر خانہ میں ساری کمائی محفوظ کرتا جائے گا۔ با ایں ہمہ اگر کوئی مسافر خانے کی زیبایش و آرایش میں ہمہ تن

مشغول رہے اور ایک ایک چیز لاالاکرما فرخانے کی آرائش کے لئے جتن کرتا رہے تو ایسے شخص کو پرلے درجہ کا بے وقوف نہ کہیں تو اور کیا کہا جائے گا؟۔

دنیا عند اللہ سخت ناپسند ہے حضرت موسیٰ بن یسار فرماتے ہیں:۔ انّه بلغه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال ان اللہ جل ثناؤہ لم یخلق خلقا ابغض الیه من الدنیا وانّه منذ خلقها لم ینظر الیھا۔ (ابن ابی الدنیا بیہقی) ان کو یہ حدیث شریف پہنچی ہے کہ حضور نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل ثناؤہ نے دنیا سے زیادہ ناپسند کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ نیز یہ کہ جب سے اس کو پیدا کیا ہے کبھی بھی اس کو نظر رحمت سے نہیں دیکھا۔" اس کی تائید ترمذی کی اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

لو کانت الدنیا تساوی عند اللہ جناح بعوضة لما سقی الکافر منھا شربة ماء۔ اگر دنیا کی وقعت اللہ سبحانہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس کے پانی کی ایک گھونٹ بھی نہ ملتی۔"

دنیا کی محبت گناہوں کا سرچشمہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضور رسول انس وجان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ حب الدنیا رأس کل خطیئة۔ (بیہقی) دنیا کی محبت ہی ہر گناہ کی جڑ ہے۔" مومن کے لئے

آخرت میں بے شمار نعمتیں، اعزاز واکرام اور ہر طرح کا عیش وآرام ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص دنیا میں کسی خطا کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی کچھ نہ کچھ محبت ہے جبھی تو دائمی عیش پر نظر نہ کر کے عیش فانی کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی مذمت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ تمنع العباد من سخط اللہ مالم یؤثروا صفقۃ دنیاھم علی دینھم فاذا آثروا صفقۃ دنیاھم ثم قالوا لا الٰہ الا اللہ ردت علیھا وقال اللہ کذبتم۔ (بیہقی)

کلمۂ لا الٰہ الا اللہ بندوں کو اللہ سبحانہ کی ناراضی سے روکتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنی دنیا کو اپنے دین پر ترجیح نہ دیں بندے جب اپنی دنیا کو ترجیح دینا شروع کریں پھر لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ اپنی زبان سے نکالیں تو یہ کلمہ ان کے منہ پر مار دیا جاتا ہے اور ارشاد باری ہوتا ہے کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔" کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کائنات میں کوئی بھی مستحق عبادت نہیں۔" ایسا کہنا اس وقت تک ہی معتبر ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی چیز کو خدائی منصب نہ دیا جائے۔ اور جہاں صورت حال اس کے خلاف ہو یعنی زبان سے تو لا الٰہ الا اللہ کہیں اور

عملاً اپنی حاجات کا مستقل مرجع اور چیزوں کو بھی سمجھتے رہیں تو ایسا عمل، اقرار توحید کے خلاف ہوگا اور عند اللہ ایسا اقرار لسانی معتبر نہ ہوگا اسی وجہ سے ایسے زبانی جمع خرچ کو رد کر دیا جائے گا اور سنا دیا جائیگا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔

18 19 اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ؑ ع ۱۲

"بے شک یہ لکھا ہوا ہے اگلے صحیفوں میں صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے"

ہدایات جو کبھی منسوخ نہیں ہوئے

یعنی یہ بیان جو اوپر گزرا اگلے صحیفوں میں بھی لکھا ہوا ہے، ابراہیم و موسیٰ علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام کے صحیفوں میں بھی درج تھا۔ مطلب یہ کہ دنیا کی بے ثباتی اور تزکیہ نفس کی جانب مسلسل توجہ دلائی جاتی رہی ہے اور اس سے بنی آدم کو آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اگلی کتابوں بلکہ صحیفوں میں تک اس پر زور دیا جاتا رہا ہے اور انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین یکے بعد دیگرے اپنے اپنے عہد میں اپنی امتوں کو متنبہ فرماتے رہے ہیں تا آنکہ آخری کتاب (قرآن کریم) اور نبی آخر الزماں علیہ صلوات اللہ وسلام الرحمان کے ذریعہ سے بھی آگاہ کر دیا گیا تاکہ اس کی اہمیت ہمیشہ لوگوں کے پیش نظر رہے اور معلوم ہو کہ یہ ہدایات و احکام کبھی منسوخ نہیں ہوئے۔ ابتدا سے یہ ہدایات جاری ہیں اور تا قیامت جاری رہیں گے۔

انّ ھٰذا کی تفسیر اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی میں ھٰذا اسم اشارہ کا مشار الیہ کیا ہے اس بارے میں مفسرین کرام کے دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ پورے سورۂ "سبح اسم" کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا یہ کہ "قد افلح من تزکی" اور اس کی ما بعد آیات کی طرف اشارہ فرمایا جارہا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اسی قول ثانی کو ترجیح دی ہے۔ اور یہی قول مرجح پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ اختلاف بعض روایات پر مبنی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں۔ چنانچہ روایات ذیل سے قول اول کی تائید ہوتی ہے:-

پہلی تفسیر حبر الامۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی کلھا فی صحف ابراھیم وموسیٰ۔ (بزار، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) جب آیہ کریمہ ان ھذا نازل ہوئی تو حضور سید المرسلین صلوات اللہ سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا کہ یہ کل کا کل حضرت ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی ہے۔" نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں اس سے زیادہ تصریح موجود ہے آپ نے فرمایا:۔ نسخت ھذہ السورۃ من صحف ابراھیم و موسیٰ (سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) یہ سورت شریفہ حضرت

ابراہیم وموسیٰ علیہما الصلاۃ والسلام سے نقل کی گئی ہے۔" اسی طرح ائمہ تفسیر کی اور بھی روایات ہیں۔

دوسری تفسیر قول ثانی کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں :۔ تتابعت کتب اللہ کما تسمعون ان الآخرۃ خیر وابقیٰ۔ (عبدالرزاق، ابن جریر، ابن المنذر) اللہ سبحانہ کی کتابیں جو یکے بعد دیگرے نازل ہوتی رہی ہیں ان سب میں یہ مضمون ہے جیسا کہ تم (قرآن کریم میں) سن رہے ہو کہ (دنیا کے مقابلے میں) آخرت ہی ہر طرح بہتر ہے اور آخرت ہی (دنیا کے مقابلے میں) باقی رہنے والی پائدار ہے۔" اس سے پایا گیا کہ ھٰذا کا اشارہ پوری سورت شریفہ کی طرف نہیں بلکہ ان آخری آیات کریمہ کی طرف ہے۔ نیز حضرت قتادہ سے یہ بھی مروی ہے :۔ انّ ھٰذا لفی الصحف الاولیٰ الآیۃ قال فی الصحف الاولیٰ ان الآخرۃ خیر من الدنیا۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) انّ ھٰذا سے مراد یہ ہے کہ صحف اولیٰ میں یوں لکھا ہے کہ آخرت ہی دنیا سے کہیں بہتر ہے۔" حضرت حسن بصری اور حضرت ابن زید سے بھی یہی مروی ہے۔

آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا بیان حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔ قلت یارسول اللہ کم انزل اللہ من کتاب

قال مائة كتاب واربعة كتب انزل على شيث خمسين صحيفة وعلى ادريس ثلاثين صحيفة وعلى ابراهيم عشر صحائف وعلى موسى قبل التوراة عشر صحائف وانزل التوراة والانجيل والزبور والفرقان۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کل کتنی کتابیں اتاری ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ایک سو چار کتابیں اتاریں۔ حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے، اور حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نزول توراۃ سے پہلے دس صحیفے۔ (یہ ایک سو کتابیں ہوئیں پھر) توریت انجیل، زبور، اور فرقان حمید، یہ چار (جملہ ایک سو چار کتابیں) اللہ سبحانہ نے نازل فرمائی ہیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ حدیث شریف میں آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تعداد (۱۰۴) جو یہاں بتلائی گئی ہے وہ اس موقع کی مناسبت سے ہے۔ ورنہ دیگر روایات میں گنتی اور بھی بتائی گئی ہے۔ لہٰذا کسی عدد خاص پر ایمان ضروری نہیں۔ جملہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان رکھنا چاہیے۔

صحف ابراہیم کے نمونے قلت یارسول اللہ فما كانت صحف ابراهيم قال امثال كلها ايها الملك المتسلط المبتلى المغرور لم ابعثك لتجمع الدنيا

بعضھا علی بعض ولکن بعثتك لترد عنی دعوۃ المظلوم فانی لا اردھا
ولو کانت من کافر۔ وعلی العاقل سالم یکن مغلوبا علی عقلہ ان یکون لہ ثلاث
ساعات ساعۃ یناجی فیھا ربہ وساعۃ یحاسب فیھا نفسہ ویتفکر فیما
صنع وساعۃ یخلو فیھا لحاجۃ من الحلال فان فی ھذہ الساعۃ عونا
لتلك الساعات واستجماعا للقلوب وتفریغا لھا۔ وعلی العاقل ان یکون
بصیرا بزمانہ مقبلا علی شانہ حافظا للسانہ فان من حسب کلامہ
من عملہ اقل الکلام الا فیما یعنیہ۔ وعلی العاقل ان یکون طالبا لثلاث
مرمۃ لمعاش او تزود لمعاد او تلذذ فی غیر محرم۔ (حضرت ابوذرؓ کا
بیان ہے) میں نے عرض کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟
ارشاد ہوا کہ نصیحتیں اور مثالیں تھیں۔ مثلاً ایک نصیحت یہ تھی کہ اے بادشاہ! جو اپنے
زور سے لوگوں پر مسلط تو ہوا لیکن خود ہی بڑے امتحان میں مبتلا ہوا اور دنیا کے غرور
اور فریب میں آگیا۔ میں نے تجھے اس لئے نہیں بھیجا کہ دنیا کو جمع کرتا جائے اور اس کا
ایک ایک حصہ جوڑ جوڑ کر رکھتا جائے۔ لیکن تجھے ہم نے اس لئے بھیجا تھا کہ کسی مظلوم کی
بددعا کو ہمارے پاس آنے نہ دے کیونکہ مظلوم کی بددعا، اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو ہم
اس کو رد نہیں کیا کرتے۔ ایک نصیحت یہ تھی کہ عقلمند پر لازم ہے بشرطیکہ اسکی عقل پر دیوانگی کا

غلبہ نہ ہو کہ اس کے لیل و نہار کو تین حصوں پر تقسیم کرے۔ ایک حصہ وہ ہو جس میں وہ اپنے پروردگار سے لو لگائے رکھے۔ دعائیں کرتا رہے اور مناجات میں مشغول ہو۔ اور ایک حصہ ایسا ہو جس میں وہ اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرے اور ماضی میں اس نے جو کچھ کیا ہے اس پر غور و فکر کرتا جائے کہ کسی کرنے کے کام کو چھوڑ تو نہیں دیا اور کسی ناکردنی کام کا ارتکاب تو نہیں کیا؟ (اگر ایسا ہوا ہے تو توبہ و استغفار سے اس کی تلافی کرے اور دوبارہ ایسا نہ کرے) اور ایک حصہ وہ ہو جس میں اپنی حاجات و ضروریات کی حلال طریقے سے تکمیل کرتا رہے۔ کیونکہ یہ آخری حصہ اور ساعت ایسی ہے کہ اس سے اوپر بیان کی ہوئی دو ساعتوں میں مدد ملتی اور اس سے جمعیت خاطر اور فارغ البالی نصیب ہوتی ہے۔ (ایک نصیحت یہ تھی کہ) عقل و ہوش رکھنے والے لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات پر بصیرت رکھے اور خوب غور و تامل سے ان کا مطالعہ کیا کرے۔ اس کے حوادث کا استقبال کرتا جائے۔ اپنی زبان پر قابو رکھے۔ کیونکہ جو اپنے قول اور عمل کا موازنہ کرتا ہے اس کی باتیں کم اور عمل زیادہ ہوا کرتا ہے۔ مگر ایک کلام اس سے مستثنےٰ ہے وہ یہ کہ کلام لایعنی نہ ہو بلکہ مفید و کارآمد ہو (جیسے معلم یا ناصح کہ ان کا فریضہ ہی کلام ہے)۔ (اور ایک نصیحت یہ تھی کہ) دانشمند پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ تین چیزوں کا طلبگار رہو۔ اپنے معاش یعنی دنیوی

زندگی کی اصلاح اور معاد یعنی اخروی زندگی کے لئے زادِ راہ کی تیاری اور لذت آشنا ہونا چاہتا ہی ہے تو حلال کے ذریعہ ہو۔ حرام کا اس میں شائبہ تک نہ ہو"

صحف موسیٰ کا نمونہ قلت یا رسول اللہ فما کانت صحف موسیٰ قال کانت عبرا کلہا عجبت لمن ایقن بالموت کیف یفرح ولمن ایقن بالموت ثم یضحک ولمن یری الدنیا وتقلبہا باہلہا ثم یطمئن الیہا ولمن ایقن بالقدر ثم ینصب ولمن ایقن بالحساب ثم لا یعمل۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ ارشاد فرمایا کہ ان میں سب عبرتیں تھیں۔ مثلاً یہ کہ ہمیں تعجب آتا ہے اس شخص سے جو موت یقین رکھتا ہے پھر وہ فرحت و مسرت میں گزارتا ہے۔ موت کا یقین رکھتا ہے پھر وہ ہنستا پھرتا ہے۔ نیز اس پر تعجب آتا ہے جو دنیا کو دیکھتا ہے کہ وہ اہل دنیا کا ساتھ نہیں دیتی ان پر ایک انقلاب لاتی رہتی ہے پھر اسی دنیا سے سکون واطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے نیز اس پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے پھر دنیا بھر کی مشقتوں میں لگا رہتا ہے۔ اور اس پر بھی بڑا تعجب ہے جو یوم الحساب کا یقین رکھتا ہے پھر اس دن کام آنے والا کوئی کام نہیں کرتا"

صحف ابراہیم و موسیٰ کے نمونے قرآن کریم میں قلت یا رسول اللہ ھل انزل علیک شیئ مما کان فی صحف ابراھیم وموسیٰ قال یا اباذر نعم

قد افلح من تزکّیٰ و ذکر اسم ربہ فصلّیٰ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر و ابقیٰ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ (عبد بن حمید، ابن مردویہ، ابن عساکر) میں نے آخر پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضرت ابراہیم موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں سے کیا آپ پر بھی کچھ حصہ نازل ہوا ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! ہاں یہ آیات نازل ہوئی ہیں:۔ قد افلح من تزکّیٰ سے آخر سورت تک۔" یعنی وہی اپنی مراد کو پہنچا جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا نام لیا پھر نماز پڑھی لیکن تمہارا یہ حال ہے کہ دنیا کی دو روزہ فانی زندگی کو ترجیح دیتے ہو درحالیکہ آخرت کی زندگی ہر طرح اچھی اور برقرار رہنے والی ہے۔ یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی تھا یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔"

خلاصۂ بحث اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان ھذا میں ھذا کا اشارہ آخری آیات کریمہ قد افلح کی طرف ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کریم جملہ کتب و صحف آسمانی کا جامع خلاصہ اور مزید مضامین، احکام اور ہدایات پر مشتمل ہے۔ بعض مفسرین کرام نے اس حدیث شریف کو ضعیف اور بعض نے اس کی صحت کی نسبت لا ادری ظاہر کیا ہے لیکن امام المفسرین ابن جریر طبری اور علامہ ابن کثیر وغیرہما نے ھذا کا اشارہ ان آخری آیات کریمہ کی طرف ہونے کو مرجح تبلایا ہے۔ کیونکہ اس کی تائید قرآن کریم کی آیات ذیل سے ہوتی ہے:۔ ام لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ و ابراھیم الّذی وفّیٰ

الاتزر وازرۃ وزر اخریٰ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ ثم یجزیٰہ الجزآء الاوفیٰ وان الیٰ ربک المنتھیٰ۔ کیا اس انسان کو خبر نہیں دی گئی ان ہدایات کی جو موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں لکھی ہیں یہ وہ ابراہیم جنھوں نے اللہ سبحانہ کے کلمات کی پوری پوری طرح تکمیل کی۔ وہ لکھا یہ ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کو کچھ نہیں ملیگا بجز اس کے کہ خود اس نے سعی کی ہو اور اس کی سعی کا نتیجہ عنقریب دکھائی دیگا پھر اس کی پوری پوری جزا اسکو ملیگی۔ اور یہ کہ آپ کے پروردگار کے طرف ہی ہر چیز کی انتہا ہے" ان دونوں جگہ کی آیات کریمہ کو ملاکر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی متکلم کا کلام ہے جو حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں میں وہ کلام بھی تھا اور یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

سورۂ سبح اسم کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ والمنۃ، والصلاۃ والسلام علی رسولہ سید الامۃ، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ روز سہ شنبہ

88 Ghaashiah Makky Verses 26 (۸۸)

سورۂ غاشیہ

مکۂ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۲۶) آیتیں ہیں

سورۂ غاشیہ کی فضیلت اور ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا ربط، سورۂ ماقبل سے اس طرح ہے کہ اگلی سورت میں مومن و کافر اور جنت دوزخ کا بیان اجمالی طور پر فرمایا گیا تھا۔ یہاں ان چیزوں کا تفصیلی بیان فرمایا جاتا ہے۔ اور اس سورت شریفہ کی فضیلت، ان احادیث شریفہ سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ اور عیدین وغیرہ میں سبح اسم ربك کے ساتھ اس سورت شریفہ کو پڑھا کرتے تھے۔ نیز حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ بحر کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الجمعة مع سورة الجمعة قال هل اتاك حديث الغاشية ۔ (امام مالکؒ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ) حضور نبی انس وجاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ میں، سورۂ جمعہ کے ساتھ دوسری سورت کونسی پڑھا کرتے تھے؟ تو فرمایا کہ هل اتاك حديث الغاشيه کی سورت، دوسری رکعت میں تلاوت فرماتے تھے۔"

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے "

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ؕ کچھ پہنچی آپ کو بات اس چھاجانے والی کی؟ "

حدیث الغاشیہ قابل سماعت ہے

یعنی ایسی عجیب تر ساعت جو ساری کائنات پر ہر طرف سے چھاجانے اور اس کو اپنے اندر ڈھانک لینے والی ہے کہ کوئی چیز اس کے احاطہ اور گھیرے سے نکل نہ سکے۔ اس کا کچھ احوال کیا آپ تک پہنچا ہے کہ وہ ڈھانک لینے والی، چھاجانے والی، گھیر لینے والی، ساعت کیسی ہے یقیناً ایسی عجیب تربات، اور ایسی تعجب خیز خبر سننے کے قابل ہے۔ اس کا سنانا بھی ضروری اور اس کا غور سے سننا بھی لابدی امر ہے۔ لیجئے اس کی تاثیر کیا ہوگی اس کے کچھ احوال ہم سنائے دیتے ہیں آپ اس کو گوش ہوش سے سماعت فرمائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ــ الساعة ۔ (ابن جریر) وہ چھاجانے والی معلوم ساعت ہے" ایک گھڑی جو پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی۔ چھاجانے والی اور گھیر لینے والی اس اعتبار سے کہ ساعت دراصل زمانے کا جزو ہے اور زمانہ ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ سب پر چھایا ہوا ہے۔ اور دوسرے موقع پر فرمایا: ــ الغاشیة القیامة۔

(ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) وہ چھا جانے والی ساعت قیامت ہے جب وہ آجائیگی تو سب پر اثر انداز ہوگی کوئی اس کے دائرۂ اثر سے خارج نہ ہوسکے گا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی تاثیر ہر چیز کی مناسبت اور موزونیت کے لحاظ سے جداگانہ ہو۔ یہ صفت بھی بجائے خود تعجب خیز ہے کہ ایک چیز کے مختلف آثار ہیں۔

88-2 وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ تَصْلٰى نَارًا
88-3 حَامِيَةً ۙ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۗ کتنے چہرے اس دن ہوں گے ذلیل
88-4 ہونے والے، محنت کرنے والے، رنج کھینچنے والے، گریں گے آگ میں دہکتی ہوئی، پلایا
88-5 جائے گا پانی ایک کھولتے ہوئے چشمے کا۔

قیامت میں کافروں کی خواری

یعنی قیامت کے دن کافروں کا یہ غرور و تمکنت ہر طرف اور ہر سمت سے ان پر ذلت و خواری چھائی ہوئی ہوگی، سخت محنت میں ہوں گے کہ اس سے زیادہ محنت متصور نہیں، بڑی انتہائی مشقتیں جھیلتے رہیں گے کہ اس سے زیادہ کوئی مشقت خیال میں نہیں آسکتی۔ کسی کو دوزخ کے اونچے پہاڑوں پر چڑھنے اور اترتے رہنے کی سزا ملے گی۔ کوئی کھولتے پانی میں غوطے کھاتے رہیں گے اور کوئی طوق و زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ دنیا میں بھی بعض کفار بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں، تپس بھرتے، حبس دم کرتے، الٹے لٹکے ہوتے اور خدا جانے

کیا کیا مشتق از خود مول لیتے ہیں مگر یہ سب کچھ چونکہ کسی حکم الٰہی پر مبنی نہیں اس لئے آخرت میں اس کا کچھ بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اور کفر و عناد کی پاداش میں ان کو دہکتی آگ میں جا پڑنا ہوگا۔ جو کہ دوزخ کے پیدا ہونے کے وقت سے روز قیامت تک مسلسل دہکتی جا رہی ہے اس میں جل جل کر اور تپ تپ کر وہ مارے پیاس کے بے قرار ہو کر حب العطش کا نعرہ بلند کریں گے تو ان کو ایک ایسے کھولتے ہوئے چشمے کا پانی دیا جائے گا کہ وہ چشمہ جب سے پیدا ہوا ہے کھولتا ہی جا رہا ہے۔ احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ وہ پانی جب ان کے منہ کے سامنے لایا جائے گا تو چہرے کی جلد جل کر اور گل کر اس پانی میں گر پڑے گی اور جب وہ اس سے منہ لگائیں گے تو ہونٹ کباب ہو جائیں گے اور وہ پیٹ میں جائیگا تو آنتیں کٹ کٹ کر گریں گی۔ العیاذ باللہ۔ یہ تو ان کے پینے کا سامان ہوا۔ اب ان کے کھانے کا بھی کچھ احوال سماعت کیجئے۔

88-6
88-7 لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ؕ

نہ ہوگا ان کا کھانا مگر کانٹوں کا درخت نہ موٹا کرے اور نہ دفع کرے بھوک کچھ بھی"

عہ ضرع البھم تناول ضرع امہ وقیل منہ ضرع الرجل ضراعۃً ضعف وذل.....

قال تضرعا وخفیۃ۔ واما قولہ لیس لھم طعام الا من ضریع فقیل ھو یبیس الشرق

دوزخیوں کی غذا ان دوزخیوں کی غذا اور کھانے کا حال کیا پوچھتے ہو وہ آگ میں جل جل کر بھوک سے بے تاب ہوکر کھانا دینے کے لئے چلاتے جائیں گے تو ان کو ضریع یعنی ایک خاردار درخت کی نشانہ ہی کی جائے گی۔ اس کے کھانے سے نہ تازگی اور توانائی آسکتی ہے اور نہ اس سے بھوک ہی دفع ہوتی ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یلقی علی اھل النار الجوع حتی یعدل ماھم فیہ من العذاب فیستغیثون بالطعام فیغاثون بطعام من ضریع لا یسمن ولا یغنی من جوع۔ (ابن مردویہ) اہل دوزخ پر بھوک مسلط ہوگی اتنی کہ جس عذاب میں وہ گرفتار ہیں اس کے برابر بلکہ بڑھکر۔ اب وہ کھانے کے لئے واویلا کریں گے۔ تو ان کو کھانے کے لئے ضریع دیا جائے گا جو نہ موٹا کرسکے اور نہ اس سے بھوک ہی رفع ہوسکے۔" اور ضریع کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ شیئ یکون فی النار شبہ الشرك امر من الصبر و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وقیل نبات احمر منتن الریح یرمی بہ البحر وکیفما کان فاشارۃ الی شیئ منکر۔ (مفردات) بکری کا بچہ اپنی ماں کے پستان منہ میں لیتا ہے تو کہتے ہیں ضرع البھم۔ ایک قول یہ ہے کہ اسی سے ضرع الرجل ضراعۃ کا محاورہ ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں کہ کمزور اور ذلیل ہوا۔ ارشاد باری تضرعاً وخفیہ کے یہی معنی ہیں۔"

انتن من الجیفۃ واشد حرا من النار سماہ اللہ الضریع اذا طعمہ صاحبہ
لا یدخل البطن ولا یرفع الی الفم فیبقی بین ذلک ولا یغنی من جوع۔ (ابن
مردویہ بسند واہ) دوزخ میں ایک چیز ہے کانٹوں کے مشابہ ایلوے سے تلخ تر اور مردار سڑی
ہوئی چیز سے زیادہ بدبودار اور آگ سے بھی زیادہ جلانے والی اللہ سبحانہ نے اس کا نام
ضریع بتلایا ہے جب دوزخی اس کو کھائے گا تو یہ چیز پیٹ میں داخل نہ ہو سکے گی۔ اور
نہ حلق سے باہر آسکے گی بلکہ بیچ میں پھنسی رہیگی۔ اور نہ اس سے بھوک ہی کچھ دفع ہو سکیگی۔"
کھانے کا مقصد بھوک کو دفع کرنا اور کھوئی ہوئی قوت کو بحال کرنا اور جسم کو تازہ توانا
بنانا ہوتا ہے۔ لیکن کفار کے لئے یہ سب لاحاصل رہیگا۔ یہ کفار کا حال ہوگا۔ اور اہل
ایمان کی شان کیا ہوگی اس کو بھی سن لیجئے۔

88-8 88-9 وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ فِيْ جَنَّةٍ
8-10 8-11 عَالِيَةٍ ۝ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝ کتنے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنی
کمائی سے خوش خوش، اونچے عالی شان باغ میں، نہیں سنتے اس میں بکواس "

مومنین کی رفعت شان یہ اہل ایمان کی شان ہے کہ ان کے چہرے نور ایمان
وعرفان سے تروتازہ درخشاں ہوں گے۔ دنیا میں روز و شب جو اعمال صالحہ
کئے جارہے تھے اور ان کی جو جزا آخرت میں ان کو مل رہی ہوگی اس کو سن کر اور

دیکھ کر باغ باغ ہیں۔ عالی شان اونچے اونچے باغات جو ان کے لئے مہیا ہیں ان کی صفت یہ ہے کہ نہایت پُرسکون پرلطف زندگی بسر ہوتی رہیگی۔ اہل دنیا کی عادت ہے کہ سیرو تفریح کے لئے کبھی وہ باغ میں جاتے ہیں تو بسا اوقات آپس میں لڑائی جھگڑا، گالی گلوج، تو تو میں میں کر لیتے ہیں جس سے سارا عیش منغض ہو جاتا ہے دوبارہ ایسی جگہ جانے کو کوئی شائستہ آدمی پسند نہیں کرتا۔ لیکن آخرت کے باغ جنت کی شان کچھ اور ہی ہوگی یہاں گالی گفتار تو رہی ایک طرف، بیہودہ بکواس کا نام و نشان تک نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ لا تسمع اذی و لا باطلا۔ (ابن جریر) وہاں کوئی بات دل دکھانے والی یا غلط اور جھوٹ نہ ہوگی۔" حضرت مجاہدؒ، اعمش، اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

اہل جنت کی سامعہ نوازی

یہ منفی صورت تھی۔ مثبت پہلو کا بیان سورۂ واقعہ میں ہو چکا ہے :۔ لا یسمعون فیھا لغوا و لا تأثیما الا قیلا سلاما سلاما۔ وہاں کوئی لغویات، یا گناہ کی گفتگو نہ ہوگی۔ ہاں ہر طرف سے سلام و پیام اور مبارک باد کا تبادلہ ہوتا رہے گا۔ اور حوران بہشتی کے دلاویز مناسب حال نغمے ہوں گے، سورۂ واقعہ میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) یہ تو سامعہ نوازی اور خیر مقدم ہوا۔ آگے دوسری نعمتوں کا بھی کچھ احوال

سماعت فرمائیے کہ وہاں کیا کیا سامان اہل بہشت کے لئے مہیا ہے؟

8-12
8-13
فِیۡهَا عَیۡنٌ جَارِیَةٌ ۘ فِیۡهَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَةٌ ۙ وَّ اَكۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ ۙ

8-14
8-15
وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ ۙ وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ؕ اس میں چشمے ہیں بہتے ہوئے

8-16
اس میں تخت ہیں اونچے (شان دار) اور پیالے رکھے ہوئے ہیں اور تکیے ہیں قطار سے

لگے ہوئے اور بچھونے ہیں جا بجا بچھے ہوئے۔

جنت کے چشمے یہ جنّت عالیۃ کا وصف ہے کہ ان عالیشان باغات میں بہتی ہوئی نہریں ہیں جن کی روانی میں کبھی فرق نہیں آتا اور اسی کی بدولت وہاں کے باغات ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتے ہیں۔ بہار ہی بہار ہے۔ خزاں کا نام نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ انھار الجنّة تفجر من جبل مسك۔ (ابن حبان، حاکم، بیہقی، طبرانی) جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں سے پھوٹتی ہیں۔ پھر سورہ محمدؐ میں گزر چکا کہ نہریں پانی کی، دودھ کی، شہد کی، اور شراب کی ہوں گی پھر غور کرو کہ ان نہروں سے جو درخت اگائے گئے ہوں ان کی شاخیں، تنے، پتے، پھل پھول کیسے ہوں گے اور وہاں کی ہوا کیسی خوشگوار اور پُرلطف ہوگی؟ اور وہ منظر کیا عجیب و غریب ہوگا؟

اہل جنت کے تخت فِیۡهَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَةٌ۔ جہاں مذکورالصدر نہریں

بہتی ہوں گی ان کے نظارے کے لئے جا بجا اونچے عالی شان تخت قرینے سے بچھے ہوں گے کہ اہل جنت ان پر بیٹھکر نظارہ کرنا چاہیں تو نہایت ہی سہولت اور آرام کے ساتھ تماشا دیکھتے رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الواح السرر من ذهب مكللة بالزبرجد والدر والياقوت مرتفعة مالم يجئ اهلها فاذا ارادان يجلس عليها تواضع له ثم يرتفع الى موضعها۔ (بغوی) سریر جنت کے تخت طلائی ہوں گے جن میں زبرجد موتی اور یاقوت وغیرہ جواہرات جڑے ہوں گے۔ جنتی جب تک نہ آئے وہ بلندی پر ہوں گے۔ پھر جب وہ اس پر بیٹھنا چاہیگا تو اس کے لئے اتر پڑیگا (جب وہ اس پر بیٹھ جائے گا تو چشم زدن میں) پھر وہ زرنگار تخت اپنی بلندی پر پہنچ جائے گا"

تختوں کی بلندی کی حکمت

تختوں کی بلندی اس بنا پر معلوم ہوتی ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے:۔ وعلى رأسه وصائف كانهن الياقوت والمرجان اور ان تختوں پر دوشیزہ کنیزیں ہوں گی جن کا حسن و جمال اس درجہ ہوگا کہ وہ یاقوت اور مرجان سے بنائی ہوئی دکھائی دیں گی۔ جس سے سیر و تفریح کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہوگا۔ مادی لطف کا سامان بھی پوری طرح مہیا کیا گیا ہے اور روحانی لطف کے بھی سارے اسباب فراہم ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بلندی

اور یہ سامان و اسباب بھی علیٰ حسب مراتب ہو گا۔

الکواب موضوعۃ کی تفسیر

وَاَکْوَابٌ مَّوْضُوْعَۃٌ ۔ اور پیالے ہیں رکھے ہوئے"

چشموں اور نہروں کو دیکھ کر انسان کا جی چاہتا ہے کہ اس میں سے کچھ پینا بھی چاہیئے۔ اسی فطری تقاضے کے مدنظر اللہ سبحانہ نے اس کا سامان بھی مہیا فرما دیا ہے کہ موقع موقع سے نہایت خوش وضع، خوش رنگ جام، قرینے سے رکھا دئے گئے ہیں۔ پھر جہاں پانی کی، دودھ کی، مصفی شہد کی، اور شراب کی نہریں بہتی ہوں ان کو دیکھ کر تو ایک ایک جنتی کا دل للچاتا ہو گا۔ خصوصاً شراب، جس کو محض اللہ سبحانہ کی ممانعت کی بنا پر چھوڑا ہوا تھا۔ کبھی اس کا رخ نہ کیا۔ آج یہ ممانعت برخاست ہو چکی ہے تو سوچو کس مسرت اور شوق سے جنتی اس کو پیتے ہوں گے۔ یہ جام دستے اور ٹوٹی دار نہ ہوں گے بلکہ مدوّر (گول) ہوں گے کیونکہ اکواب جمع ہے کوبۃ کی جس کی ڈنڈی اور ٹوٹی نہیں ہوا کرتی۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ جنتی اس کو جس سمت سے لینا چاہے لے سکے اور جس سمت سے پینا چاہے پیا جائے۔ لینے اور پینے میں کسی نوع کی کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

نمارق مصفوفۃ کی تفسیر

وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَۃٌ ۔ اور تکیے ہیں قطار سے جمے ہوئے"

نمارق جمع ہے اور اس کا واحد نُمْرُقَۃ، نُمْرَقَۃ، نِمْرِقَۃ

تینوں طرح آتا ہے اور بغیر ہاء کے نمرق بھی آیا ہے۔ جس کے معنی حضرت ابن عباسؓ سے دسادہ اور تکیہ کے منقول ہیں۔ یعنی زرنگار تخت جو اہل جنت کے لئے بنائے گئے ہیں ان پر سلیقے کے ساتھ تکیے بھی لگے ہوں گے تاکہ جنتی لوگ ان پر آرام و اطمینان کے ساتھ شان سے بیٹھے نظارہ کرتے رہیں۔ عربی تہذیب و شائستگی میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں کی مجلسیں اور دیوان خانے خوش نما تکیوں سے سجائے جاتے ہیں تاکہ مہمان آسائش کے ساتھ بیٹھکر بات چیت کیا کریں۔ غالباً اسی مناسبت سے یہاں پُر تکلف تکیوں کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ جنت میں کسی چیز کی کمی نہیں، ہر چیز عالی شان، وافر طور پر موجود ہے۔

زرابی مبثوثہ کی تفسیر

وَزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَۃٌ۔ اور فاخرہ فرش ہیں بچھے ہوئے۔ زرابی بھی صیغہ جمع ہے اس کا واحد زِرْبِیٌّ اور زِرْبِیَّۃٌ آتا ہے۔ امام فراء کہتے ہیں:۔ ھی الطنافس التی لھا خمل دقیق۔ وہ چادریں ہیں جن کو خوب صورت جھالر اور پھندنے لگے ہوئے ہوں۔ اور امام راغب لکھتے ہیں:۔ انھا فی الاصل ثیاب محبّرۃ منسوبۃ الی موضع ثم استعیرت للبسط۔ دراصل یہ نقش و نگار والے کپڑے قالین وغیرہ ہیں جو زرب نامی ایک ایک مقام کی طرف منسوب ہیں۔ پھر ان کا استعمال بچھونے کے لئے ہونے لگا۔ اور

جوہری کا کہنا ہے کہ نمارق اور زرابی ہم معنی الفاظ ہیں۔ جو بچھونے اور تکیے کے معنی میں مستعمل ہیں۔ بہرحال یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ جنتی تختوں پر اعلیٰ درجہ کا فرش خوش وضع قالین، توشک، مسند، گاؤتکیے، جو جاذبِ نظر بھی ہوں اور ہر طرح نرم ملائم مرغوب طبع ہوں جن کو دیکھتے ہی جی چاہتا ہے کہ ان پر بیٹھ جائیں اور مسند تکیہ لگا کر نظارہ کرتے رہیں۔ غرض سامعہ نوازی پر ہی موقوف نہیں لطف دید، لطف نشست و نظارہ، لطف خورد نوش اور ہر طرح کا لطف ہی لطف ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ ع

لطف ایں مے نشناسی بخدا تانہ چشی

(الغاشیۃ ۸۸) پ ۳۰

-17 اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَى السَّمَآءِ
-18 كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَى الْاَرْضِ
-19 كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ بھلا کیا نظر نہیں ڈالتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے گئے اور آسمان پر
-20 کہ کیسا بلند کیا گیا، اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کئے گئے، اور زمین پر کہ کیسی صاف
بچھائی گئی ہے؟

شان نزول جنتی تختوں کی بلندی وغیرہ کا بیان سن کر کفار نے از راہ تمسخر کہنا شروع کیا کہ بلالؓ وخبابؓ جیسے کوتاہ قامت لوگوں کو ایسے بلند تختوں سے کیا واسطہ کہ وہ ان پر چڑھ نہیں سکتے۔ نیز اتنے ان گنت جام نہروں کے کنارے کہاں سے لاکر رکھے جائیں گے اور ایسے مسند تکیئے اور ایسا فرش فروش طویل و عریض کہیں دیکھا نہ گیا۔ جنت میں یہ سب کس طرح مہیا ہوگا؟ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ان لوگوں نے کیا کبھی اونٹ نہیں دیکھے کہ بنی آدم سے بہت اونچا جانور ہے۔ جب انسان اس پر بیٹھنا چاہتا ہے تو اشارہ دینے پر اونٹ بیٹھ جاتا یا اپنا پاؤں خم کر دیتا ہے جس کے ساتھ ہی انسان اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ اتنا قوی ہے کہ اس کو بٹھا کر اس پر سامان لادتے ہیں اور وہ تمام سامان بیٹھے پر لدا ہوا ہونے پر بھی بے تکلف کھڑا ہو جاتا ہے میلوں سفر کرتا ہے اور تھکتا نہیں۔ بھوک پیاس کی اسکو پرواہ نہیں

کئی کئی دن بغیر پانی کے گزارا کر لیتا ہے۔ پیٹ میں پانی کا ذخیرہ کر لیتا ہے اور اسی کو نکال نکال کر پیتا جاتا ہے۔ دوسرے جانور اپنا مخصوص چارہ استعمال کرتے ہیں اور یہ سب کچھ کھا جاتا اور پیٹ بھر لیتا ہے۔ کانٹے تک کھا لیتا ہے سب جانور پیشاب آگے کی طرف کرتے ہیں اور یہ پیچھے پیشاب کرتا ہے تاکہ سوار کے کپڑے آلودہ نہ ہوں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود اتنا مسکین ہے کہ ایک بچہ بھی نکیل تھام لے تو اسکے پیچھے چلتا ہے۔ پیر رومیؒ فرماتے ہیں :-

برخوان "افلا ینظر" تا قدرت ماہی — یکرہ بہ شتر بنگر تا صنع خدا بینی

در خار خوری قانع در بار بری راضی — ایں وصف اگر جوئی دراہل صفا بینی

جب دنیا میں انسان اونٹ پر سواری کر سکتا ہے تو جنت کے اونچے تختوں پر بیٹھنا اس کے لئے کیوں مشکل ہوگا؟ جب کہ ان میں نیچے آنے اور اوپر چڑھ جانے کی صفت بطور خاص ودیعت فرمائی گئی ہو؟

آسمان وزمین اور پہاڑوں کو دیکھنے کی دعوت

اسی طرح کیا ان لوگوں نے کبھی آسمان کو نہیں دیکھا کہ کیسا بلند وبالا بغیر ستون کے خیمہ کی طرح ابتدائے آفرینش عالم سے کھڑا ہوا ہے۔ ہزارہا برس گزر جانے پر بھی اس میں کوئی تغیر نہ آیا۔ آسمان کے ساتھ ستارے بھی دیکھے ہوں گے جن کا کوئی ہیئت داں اب تک شمار

نہ کرسکا۔ اور نہ آلاتِ رصد کے ذریعہ ان کی گنتی مکمل ہوسکی۔ جو خدا آسمان پر ایسے ان گنت ستارے پیدا کرتا ہے۔ نہروں کے کنارے سلیقہ کے ساتھ جام رکھا دینا اس کے نزدیک کیا اہمیت رکھتا ہے؟ یہی حال پہاڑوں اور زمین کا ہے کہ زمین فرش کی طرح ہے، کہیں سرخ کہیں سبز، کہیں سفید تو کہیں سیاہ، کہیں اس پر سبز، زرد گھانس اوگی ہوئی ہے تو کہیں درختوں کے نیچے پھول پتے رنگ برنگ کے گر کر قالین کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس پر پہاڑ مسند اور تکیہ کی طرح ہیں۔ جو بے حد و حساب اور جا بجا قرینے اور سلیقے کے ساتھ کھڑے کئے گئے ہیں۔ جن میں اللہ سبحانہ کی قدرت کے بے شمار خزانے ہیں اور صدہا حکمتوں اور مصلحتوں سے پُر ہیں۔ اگر ان چار چیزوں پر ہی غور کیا جاتا تو ایسے بے سروپا اعتراضات کی نوبت نہ آتی۔

ان چار چیزوں کی وجہ تخصیص

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ قدرتِ الٰہی کے بے شمار نمونے ہیں جن پر غور کرنے سے اللہ سبحانہ کی توحید اور اس کی قدرت کاملہ کا یقین حاصل ہوتا ہے لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ ان چار چیزوں کو کفار قریش کے زیرِ غور لانے کا سبب یہ ہے کہ قبائل عرب عموماً خانہ بدوش تھے۔ جہاں پانی چارہ مل گیا وہیں ٹھہر گئے۔ اور جن کی زندگی شہری تھی وہ بھی اکثر جنگلوں میں پھرا کرتے سواری میں اونٹ رہتے اوپر آسمان، نیچے زمین، اور گرد و پیش پہاڑ ہوتے۔

اس لئے ان کو متوجہ کیا گیا کہ ہماری توحید' اور قدرت کاملہ' اور حکمت بالغہ کا اندازہ کرنا اور اس کا یقین لانا کیا مشکل ہے اگر اپنی روزمرہ زندگی کے احوال اور گردو پیش کی چیزوں پر نظر ڈالو تو ہماری تمام باتوں پر تم کو یقین حاصل ہو جائے گا۔ اس پر بھی اگر کوئی غور نہ کرے تو اس کا کیا علاج ؟ بجز اس کے کہ بار بار سمجھایا جائے اور نصیحت کی جائے اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :۔

(آیات ۲۱ تا ۲۴)

8-21
8-22
فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ۝
8-23
8-44
إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝ لہذا

آپ یاددہی کئے جائیے' آپ کا کام تو صرف یہی یاد دہی ہے' نہیں ہیں آپ ان پر مسلط رہنے والے' ہاں جس نے منہ موڑ لیا اور انکار کیا تو اس کو عذاب دیگا اللہ وہ عذاب جو سب سے بڑا ہے "

اہل غفلت کا علاج | اہل غفلت کا علاج' یاد دہانی ہے۔ اسی وجہ سے حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ ان کو یاد الٰہی دلاتے جائیے۔ اور یہی یاد دہانی آپ کا وظیفہ ہے۔ ان کو اللہ سبحانہ کی یاد دلادی جائے تو آپ کا فریضہ ختم ہو جاتا ہے۔ آپ پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ داروغہ کی طرح ہر وقت ان کے ساتھ لگے رہیں اور ان پر مسلط رہ کر تمام کام ان سے انجام

دلاتے رہیں۔ اگر ایسا ہوگا تو یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا اور آپ کے حق میں یہ تکلیف

مالایطاق ہوگی۔ آپ کو بھیجا گیا ہے لتنذر قوماً ما أنذر آباؤھم فھم

غافلون ۔ تاکہ آپ ایسی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے رہیں جن کو کوئی ڈرانے والا

اب تک نصیب نہ ہوا تھا اور نہ ان کے باپ دادا کبھی ڈرائے گئے تھے وہ سرتاسر

غفلت ہی میں پڑے ہوئے تھے" اگر غافل کو یاد دہی کی گئی اور وہ اس پر بھی غفلت سے

نہ چونکا بلکہ منہ موڑ کر چلا گیا اور نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو وہ مجرم ٹھہرا اور

اس پر حجت قائم ہوچکی ۔ اب اللہ سبحانہ کا کام ہے کہ اس کو سزا دے ایسی سزا کہ جس سے

بڑھ کر اور کوئی سزا نہیں ہوسکتی کیونکہ اس نے جرم بھی ایسا ہی کیا ہے جس سے بڑھکر

کوئی جرم قرار نہیں پاسکتا ۔ یعنی جتانے پر بھی انکار ۔

آیۂ لست علیھم بمصیطر منسوخ ہے

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ لست علیھم بمصیطر کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب تک کہ حضور

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے ۔ یہ سورت شریفہ بھی

مکیہ ہے۔ اس وقت کا اقتضا بھی یہی تھا کہ صرف یاددہانی اور نصیحت پر اکتفا کی جائے

پشت ہا پشت کی غفلت کے بعد یک دم دار وگیر نامناسب تھی۔ مگر جب یہ سلسلہ آپکی

مکی زندگی کے تیرہ ۱۳ سال تک جاری رہا تو اس اثنا میں نئی پود وجود میں آگئی۔ جو بڈھے تھے

وہ مرگئے۔ اور جوان بوڑھے ہونے لگے اور بچے جوان ہوگئے اور بہت سارے جو بعثت شریفہ کے وقت موجود نہ تھے وہ وجود میں آگئے تو ان پر ما انذر آباؤھم کا اطلاق نہیں ہوسکتا تھا۔ اب تو صورت حال یہ ہوگئی قد انذر آباؤھم۔ یعنی انکو بھی ڈرایا گیا اور ان کے باپ دادا کو بھی ڈرایا جاتا رہا۔" دعوت توحید ان کے حق میں نئی دعوت نہیں رہی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لست علیھم بمصیطر نسخ ذلک فقال اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم۔ (ابوداؤد) لست علیھم بمصیطر کا حکم منسوخ کردیا گیا اور حکم ہوا کہ مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ انکو قتل کر ڈالو۔"

مضمون بالا کی تائید حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:۔ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لآ الہ الا اللہ فاذا قالوھا عصموا منّی دماءھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ ثم قرأ فذکّر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر۔ (ابن ابی شیبہؒ امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ مسلمؒ ترمذیؒ نسائیؒ ابن ماجہؒ ابن جریرؒ حاکمؒ ابن مردویہؒ بیہقیؒ) مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جہاد جاری رکھوں اس وقت تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کریں جب وہ اس کلمہ کے قائل ہوجائیں تو وہ اپنے خون اور اپنے مال کو مجھ سے بچالیں گے مگر جان و مال کا حق ان کو ادا کرنا ہوگا۔ اور ان کا حساب اللہ پر ہے پھر آپ نے یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں جن کا

ترجمہ یہ ہے کہ آپ ان کو یاد دہانی کیا کیجئے آپ صرف یاد دہانی کرنے والے ہیں۔ کچھ ان پر مسلط نہیں کئے گئے ہیں ہاں جو روگردانی کرے اور انکار کرے تو اللہ ان کو سزا دیگا ایسی کہ اس سے بڑی سزا کوئی اور نہیں ہو سکتی "یعنی دنیا میں قتل اور آخرت میں جہنم۔

8-25 8-26 ع ۱۳ اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَهُمۡ ۙ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَهُمۡ ؏ بے شک ہماری ہی طرف ہے ان کی واپسی پھر ہمارا ہی ذمہ ہے ان سے حساب لینا"

ایاب وحساب کی تفسیر یعنی اے نبی کریم! اگر یہ کافر آپ کی یاد دہانی اور نصیحت کو نہ مانیں اور منہ پھیر کر چلے جائیں، یا صرف زبان سے اقرار کریں اور دل سے اس کی تصدیق نہ کریں تو آپ ملول نہ ہوں۔ یہ کہیں بھی جائیں ایک دن ہماری طرف ان سب کو لوٹ کر آنا ہے۔ کوئی شخص چھوٹ نہیں سکتا۔ اور نہ ہمارے احاطۂ قدرت سے باہر نکل سکتا ہے۔ کشاں کشاں ہر ایک ہمارے پاس گرفتار کر کے لایا جائے گا اور ہمارے دربار میں اس کو پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہم ہر شخص سے اس کی زندگی کا رتی رتی حساب لیں گے۔ کوئی ہمارے محاسبے سے بچ نہیں سکتا چنانچہ حضرت قتادہؓ نے ان آیات کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:۔ الی اللّٰہ الایاب و علی اللّٰہ الحساب۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) سب کو اللہ سبحانہ کی طرف واپس لوٹنا ہے اور سب کا حساب اللہ سبحانہ کے ذمہ ہے" اسی ضمن میں یہ بھی پوچھا جائے گا کہ

بندے! ہم نے تجھ کو دنیا میں اتنی زندگی کا موقع دیا تھا۔ تیری ہدایت کے لئے کتابیں نازل کی تھیں اور تیری تعلیم کے لئے پیغمبروں کو بھیجا تھا۔ ان کتابوں کی کیا قدر کی اور ان پیغمبروں کی کس طرح اطاعت کی اور اس مدت عمر میں کیا کرتا رہا؟ اگر جواب ٹھیک ٹھیک دیگا تو خیر ہے ورنہ اس کو اپنے کیے کی جزا ملے گی۔

الحمد للہ والمنہ کہ سورۂ غاشیہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

89 Fajr Makky Verses 30 (۸۹)

سورۂ فجر

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں تیس آیتیں ہیں۔

سورۂ ماقبل سے ربط سورۂ فجر کا سورۂ ماقبل سے ربط اور مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ سورۂ ماقبل میں "وجوہ یومئذ خاشعۃ" اور "وجوہ یومئذ ناعمۃ" کا بیان ہوا تھا کہ قیامت میں لوگوں کے چہروں کا حال دو طرح ہوگا۔ کوئی تو اداس، ڈراونے اور سوکھے ہوئے اور کوئی تر و تازہ ہشاش بشاش۔ یہاں ان احوال کے اسباب بیان فرمائے جا رہے ہیں کہ اداسی ہوگی تو کن کے چہروں پر اور کس بنا پر؟ اور آثار مسرت نمایاں ہونگے تو کن پر اور کس سبب سے؟

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ وجوہ مناسبت کئی طرح ہیں۔ ایک یہ کہ ماقبل سورت کا اختتام جس بیان پر ہوا تھا اسی بیان کی تصدیق اور اس کی صحت پر متعدد قسموں سے اس سورت کا آغاز ہو رہا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ وعدو وعید وہاں کی طرح یہاں بھی ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ وہاں آثار قدرت

افلا ینظرون کے ذریعہ دکھائے گئے تھے یہاں الم ترکے ذریعہ دکھائے جا رہے
ہیں۔ واللہ اعلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔“

89-1
89-2 89-3 وَالۡفَجۡرِ ۙ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ وَالَّیۡلِ اِذَا
89-4 89-5 یَسۡرِ ۚ ہَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ قسم ہے فجر کی اور دس راتوں
کی اور جفت اور طاق کی اور اس رات کی جب کہ اس میں چلے ۔ ہے ان چیزوں کی
قسم عقل والوں کے لئے ۔“

والفجر کی تفسیر وَالۡفَجۡرِ ”قسم ہے فجر کی“ اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں:
قسم اقسم اللہ بہ۔ (ابن جریر ابن ابی حاتم) منجملہ اور قسموں کے یہ بھی ایک قسم
ہے جس کے ذریعہ اللہ سبحانہ نے فجر کی اہمیت ظاہر فرمائی ہے ۔“ اور حضرت میمون
بن مہران فرماتے ہیں:۔ ان اللہ تعالیٰ یقسم بما شاء من خلقہ ولیس
لاحد ان یقسم الا باللہ۔ (ابن ابی شیبہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اختیار کامل حاصل
ہے کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے جس کی قسم چاہے قسم اختیار فرمائے اور اللہ کے سوا
اور کسی کو یہ حق نہیں کہ اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھائے ۔“

عرض فقیر فقیر کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم کے ذریعہ کسی چیز کو عزت دی جاتی ہے اور عزت دینا اللہ سبحانہ کا کام ہے۔ یعز من یشاء۔ جس کو چاہے عزت دے۔" کیونکہ ان العزۃ للہ جمیعا۔ ساری عزت اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ ہی مختص ہے۔ وہ جس کو عزت دے کوئی اس کو ذلیل نہیں کرسکتا اور نہ اس کی دی ہوئی عزت کو کوئی چھین سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں قسم دی جاتی ہے تو قسم بھی گواہ کے قائم مقام ہوئی۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ قادر ہے کہ جس چیز کو چاہے بطور گواہ حاضر لاسکے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو یہ اقتدار حاصل نہیں۔ لہذا اللہ سبحانہ جس کی قسم چاہے دے سکتا ہے لیکن بندہ جب اس کو کوئی گواہ نہ ملے تو وہ صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی کا واسطہ دے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ اس کا شاہد ہے۔ اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی چیز کو وہ پیش نہیں کرسکتا۔

فجر سے صبح صادق مراد ہے یہاں فجر جس کی قسم کھائی جارہی ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ فجر النھار۔ (فریابی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔" عکرمہ بھی فرماتے ہیں :۔ ھو الصبح۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) فجر سے صبح صادق مراد ہے۔" جب سے دن شروع ہوتا ہے۔ اور اسی کے آغاز سے احکام متعلق ہوتے ہیں چنانچہ روزہ یہیں سے

شروع ہوتا اور نماز فجر کی ادائی کا فریضہ یہیں سے عاید ہوتا ہے۔ رات کا تعطل دور ہوتا اور کاروبار کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ؎

علی الصباح کہ مردم بکار وبار روند　　بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں الفجر سے جنس فجر مراد ہے کسی خاص دن کی فجر مراد نہیں یعنی الفجر پر جو الف ولام ہے وہ جنسی ہے۔

فجر سے نماز فجر مراد ہے نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یعنی صلاۃ الفجر۔ (ابن جریر) فجر سے نماز فجر مراد ہے" عطیۂ کوفی کا قول بھی یہی ہے۔ جس میں رات اور دن کے محافظ فرشتے شریک رہتے ہیں جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: ان قرآن الفجر کان مشھودا۔ اس آیہ کریمہ کی تفسیر حضرت سید الشیوخ قدس سرہ کے قلم فیض رقم سے گزر چکی۔ مطلب یہ ہوا کہ فجر کی قسم محض نماز فجر کی بدولت ہے۔ اگر کسی نے یہ نماز ہی ادا نہ کی تو اس کی یہ صبح اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی۔

فجر سے غرۂ ذی الحجہ کی فجر مراد ہے ضحاکؒ فرماتے ہیں: فجر اول یوم من ذی الحجۃ لانہ قرن بہ اللیالی العشرۃ۔ (مظہری) ماہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے۔ کیونکہ اس سے متصل دس راتوں کا بیان آرہا ہے" (جو وہ بھی ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں۔) جو فریضۂ حج کی ادائی کا

یوم النحر میں جو عبادات ادا ہوتے ہیں وہ حضرت ضحاک کے قول کے ضمن میں بیان ہو چکے۔ نیز اس دن عید الاضحیٰ ہے جس کی اہمیت ظاہر ہے۔ حضرت عکرمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں:۔ طلوع الفجر غداۃ جمع۔ (عبد بن حمید) مزدلفہ میں رات گزارنے کے بعد جو صبح ہوتی ہے یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح۔ یہاں وہی صبح مراد ہے۔"

فجر سے معنی مصدری مراد ہیں بعض مفسرین نے فجر سے صبح کا وقت مراد نہیں لیا بلکہ فجر کے لغوی معنی انفجار مراد لئے ہیں یعنی قسم ہے جاری ہونے اور پھوٹ کر نکلنے کی" خواہ وہ صبح ہو یا نہریں اور چشمے وغیرہ۔ جیسا کہ فانفجرت منه اثنتا عشرۃ عینا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے بہ نکلے" یا پتھر سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا برآمد ہونا' بارش کا برسنا' یا گناہ گاروں کی آنکھوں سے توبہ و استغفار کے وقت' اشک ندامت پھوٹ پھوٹ کر نکلنا۔ ؎

براں از دو سر چشمۂ دیدہ جوے   ورآلائشے داری از خود بشوے

یہ مصدری معنیٰ اوپر بیان کئے ہوئے تمام معانی کے لئے جامع ہیں۔ بہرحال جو بھی مراد ہو لفظ میں اس کی گنجائش ہے۔ اس سے کلام پاک کی بلاغت اور جامعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ والفجر کے ایک کلمہ میں معانی و مرادات کا ایک سمندر ہے کہ سما دیا گیا ہے۔ سبحانہ ما اعظم شانہ۔

زمانہ ہے' ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی حج کی تیاری شروع کر دی جاتی ہے منیٰ' عرفات اور مزدلفہ کے قیام و وقوف کا سامان چھٹی تاریخ تک کر لیا جاتا ہے۔ ساتویں کو حرم شریف میں خطبہ دیا جاتا ہے جس میں قیام منیٰ و عرفات کے آداب و مناسک بیان ہوتے ہیں۔ آٹھویں کو منیٰ کی طرف روانگی عمل میں آتی ہے اور رات کو وہاں قیام ہوتا ہے۔ پھر نویں کو عرفات جاتے ہیں۔ وہاں فریضۂ حج ادا ہوتا ہے۔ شام کو مزدلفہ آتے ہیں اور رات مزدلفہ میں بسر ہوتی ہے۔ پھر صبحدم وہاں سے جانب منیٰ روانہ ہوتے ہیں۔ منیٰ میں رمی جمار' قربانی اور حلق سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا جاتا ہے۔ پھر طواف زیارت کا فریضہ مکہ مکرمہ میں ادا کر کے منیٰ کو واپسی عمل میں آتی ہے اس طرح یہ دس راتیں اور دس دن بسر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دس راتوں کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

فجر سے غرہ محرم کی فجر مراد ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ ھو اول فجر المحرم ینفجر منہ السنۃ۔ (مظہری) ماہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے جس سے نئے سال کی ابتدا ہوتی ہے"۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے۔ (سعید بن منصورؒ' بیہقی' ابن عساکر) اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ فجر یوم النحر ولیس کل فجر۔ (ابن ابی حاتم) یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی فجر مراد ہے۔ ہر روز کی فجر مراد نہیں"۔

ولیال عشر کی تفسیر | وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ "اور قسم ہے دس راتوں کی"۔ یہ دس راتیں کونسی ہیں؟ اس کی نسبت مفسرین کرام کے حسب ذیل اقوال ہیں:۔

عشرۂ ذی الحجہ | حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول دوجہاں علیہ صلوات الرحمان نے فرمایا:۔ انّ العشر عشر الاضحیٰ۔ (امام احمدؒ، نسائی، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) "ان دس راتوں سے، ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں"۔ جن میں ادائے فریضۂ حج کی تیاری، احرام، خطبات حج کی شرکت، منیٰ و عرفات و مزدلفہ کی روانگی، رمی، حلق، قربانی، طواف و سعی بین الصفا والمروہ وغیرہ مناسک ادا ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ عشرۃ الاضحیٰ وفی لفظ قال ھی لیالی العشر الاوّل من ذی الحجۃ۔ (فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) "ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے۔ اور ایک روایت یوں ہے کہ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں"۔ اور یہی قول حضرت ابن زبیرؓ، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، وغیرہ ائمہ تفسیر کا ہے۔ حضرت ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں:۔ عشر الاضحیٰ اقسم بھن لفضلھن علی سائر الایام۔ (فریابی، عبد بن حمید) "عشرہ اضحیٰ مراد ہے کیونکہ ان کو سال کے تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہے"۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں:۔ عشر الاضحیٰ وھی التی وعد اللہ موسیٰ قولہ واتممناھا بعشر۔ (عبد بن حمید)

ذی الحجہ کا عشرۂ اولیٰ مراد ہے۔ یہ وہی راتیں ہیں جن کا اللہ سبحانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ دیا تھا چنانچہ فرمایا:۔ واتممناھا بعشر۔ یعنی اللہ سبحانہ نے توریت شریف دینے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ تیس دن (ایک مہینے) کے روزے رکھ کر آئیں جب آپ نے اس شرط کی تکمیل کی اور مسواک کر کے طور پر حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا کہ موسیٰ! یہ کیا کیا کہ جو خوشبو تمھارے منہ سے آرہی تھی اب نہیں پائی جاتی ہے۔ عرض کیا کہ بار الٰہا! تیس دن روزے رکھنے سے منہ میں بو پیدا ہو گئی تھی اس لئے مسواک کر کے صاف کیا۔ ارشاد باری ہوا کہ موسیٰ! ہم کو تو وہی خوشبو پسند تھی۔ خیر اب جاؤ اور مزید دس روزے رکھ کر آؤ۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ وہ دس دن بھی ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن تھے۔ چنانچہ حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات فرماتے ہیں:۔ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من رائحۃ المسک۔ یقیناً روزہ دار کے منہ کی بو اللہ سبحانہ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشبودار ہے۔" روزے کی حالت میں مسواک کرنے کی ہماری شریعت میں اجازت ہے لیکن اس میں مبالغہ سے کام لے کر منہ کی بو بالکلیہ زائل کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے کیونکہ اللہ سبحانہ کو روزہ دار کے منہ کی بو بھی پسند ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کو روزہ کس درجہ پسند ہو گا اور روزہ دار سے کتنی محبت ہو گی؟ اسی لئے

ارشاد باری ہوا:۔ الصوم لی وانا اجزی بہ۔ روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔"

لیالِ عشر کی دوسری تفسیر حضرت ضحاک فرماتے ہیں:۔ ھی العشر الاول من رمضان۔ (مظہری) یہاں و لیالٍ عشر سے رمضان المبارک کا پہلا عشرہ مراد ہے۔"

حضرت ابن جریج سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (روح المعانی) **فقیر** عرض کرتا ہے کہ ماہ مبارک رمضان کو تمام مہینوں پر فضیلت ہے کہ روزہ جو اسلام کا رکن اور مقدس فریضہ ہے وہ اسی مبارک مہینے میں ادا ہوتا ہے۔ قرآن کریم اسی میں نازل ہوا شب قدر بقول اکثر اسی مہینے میں ہے۔ رمضان شریف آتے ہی دوزخ کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ شیاطین کو بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔ مساجد آباد اور جرائم کے اڈے ویران نظر آنے لگتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رمضان شریف کیا آئے ایک مبارک انقلاب آیا۔ جس کو دیکھو وہ روزہ رکھ کر کھانا پینا چھوڑا اور لوازم بشری سے دور ہو گیا۔ ملأ اعلیٰ میں شامل ہوا دیکھنے کو انسان مگر صفت ملائکۃ الرحمٰن بلکہ رحمٰن کی اختیار کی۔ وھو یُطعِم ولا یُطعَم۔ وہ اوروں کو کھلاتا ہے اور وہ خود نہیں کھلایا جاتا۔ پھر تراویح میں راتوں رات قرآن کریم سنتا۔ دیگر اوقات میں خود تلاوت کرتا یا تسبیح و تہلیل، توبہ و استغفار اور اوراد و ظائف میں

مشغول رہتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں روزے کے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں۔

لیال عشر کی تیسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے لیالِ عشر سے رمضان شریف کا آخری دہا مراد لیا ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معتکف رہتے اور لیلۃ القدر کی تلاش فرمایا کرتے تھے اور صحابۂ کرامؓ سے ارشاد ہوتا تھا کہ شب قدر کی تلاش رمضان شریف کے آخری دہے میں اور اس کی طاق راتوں میں کیا کرو۔ یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں راتیں میں کہ قدر کی ایک رات بموجب نص قرآنی لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔ ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔" اور حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے جس میں آپ فرماتی ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر تعنی العشر الاواخر من رمضان شدّ مئزرہ واحیا لیلہ وایقظ اھلہ۔ (بخاری شریف) حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب رمضان شریف کا آخری دہا آتا تو آپ عبادت کے لئے پہلے سے زیادہ مستعد ہو جاتے اور شب بیدار رہتے اور اپنے اہل وعیال کو بھی بیدار رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔" نیز حضرت

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قولہ ولیال عشر قال ھی العشر الاواخر من رمضان (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) ارشاد باری تعالیٰ ولیال عشر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ رمضان شریف کے آخری دہے کی راتیں ہیں۔"

لیال عشر کی چوتھی تفسیر مفسرین کرام کا ایک گروہ اس طرف ہے کہ ولیال عشر سے محرم الحرام کا عشرۂ اولیٰ مراد ہے۔ اور شب عاشوراء و یوم عاشوراء بھی اس میں داخل ہے۔ عاشوراء کی فضیلت میں متعدد احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں۔ محدثین کے نزدیک اگرچہ بعض احادیث بروئے سند ضعیف قرار دی گئی ہیں لیکن بیہقی فرماتے ہیں:۔ ھی وان کانت ضعیفۃ اذا ضم بعضھا الی بعض احدث قوۃ۔ یہ احادیث شریفہ اگرچہ (انفرادی حیثیت سے) ضعیف ہیں لیکن جب سب کو جمع کیا جائے (اور اجتماعی حیثیت سے دیکھا جائے) تو ان میں قوت پیدا ہو جاتی اور ان کا ضعف دفع ہو جاتا ہے۔" کیونکہ رواۃ حدیث کی اتنی کثیر تعداد کسی بے اصل بات کی روایت نہیں کر سکتی۔ اس کے قطع نظر نفس عاشوراء کے باب میں صحیح روایات سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ والیھود تصوم عاشوراء فقال علیہ الصلاۃ والسلام ماھذا الیوم الذی تصومونہ قالوا ھذا یوم عظیم انجی اللہ تعالیٰ فیہ

موسی واغرق آل فرعون فیہ فصامہ موسی علیہ السلام شکرا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنحن احق بموسی منکم فصامہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر بصیامہ۔ (بخاری، مسلم، وغیرہما) حضور نبی دوجہاں علیہ صلوات الرحمن مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ دسویں محرم کو روزہ رکھا کرتے ہیں آپ نے اس روزے کا سبب دریافت فرمایا تو یہود نے کہا کہ عاشورا بہت بڑی عظمت والا دن ہے یہ وہ دن ہے جس میں اللہ سبحانہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کو نجات دی اور اسی دن فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا اس کے شکرانے میں حضرت موسی علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔ اس پر رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب ایسا ہے تو تمہارے مقابلہ میں موسی علیہ السلام کی مسرت میں شریک ہونے کے ہم زیادہ تر مستحق ہیں۔ یہ کہہ کر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔"

صوم عاشوراء کیلئے منادی نیز یہ بھی ثابت ہے:۔ انہ علیہ الصلاۃ والسلام ارسل غداۃ عاشوراء الی قری الانصار التی حول المدینۃ من کان اصبح صائما فلیتم یومہ ومن کان اصبح مفطرا فلیصم بقیۃ یومہ۔ (بخاری، مسلم، وغیرہما) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب عاشوراء کی صبح میں انصار کی

بستیاں جو مدینہ شریفہ کے اطراف بسی ہوئی تھیں ان تمام میں منادی فرمائی کہ جو کوئی صبح سے کچھ کھائے پئے نہ ہوں وہ دن تمام روزہ رکھیں۔ اور جنھوں نے کھایا پیا ہو تو وہ دن بھر اسی حالت میں امساک کریں" یعنی روزہ دار کی صورت بنائیں اور شام تک کھانے پینے سے احتراز کریں۔

عاشوراء کی اہمیت صحابۂ کرام میں

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس فرمان مبارک کی تعمیل کا ایسا اہتمام فرماتے تھے کہ خود عاشوراء کا روزہ رکھتے اور اپنے اہل وعیال کو روزہ رکھاتے۔ یہاں تک کہ کم سن بچے تک روزہ رکھتے۔ ان کو بہلانے کے لئے مسجد شریف کو لے جاتے اور ان کو کپڑے کی گڑیاں اور کھلونے تیار کرتے کوئی بچہ کھانے کے لئے بے تاب ہو کر روتا تو یہ کھلونے دے کر اس کو سمجھاتے اور بہلاتے۔ تا آنکہ افطار کا وقت آجاتا۔ یہ احکام رمضان شریف کے روزوں کا حکم آنے سے پہلے واجب سمجھے جاتے تھے۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو صوم عاشوراء کے احکام منسوخ ہوگئے۔ ان کا وجوب باقی نہیں رہا۔ البتہ عاشوراء کے روزے مستحب ہیں۔

مخالفت یہود کا حکم

حبر الامۃ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول انس و جاں علیہ صلوات الرحمٰن نے یہ بھی فرمایا:۔ صوموا یوم عاشوراء وخالفوا

فیہ الیھود و صوموا قبلہ یوما و بعدہ یوما ۔ (امام احمدؒ وغیرہ) دسویں محرم کو روزہ رکھو اور اس میں یہود کا خلاف کرو۔ اس طرح کہ روزہ ایک دن پہلے سے رکھو اور اس کے بعد بھی ایک دن روزہ رکھو" یعنی صرف عاشوراء کے روزے پر اکتفا نہ کرو جیسا کہ یہود کیا کرتے ہیں بلکہ ایک دن پہلے یعنی نویں محرم کا روزہ بھی رکھو اور گیارہویں محرم کا بھی ایک دن اس کے بعد روزہ رکھا کرو۔ اس تدبیر سے یہود کی مشابہت اور موافقت کا احتمال بھی نہیں رہیگا۔ یا صرف ایک دن زائد روزہ رکھو خواہ وہ نویں محرم ہو یا گیارھویں محرم۔

بڑی راتیں صدر اول کی بہرحال ولیال عشر کی تفسیر میں یہ چند اقوال ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سب مراد ہوں چنانچہ حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں: ۔ کانوا یعظمون ثلاث عشرات العشر الاول من المحرم والعشر الاول من ذی الحجۃ والعشر الاخیر من رمضان ۔ (محمد بن نصر) (صدر اول یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) تین عشرات (یعنی ان تین دہوں) کی عظمت کیا کرتے اور ان راتوں کو بڑی راتیں تصور فرماتے تھے ۔ ایک تو محرم کا پہلا عشرہ (جو عاشوراء پر ختم ہوتا ہے) اور ذی الحجہ کا پہلا عشرہ (جو عید الاضحیٰ پر ختم ہوتا ہے) اور رمضان شریف کا آخری دہا (جس کا سلسلہ شب عید الفطر تک جاری رہتا ہے) خلاصہ یہ ہوا کہ ان عظمت اور

خوشنودی کی خاطر اور آخرت کے لئے کیا کرے کہ یہی صورت مستقل اور پائدار ہے اور یہی زندگی کامیاب ہے۔ وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان۔

والشفع والوتر کی تفسیر وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ اور قسم ہے جفت کی اور طاق کی " حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے والشفع والوتر کی تفسیر میں فرمایا:۔ والوتر یوم عرفۃ والشفع یوم النحر۔ (امام احمدؒ نسائیؒ بزارؒ ابن جریرؒ ابن المنذرؒ ابن مردویہؒ حاکم بروایت صحیح، بیہقی) وتر سے روز عرفہ (جو نویں ذیحجہ کو منایا جاتا ہے اور جو یوم الحج ہے) اور شفع سے روزِ قربانی مراد ہے۔ (جو دسویں ذیحجہ کو ادا کی جاتی ہے اور جو یوم العید ہے) نویں تاریخ طاق اور دسویں جفت ہے۔ ان دونوں دنوں کی فضیلت کیا پوچھنا کہ یوم عرفہ یعنی نویں ذیحجہ کو اقطار عالم کے مسلمان مقام عرفات میں کمال ذوق وشوق سے کشاں کشاں آکر بحالت احرام ہر سال جمع ہوتے اور فریضۂ حج ادا کرتے ہیں۔ اور عمر بھر کے گناہوں سے جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں پاک ہوتے ہیں، یہ پاکی حقوق اللہ کی ادائی سے ہوئی۔ اور دسویں شب مزدلفہ میں جمع ہوتے اور صبح سویرے نماز فجر پڑھتے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہاں ان کو حقوق العباد کی ذمہ داریوں سے منجانب اللہ نجات حاصل ہوتی ہے۔ حقوق العباد سے

خوشنودی کی خاطر اور آخرت کے لئے کیا کرے کہ یہی صورت مستقل اور پائدار ہے اور یہی زندگی کامیاب ہے۔ وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان ۔

والشفع والوتر کی تفسیر وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ اور قسم ہے جفت کی اور طاق کی " حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے والشفع والوتر کی تفسیر میں فرمایا: والوتر یوم عرفۃ والشفع یوم النحر۔ (امام احمدؒ نسائی، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ حاکم بروایت صحیح، بیہقی) وتر سے روز عرفہ (جو نویں ذی الحجہ کو منایا جاتا ہے اور جو یوم الحج ہے) اور شفع سے روز قربانی مراد ہے۔ (جو دسویں ذی الحجہ کو ادا کی جاتی ہے اور جو یوم العید ہے) نویں تاریخ طاق اور دسویں جفت ہے۔ ان دونوں دنوں کی فضیلت کیا پوچھنا کہ یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کو اقطار عالم کے مسلمان مقام عرفات میں کمال ذوق وشوق سے کشاں کشاں آکر بحالت احرام ہر سال جمع ہوتے اور فریضۂ حج ادا کرتے ہیں۔ اور عمر بھر کے گناہوں سے جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں پاک ہوتے ہیں، یہ پاکی حقوق اللہ کی ادائی سے ہوئی۔ اور دسویں شب مزدلفہ میں جمع ہوتے اور صبح سویرے نماز فجر پڑھتے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہاں ان کو حقوق العباد کی ذمہ داریوں سے منجانب اللہ نجات حاصل ہوتی ہے۔ حقوق العباد سے

بکد وشی کی مثال یوں ہوسکتی ہے کہ اللہ سبحانہ ایک خوب صورت محل تیار فرمائے اور اعلان ہو کہ کوئی اس کا خریدار ہے؟ خواہشمند تو ہر شخص ہوگا لیکن اس کی قیمت کہاں سے ادا کرے۔ صاحب حق سے ارشاد ہوگا کہ تم اس کی قیمت ادا کرسکتے ہو۔ وہ عرض کرے گا کہ میرے پاس قیمت کہاں ہے؟ ارشاد ہوگا کہ فلاں شخص پر تمہارا جو حق ہے اگر اس کو چھوڑ دو تو یہی اس کی قیمت ہے۔ وہ بخوشی اپنے حق سے دستبردار ہو جائے گا۔ وہ تمام گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتے ہیں جیسا کہ ماں پیٹ سے پیدا ہوتے وقت پاک تھے۔ گناہوں سے پاکی کا مطلب یہ ہے کہ جن گناہوں کی تلافی ممکن نہ ہو اور نہ تلافی کی کوئی صورت ہو۔

نمازیں بھی جفت و طاق ہوتی ہیں

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والشفع والوتر کی تفسیر دریافت کی گئی آپ نے فرمایا:۔ الصلاۃ بعضھا شفع و بعضھا وتر۔ (امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ ترمذیؒ ابن جریرؒ ابن ابی حاتمؒ حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) نماز کی طرف اشارہ ہے۔ ان میں سے بعض جفت یعنی جوڑ والی ہیں (جیسے فجر، ظہر، عصر، عشا، تراویح، نماز جنازہ وغیرہ) اور بعض نمازیں طاق یعنی بے جوڑ ہیں (جیسی مغرب اور وتر کی نماز)۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں:۔ ھذا ھو التفسیر الذی

لا محید عنه۔ یہ تفسیر اتنی صحیح اور واضح ہے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے معنی کی گنجائش ہی نہیں۔" اس حدیث کی روایت دیگر طرق سے بھی آئی ہے۔ مگر صاحب بحر المحیط فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی حدیث جو اوپر گزری سند کے اعتبار سے صحیح تر ہے۔ ایسی حالت میں شفع و وتر کو صرف نماز میں منحصر قرار دینا غور طلب ہے۔ پھر شفع و وتر کی تفسیر میں سلف صالحین کے اور بھی اقوال ہیں۔

ہر چیز جفت ہوگی یا طاق چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ اقسم ربنا بالعدد کله منه الشفع ومنه الوتر (عبد بن حمید) ہمارے پروردگار تعالیٰ شانہ نے تمام اعداد کی قسم مراد لی ہے جن میں سے بعض اعداد جفت ہیں بعض طاق" یعنی ہر عدد کی قسم ہے خواہ وہ جفت ہو یا طاق۔ کیونکہ ہر کوئی عدد ان دو احوال سے خالی نہ ہوگا یا جفت ہوگا یا طاق۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ الخلق کله شفع و وتر فاقسم سبحانه بخلقه۔ (عبد الرزاق) تمام مخلوق یا تو جفت ہے یا طاق؛ بس اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوقات کی قسم دی ہے۔" حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الله الوتر وانتم الشفع۔ (ابن جریر) صرف اللہ سبحانہ کی ذات کا جوڑ نہیں اس کے سوا تم سب جوڑ والے ہو۔" کیونکہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے:۔ قل هو الله احد کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ہی یکتا ہے۔" ومن کل شیئ خلقنا

زوجین۔ اور ہر چیز کا ہم نے جوڑ بنایا ہے" اس سلسلہ میں اور اقوال اور روایات بھی ہیں بخوف طوالت اسی پر اکتفا کی گئی۔

رات کو سوتے وقت کی دعا حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ من قال فی دبر کل صلاۃ و اذا اخذ مضجعہ اللہ اکبر اللہ اکبر عدد الشفع والوتر وعدد کلمات اللہ التامات الطیبات المبارکات ثلاثا ولا الہ الا اللہ کن لہ فی قبرہ نورا وعلی الجسر نورا وعلی الصراط نورا حتی یدخل الجنۃ۔ (ابن ابی شیبہ) جو کوئی شخص ہر فرض نماز کے بعد (سنتوں سے فارغ ہو کر) اور جب بستر پردراز ہو کلمات ذیل کو تین بار پڑھتا رہے تو یہ کلمات اس کی قبر میں نور بن کر آئیں گے۔ اور پل صراط پر نور کا کام دیں گے تا آنکہ وہ شخص جنت میں داخل ہو اس کے حق میں نور ہی نور ثابت ہوں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:۔ اللہ اکبر اللہ اکبر عدد الشفع والوتر وعدد کلمات اللہ التامات الطیبات المبارکات۔ لا الہ الا اللہ۔

واللیل اذا یسر کی تفسیر وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ۔ اور قسم ہے رات کی جب وہ چلے" یعنی رات شروع ہو۔ والفجر سے اس سورت شریفہ کا آغاز ہوا تھا۔ صبح کے لئے شام اور دن کے ساتھ رات لازم ہے اور یہی سلسلہ لیل و نہار جاری ہے

اس لئے والفجر کے بعد اس کی ضد اور مقابل چونکہ رات ہے اس لئے اس کی قسم دی گئی ہے۔ اس اعتبار سے والفجر اور واللیل سے عام صبح وشام مراد ہوں گے جو اپنے ساتھ آفاق وانفس میں مختلف تغیرات لاتے ہیں اور ہر ایک کے لوازم جداگانہ ہوتے ہیں۔

واللیل سے مراد مزدلفہ کی رات

بعض مفسرین نے والفجر کی طرح واللیل سے بھی خاص رات مراد لی ہے۔ کسی نے وہ رات مراد لی ہے جو عرفہ کا دن عرفات میں گزارنے کے بعد، وہاں سے مزدلفہ روانہ ہوتے اور وہیں شب گزارتے ہیں چنانچہ حضرت عکرمہؒ سے مروی ہے انھوں نے واللیل اذا یسر کی تفسیر میں فرمایا: "لیلۃ جمع۔ (فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) وہ مزدلفہ کی رات ہے" اور حضرت محمد بن کعب قرظی سے دریافت کیا گیا: ما اللیل اذا یسر قال ھذہ الافاضۃ اسر یا ساری ولا تبیتن الا بجمع۔ (ابن ابی حاتم) واللیل اذا یسر کے معنی کیا ہیں تو انھوں نے فرمایا یہ عرفات سے واپسی کی طرف اشارہ ہے یعنی اے رات کو چلنے والے! رات ہی میں روانہ ہوجا۔ اور رات نہ گزار مگر مزدلفہ پہنچکر" جہاں حجاج عرفات سے واپس ہوتے ہوئے منیٰ کے راستے میں شب گزارتے ہیں۔ یہ وہ مبارک مقام ہے کہ حجاج کو حقوق الناس کی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش کرانے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: فاذآ افضتم من عرفات

فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام۔ جب تم عرفات سے روانہ ہو جاؤ تو اللہ سبحانہ کی یاد میں لگے رہو مشعر حرام کے پاس" جہاں مزدلفہ میں اب مسجد بنی ہوئی ہے۔

قسم لذی حجر کی تفسیر | هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ۔ ہے ان چیزوں میں اہتمام عقل والوں کے لئے" یعنی یہاں جن چیزوں کی قسم دی گئی ہے یہ چیزیں معمولی نہیں بلکہ نہایت مہتم بالشان ہیں ان کی قدر عقلمند لوگ ہی جانتے ہیں۔ عوام انکی عظمت کیا جانیں عوام کو چاہئے کہ وہ عقلمندوں کی بات مانیں اور ان کا اتباع کریں۔ عام فجر ہو جو روزانہ نمودار ہوتی ہے یا مذکورہ ایام مخصوصہ میں سے کسی خاص دن کی فجر۔ اسی طرح دس راتیں ہر مہینے کے ایک ایک دہے کی راتیں ہوں یا وہ عشرات جن کا خصوصیت کے ساتھ اوپر ذکر کیا گیا۔ ہر چیز جوڑ والی ہو یا بے جوڑ، اور ہر رات ہو یا کوئی مخصوص رات عقلمندوں کے نزدیک بجائے خود بڑی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ عقلمند اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی قدر جان کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کو بیکار ضایع جانے نہیں دیتے۔ اور کمال دانائی یہ ہے کہ وہ آخرت کے کام میں گزرے ؎

غافل ز احتیاط نفس یک نفس مباش   شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

مذکورہ قسموں کا جواب قسم | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:۔

انہ قرأ والفجر الی قولہ اذا یسر قال ھذا اقسم علی ان ربك لبالمرصاد۔

(ابن المنذر) انھوں نے سورۂ والفجر شروع کیا اور واللیل اذا یسر تک پہنچے پھر فرمایا کہ یہ تمام قسمیں اس امر پر ہیں کہ اے انسان! تیرا پروردگار بے شک تاک میں ہے" کہ ان اوقات عزیزہ میں کون کیا کر رہا ہے اور اپنے اوقات کن کاموں میں گزار رہا ہے مطلب یہ کہ آیۂ کریمہ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ جو آگے آرہی ہے وہ اس کا جواب قسم ہے۔ یعنی ان تمام چیزوں کی قسم دیکر یہ جتا دینا مقصود ہے کہ تمھارا پیدا کرنے والا، پالنے والا اور تربیت کرنے والا، رات دن، صبح و شام تمھارا نگراں ہے کہ تم اس کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز ہو کر ان کا شکر کس طرح ادا کرتے ہو؟ اس کے بعد چند ناشکر گزار اقوام کا بیان آرہا ہے۔ ارشاد ہے:۔

89-6
أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝
89-7
89-8
الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا
89-8
89-10
الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا
89-11
89-12
فِي الْبِلَادِ ۝ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ
89-13
89-14
رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ کیا آپ نے

نہیں دیکھا کیا آپ کے پروردگار نے عادِ ارم کے ساتھ بڑے ستونوں والے تھے کہ نہیں بنی مثال ان کی شہروں میں؛ اور ثمود کے ساتھ جنھوں نے تراشا

سخت چٹانوں کو وادی میں' اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا' یہ سب تھے

جنھوں نے سر اٹھایا ملکوں میں' پھر ان میں بہت خرابی پھیلائی' پھر پھینک مارا

ان پر آپ کے پروردگار نے کوڑا عذاب کا' بے شک ہے آپ کا پروردگار گھات میں"۔

الم ترو کی تفسیر الم تر کی تفسیر جمہور مفسرین کرام نے الم تعلم' الم تخبر سے فرمائی ہے یعنی اے نبی کریم! کیا آپ کو معلوم نہیں یا کیا آپ کو یہ خبر نہیں پہنچی لیکن ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ یہاں رویت بالعین ہی مراد ہے یعنی کیا آپ نے قوم عاد' ثمود اور قوم فرعون وغیرہ کا حال برائی العین مشاہدہ نہیں فرمایا؟ ضرور دیکھا ہے۔ یہ اس بنا پر کہ سب سے پہلے حقیقت محمدیہ کی تخلیق عمل میں آئی ہے اور حقیقت محمدیہ تمام احوال کا مشاہدہ فرما رہی تھی۔ ہم نے جمہور کا قول ہی اختیار کیا ہے۔

عاد ارم کی تباہی ارشاد ہو رہا ہے کہ اے نبی کریم! کیا آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے رب نے عادِ ارم یعنی عاد اولی کے ساتھ کیا سلوک کیا جو نہایت قد آور اونچے پورے متازہ توانا تھے کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک کا قد بارہ بارہ گز کا بلکہ اس سے بھی اونچا تھا اور اپنی مناسبت کے مکانات' باغات اور خوب صورت محلات تعمیر کر کے ان میں سکونت رکھتے تھے۔ اس شہر کی خوبصورتی اس درجہ تھی کہ

کہیں اس کی مثال نہیں ملتی تھی۔ روح المعانی میں ہے: ـــ والاکثرون علی انھا اسم مدینۃ عظیمۃ فی ارض الیمن والوصفان لھا والمراد ذات البناء الرفیع او ذات الاساطین التی لم یخلق مثلھا سعۃ وحسن بیوت وبساتین فی بلاد الدنیا۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ ارم مملکت یمن کا ایک بڑا شہر ہے اور ذات العماد اور لم یخلق مثلھا فی البلاد یہ دونوں وصف اسی شہر کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اونچے عالیشان مکانات اور ستونوں والا شہر کہ دنیا کے شہروں میں اتنا وسیع وخوبصورت شہر، باغات والا سابق زمانے میں کہیں نہیں بن سکا۔" مگر جب اس قوم نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر کے چھوڑا۔ ان کی قوت وطاقت اور قد آوری یا دولت وتمول کچھ کام نہ آیا۔ کہتے ہیں کہ شداد کا باغ ارم بھی یہیں تھا۔ وہ بھی اس کا لطف نہ اٹھا سکا۔

قوم ثمود کی تباہی اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا حال بھی اے نبی کریم! آپ نے سنا ہوگا جنھوں نے سنگ تراشی میں وہ کمال پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے پہاڑوں اور سخت سے سخت چٹانوں کو تراش کر ان میں اپنے رہنے سہنے کے مکانات بناتے تھے تاکہ داغ دوزی، شکست و ریخت اور مرمت وغیرہ کی کبھی ضرورت نہ پڑے۔ ایسے پختہ مکانات کا شوق اس تصور میں ہوگا کہ یہاں ان کی بود و باش تا قیام قیامت رہے گی حضرت ابن عباسؓ جابوا الصخر بالواد کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ کانوا ینحتون من الجبال بیوتا۔ (ابن ابی حاتم، ابن جریر، ابن المنذر) پہاڑوں کو تراش کر رہنے سہنے کے مکانات بنایا کرتے تھے۔" مگر جب اپنے پیغمبر کی تکذیب کی تو دن دھاڑے ان پر ایسا زبردست طوفان باد آیا کہ ساری قوم تہس نہس ہوکر رہ گئی۔

قوم فرعون کی تباہی اسی طرح قوم فرعون کے ساتھ کیا معاملہ ہوا وہ بھی اے نبی کریمؐ آپ کی سماعت میں آیا ہوگا۔ فرعون ارض مصر کا جابر بادشاہ تھا۔ نہایت مغرور و متکبر اس کا غرور اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ انا ربکم الاعلی کا دعوی کیا کرتا اور جو اس کو تسلیم نہ کرے ان کے لئے چار میخیں تیار کر رکھی تھیں جن سے گرفتار شدہ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں باندھ دیتا۔ اس کے بعد پتھر کی ایک چٹان اس پر ڈال کر ہلاک کر دیتا۔ وفرعون ذی الاوتاد میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ میخوں والے فرعون کو ہم نے

کیا ہلاک کیا اس کا حال بھی معلوم ہو گا۔

کفارِ قریش کیلئے عبرت بہرحال ان تین قوموں نے اپنے پیغمبروں کے احکام سے
سرتابی کی تو ان پر سوط عذاب (عذاب کا کوڑا) برس پڑا۔ اس لئے کہ ان قوموں کی
شرارت اور سرکشی کو آپ کا پروردگار دیکھ رہا تھا جب سرکشی انتہا کو پہنچ گئی اور کوئی
صورت اصلاح کی باقی نہیں رہی تو وہ گرفتار عذاب ہوئے۔ اور ہر ایک قوم کو اس کے
کرتوت کے پیش نظر مناسب حال سزا دی گئی۔ طوفانِ باد سے قوم عاد ہلاک ہوئی اور
ثمود پر زلزلہ آیا اور قوم فرعون غرق کر دی گئی اور فرعون بھی اس کے ساتھ غرق ہوا۔ یہاں
یہ بتانا منظور ہے کہ اللہ سبحانہ کے حکم کے آگے جب ایسے قد آور تناور قوم کی نہ چل سکی۔ اور
اور پہاڑوں ہی کو تراشے ہوئے ایسے مضبوط مکانات اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ اور
فرعون کی بادشاہت اور اس کی فوج مقابلہ نہ کر سکی تو اے نبی کریم! اہل مکہ کے کافر جو نہ قوم
عاد کی طرح تازہ توانا ہیں اور نہ ثمود کی طرح مضبوط مکانات رکھتے ہیں اور نہ فرعون جیسی
حکومت اور فوج ان کی مدد کے لئے موجود ہے۔ آپ کی نافرمانی کر کے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں
ذرا سا انتظار کیجئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ بدر و حنین اور دیگر غزوات میں ان کی
جو گت بنی اس پر تاریخ شاہد ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ کی تفسیر اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (اے نبی کریم!) بیشک

آپ کا رب ان کی گھات میں ہے" دیکھ رہا ہے کہ کون ہماری نعمتوں سے سرفراز ہو کر شکرگزاری میں لگا ہوا ہے اور کون ان نعمتوں پر اتراتا پھرتا ہے۔ اسی طرح کوئی رنج و تعب میں ہوتا ہے تو کون اس پر صبر کر کے راضی برضا رہتا ہے اور کون شکایت کرتا پھرتا ہے؟ یہ نہیں سمجھنا کہ دنیا میں رنج و راحت اس کی سعادت و شقاوت کی دلیل نہیں بلکہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ راحت والوں کا امتحان بھی ہو رہا ہے اور مصیبت زدوں کا بھی۔ اور اللہ سبحانہٗ اس پورے امتحان گاہ کا نگراں ہے۔ امتحان کا نتیجہ تو اپنے وقت پر شائع ہوگا۔ مگر ان میں کچھ امیدوار ایسے بھی ہوتے ہیں جو عین امتحان کی حالت میں بھی شرارت کرتے ہیں جس سے دوسرے امیدواروں پر برا اثر پڑتا ہے۔ ایسوں کو فوراً امتحان گاہ سے خارج کر کے آئندہ کے لئے ممنوع الامتحان قرار دیا جاتا ہے اسی طرح عاد و ثمود اور قوم فرعون کا حال سمجھ لیا جائے کہ رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان کو امتحان گاہ سے اٹھا دیا گیا اور ممنوع الامتحان قرار دیا گیا تا کہ دوسروں کو عبرت ہو اور نظم و نسق خلل پذیر نہ ہونے پائے۔

9-15 فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ
9-16 فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ
فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۝ بس آدمی تو ایسا ہے کہ جب جانچے اس کو پروردگار اس کا

اور عزت دے اس کو اور نعمت دے اس کو تو کہے میرے رب نے مجھے عزت دی۔ اور

جس وقت اس کو جانچے اور تنگ کرے اس پر اس کی روزی تو کہے میرے رب نے میری ہتک کی۔"

انسان کی ظاہر بینی یعنی انسان کی سرشت یہ ہے کہ اگر اللہ سبحانہ اس کو دنیا میں عزت دے اور ہر طرح کی نعمتوں سے سرفراز کرکے اس کا امتحان کرے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ عند اللہ میں اسی سلوک کا مستحق ہوں جبھی تو اللہ نے مجھے ایسی عزت دی ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ اس میں اس کا امتحان لیا جا رہا ہے وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور باعزت بنایا۔ اور جب اس کا امتحان رزق کی تنگی کے ذریعہ کیا جائے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کیا اور میری ہتک کی اللہ کے نزدیک بھی میری کوئی قدر نہیں۔ حالانکہ رزق کی تنگی اور فراخی میں نہ کسی کی عزت ہے اور نہ ذلت انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے حالات پڑھو تو معلوم ہوگا کہ انکی پاک زندگی عموماً فقر و فاقہ میں گزرتی رہی باوصف اسکے اللہ سبحانہ کے نزدیک ان بزرگوں سے بڑھ کر کوئی باعزت نہیں ہو سکتا۔ یہی حال ائمہ دین اور علماء و عارفین کا ہے۔ اسی طرح دنیاداروں، امراء اور بادشاہوں کو دیکھو انبیاء و اولیاء، علماء اور عرفاء کے ساتھ ان کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

اصحاب صُفّہ کی ناداری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

رأیت سبعین من اھل الصفۃ ما منھم رجل علیہ رداء اما ازار و اما کساء

قد ربطوه فی اعناقهم فمنها ما يبلغ نصف الساقين ومنها ما يبلغ نصف
الكعبين فيجمعه بيده كراهة ان ترى عورته" میں نے ستر اصحاب صُفّہ کو دیکھا
جن میں سے ایک کے پاس بھی چادر تک نہ تھی۔ یا تو صرف تہ بند تھا یا کمبل جس کو
اپنی گردنوں میں باندھ رکھا تھا۔ کسی کا کمبل نصف ساق تک پہنچتا تھا اور کسی کا نصف
ٹخنے تک۔ بس کو وہ اپنے ہاتھ سے تھام لیتے تھے اس اندیشے سے کہ کہیں ستر کھل نہ جائے
جس سے بے ستری ہو" اصحاب صفہ نادار صحابۂ کرام کی ایک جماعت کا نام ہے جن کا
مدینہ پاک میں کوئی گھر بار نہ تھا۔ مسجد نبوی سے متصل ایک سائبان میں انکی بود و باش
تھی در اصل یہ طلبۂ علم دین تھے جو تحصیل علم کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر یہاں اقامت
گزیں ہو گئے تھے۔ حضور اکرم بنفس نفیس ان کی خبر گیری فرماتے اور ان کی گزر بسر کا
انتظام فرمایا کرتے۔ حضرت ابو ہریرہ بھی انہی میں شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

9-17 كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۙ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ
9-18
9-19 الْمِسْكِينِ ۝ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۙ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ
9-20
حُبًّا جَمًّا ۝ کوئی نہیں بلکہ تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو" اور آپس میں تاکید نہیں
کرتے محتاج کو کھلانے کی" اور کھا جاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر سارا" اور محبت
رکھتے ہو مال کی جی بھر کر"

یتیم کا اعزاز یعنی تم جو خیال کرتے ہو واقعہ ایسا نہیں ہے۔ تمہارا تو یہ حال ہے
کہ تم یتیم کو عزت سے نہیں رکھتے اور نہ اس کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ اس کا باپ
کیا مر گیا اس کی ساری عزت دفن ہو گئی" حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ کی
انگلی اور بیچ کی انگلی کو جمع کر کے فرمایا:۔ انا وکافل الیتیم کھاتین ۔ میں اور
یتیم کی کفالت کرنے والا ان دو انگلیوں کی طرح جنت میں ملے ہوئے پاس پاس رہیں گے"
آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ وہ گھر سب سے اچھا ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک
کیا جاتا ہو۔ اور وہ گھر سب سے برا گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو"
اس کے برخلاف عام لوگوں کا یہ حال ہے کہ یتیم کی عزت تو درکنار اس کا مال ہڑپ
کر جانے کی فکر میں رات دن لگے رہتے ہیں۔ اس اندیشے سے کہ کہیں وہ بڑا ہو جائے
تو مطالبہ کی نوبت نہ آنے پائے۔ صورت حال جہاں یہ ہو تو ان سے یتیم کو عزت کے ساتھ
رکھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اگر یتیم کو یہاں عزت دی جاتی یا کم از کم اس کے
حقوق کا لحاظ ہی رکھا جاتا تو یہ عند اللہ خود کی عزت کا ذریعہ ثابت ہوتا۔ الاشباہ والنظائر
میں ہے کہ یتیم سے معاوضہ ادا کئے بغیر خدمت لینا حرام ہے صرف اس کی ماں خدمت
لے سکتی ہے دیگر اہل قرابت کو خدمت کا صلہ دینا چاہئے۔

مسکین کی حاجت روائی وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۔ اور تم

نہیں اُبھارتے ہو آپس میں مسکین کو کھانا کھلانے پر" یعنی تم پر بخل اور کوتاہ اندیشی کا تسلط اس درجہ ہے کہ محتاج کو خود تو کھانا کیا کھلاتے دوسروں کو اس جانب توجہ دلانا اور آمادہ کرنا تک تم پر بار ہے۔ اللہ کے پاس عزت چاہتے ہو تو جو کام وہاں عزت پانے کے ہیں یہاں اختیار کرنا چاہئے۔ عزت کے کام نہ کرو اور عزت کی امید رکھو تو یہ خیال خام ہے۔ ؎

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت　　دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

عرب کی مہمان نوازی مشہور ہے مکہ والے، باہر سے آنے والے حجاج کی خدمت تو دل کھول کر کیا کرتے تاکہ ان کی نیک نامی ہو یا خود کو کسی کا مہمان بننا پڑے تو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اپنے احسان کا بدلہ مل جائے لیکن اپنے ہی وطن میں جو نادار اور محتاج ہوں ان کی خبر گیری نہ کرتے اور خبر گیری نہ سہی دوسروں کو بھی اس جانب متوجہ نہ کرتے اسی کو یاد دلایا جارہا ہے کہ اگر آج محتاجوں کی خبر گیری کرو تو کل جبکہ تم حاجتمند ہو کر آؤ گے تو حاجت روائی کی امید ہو سکتی ہے۔

تأکلون التراث کی تفسیر وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا۔ میراث جو در اصل مُردے کا مال ہے۔ اپنی کمائی نہیں مُردے کے مال کی نوبت آتی ہے تو جائز ناجائز، حلال و حرام، اپنے اور دوسرے کے حق کا خیال کئے بغیر جس قدر ہاتھ لگا سمیٹ کر

لینے اور کھاجانے کی دُھن رکھتے ہو" اہل جاہلیت نے دستور بنا رکھا تھا کہ لڑکیوں کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں۔ لڑکا اگر نابالغ ہو تو اس کا بھی حصہ نہیں۔ عاقل و بالغ لڑکا جو تلوار باندھ کر میدان جنگ میں آسکتا ہے وہی متروکہ کا حق دار سمجھا جاتا تھا یہ مقدس دین اسلام کا طفیل ہے کہ عورتوں کو بھی متروکہ کا حق دار بنایا گیا۔ اور ان کا درجہ بلند کیا گیا۔ نیز نابالغ کو بالغ اولاد کی طرح مساوی حصہ دار بنایا گیا۔

تحبون المال کی تفسیر وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ اور محبت رکھتے ہو تم مال سے بہت ہی محبت" حضرت سفیانؒ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مامنکم من احد الّا ومال وارثه احبّ الیه من ماله۔ قالوا یا رسول اللہ ما منّا احد الّا وماله احبّ الیه من مال وارثه۔ قال لیس لك من مالك الّا ما اکلت فافنیت ولبست فابلیت او اعطیت فامضیت۔ (ابن ابی حاتم) تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے مگر اس کے وارث کا مال اس کے نزدیک اپنے مال سے زیادہ محبوب تر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب تر ہو۔ اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ (تم کو حقیقت کی خبر نہیں کہ اپنا مال کونسا ہے اور وارث کا مال کونسا) تمہارا مال تو

وہی ہے جس کو تم اپنے کھانے میں خرچ کر کے ختم کردو۔ یا اس سے کپڑے تیار کر کے پہن لو اور کپڑوں کو بوسیدہ کردو۔ یا (راہ خدا میں) دیکر آخرت کے لئے ذخیرہ کرلو" اس کے سوا جو مال جمع کر کر کے رکھو گے وہ تمہارا مال نہیں بلکہ آگے چل کر وہ تمہارے وارث کا مال ہو جائے گا۔ اور تم کو جمع کرنے ہی سے زیادہ محبت ہے۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور دینے دلانے سے محبت نہیں۔ سبحان اللہ! اپنے اور وارث کے مال کی شناخت کس خوبی سے کرادی گئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

9-21
9-22
9-23
9-24
9-25
9-26

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ
صَفًّا صَفًّا ۚ وَجِاىْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ
وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ۚ فَيَوْمَئِذٍ
لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۙ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ؕ

کوئی نہیں جب پست کردی جائے زمین کوٹ کوٹ کر، اور آئے آپ کا رب، اور (آئیں) فرشتے قطار قطار، اور لائی جائے اس دن دوزخ، اس دن سوچیگا آدمی، اور کہاں ہے اس کو سوچنا، کہیگا کیا اچھا ہوتا جو میں کچھ آگے بھیج دیتا اپنی زندگی میں، پھر اس دن عذاب نہ دے اس جیسا عذاب کوئی اور نہ باندھ کر رکھے اس جیسا باندھنا کوئی"

قیامت میں زمین مسطح کردیجائیگی | قیامت کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ جب

وہ دن قریب ہو گا تو ایک نہ برداشت زلزلہ آئیگا جس سے زمین کا نشیب و فراز دور ہو جائیگا اور ساری زمین سطح کر دی جائیگی چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔ تحمل الارض والجبال فیدک بعضها علی بعض (ابن ابی حاتم) زمین اور پہاڑ اوپر اٹھائے جائیں گے اور ایک ایک کو دوسرے سے ٹکرایا جائے گا۔ جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور زمین بھی پاش پاش ہو کر دونوں ایک سطح ہو جائیں گے۔ زمین اور پہاڑ جو اس عالم کے بڑے بڑے مخلوقات ہیں ان کا یہ حال ہوگا تو عالیشان مکانات، زبردست قلعے، درخت، حیوانات، نیز زمین کی کائنات اور ماو شما کس شمار و قطار میں ہوں گے، اسی سے قیامت کی ہولناکی ظاہر ہے۔ الامان والحفیظ۔ یہ تفسیر ہوئی اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ کی

جآء ربك کی تفسیر | وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا۔ اور آئے آپ کا رب اور آئیں فرشتے قطار قطار۔" پروردگار عالم کا آنا دیگر چیزوں کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر آنے کی طرح نہ سمجھا جائے کیونکہ اللہ سبحانہ کی ذات زمان و مکان کے قیود سے منزہ ہے بلکہ یہ متشابہات سے ہے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ کا حکم آئے گا۔ یا ایک تجلی ہوگی جس سے تمام جن و انس پہچان جائیں گے کہ حق سبحانہ تعالے کی تمام تر توجہ و عنایت کا مرکز آج سطح زمین ہے۔ کیونکہ ساتوں آسمان یکے بعد دیگرے اس وقت فنا ہو کر رہ جائیں گے۔ جس کی تعبیر کلام پاک میں کہیں اذا السمآء انشقت

اور کہیں اذا السمآء انفطرت سے اور کہیں والسموات مطویات بیمینه وغیرہ کے
ساتھ فرمائی گئی ہے۔ یعنی جب کہ آسمان پھٹ جائے اور جب کہ آسمان چیر دیا جائے اور
تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ پر لپیٹ دئے جائیں۔ بہر حال جس مقصد کے تحت
آسمانوں کو بنایا گیا تھا اب اس کی ضرورت باقی نہ رہے تو ان سب کو پھاڑ کر پھینک
دیا جائے گا یا ان کو طے کر کے رکھ دیا جائے گا۔ غرض کہ آسمان اپنی جگہ پر نہیں رہینگے۔
والملك صفا صفا کی تفسیر ظاہر ہے کہ جب آسمان ہی نہیں رہیں گے تو اللہ سبحانہ
کی مخلوق یعنی ملائکہ کرام جو وہاں مامور و متعین تھے ان کی ضرورت بھی وہاں نہیں رہیگی
اور اس وقت سطح زمین ہی مرکز توجہ بنی رہیگی تو وہاں کے تمام فرشتے زمین پر آجائیں گے
اور زمین کے اطراف قطار در قطار متعین ہوں گے۔ ایک ایک آسمان کے فرشتوں کی
ایک ایک قطار بھی ہوگی تو سات آسمانوں کے ملائکہ کی سات قطاریں قائم ہونگی۔
اسی مضمون کی جانب آیۂ کریمہ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا میں ایما فرمایا جا رہا ہے۔
روح المعانی میں ہے: — روی ان ملائکة کل سماء تکون صفا حول الارض
فالصفوف سبعة علی ما هو الظاهر۔ روایات آئی ہیں کہ ہر آسمان کے فرشتوں
کی زمین کے اطراف ایک ایک صف بنائی جائے گی۔ اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ
ایسی سات صفیں قائم ہونگی۔ ان حالات میں کسی مجرم کے لئے محال ہوگا کہ زمین سے

نکل کہیں بھاگ جانے کی فکر کرے۔ جب کوئی مفر ہی نہیں ہے تو دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ کسی جرم کے ارتکاب کا ارادہ ہی ترک کر دیا جائے۔ اگر بھاگ نکلنے کی کوئی صورت مفید ہو سکتی ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے :۔ ففروا الی اللّٰہ۔ اللہ سبحانہ ہی کی طرف بھاگ نکلو سب کو چھوڑ دو۔ ؎

فان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعیٰ

اے بارالٰہا! ہم سجدہ کریں گے تو آپ ہی کے آگے سجدہ ریز ہوں گے۔ اور اگر ہماری دوڑ کہیں ہو سکتی ہے تو ہماری ساری تگ و دو آپ ہی کی طرف ہے"۔ کیا آپ نے چھوٹے بچوں کو دیکھا نہیں کہ جب ماں باپ ان کو کسی قصور پر مارتے ہیں تو جو بچہ احمق ہے وہ اِدھر اُدھر دوڑتا پھرتا ہے اور ماں باپ بھی اس کے ساتھ دوڑ دوڑ کر مارتے جاتے ہیں۔ لیکن جو بچہ عقلمند ہوتا ہے وہ ماں باپ ہی سے لپٹ جاتا ہے اس حالت میں وہ مارنا چھوڑ کر اس کو گودی میں اٹھا لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ سبحانہ کی مار اگر پڑنے لگے تو کمال دانائی یہی ہے کہ اُسی کے آگے سربسجود ہو جائیں اور اسی کے آگے روئیں اور گڑگڑائیں پھر دیکھیں کہ اس کی رحمت کاملہ و شفقت تامہ کس طرح اپنے بندوں کے شامل حال ہوتی ہے۔

وجآئ یومئذ بجھنم کی تفسیر	وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَھَنَّمَ۔ اور لائی جائے

اس دن دوزخ "حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: ـــ یؤتی بجھنم یومئذ لھا سبعون الف زمام مع کل زمام سبعون الف ملك یجرونھا۔ (مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا اس حالت میں کہ اس کی ستّر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے تھامے ہوئے کھینچتے لائیں گے" حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں: ـــ لما نزلت ھذہ الآیۃ تغیر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وعرف فی وجھہ حتّی اشتدّ علی اصحابہ ما رأوا من حالہ فسأ لہ علیّ فقال جآء جبرئیل فاقرأنی ھذہ الآیۃ کلّا اذا دکّت الارض دکّا دکّا وجاء ربك والملك صفّا صفّا وجایٓئ یومئذ بجھنم فقیل وکیف یجاء بھا قال یجیئ بھا سبعون الف ملك یقودونھا بسبعین الف زمام فتشرد شردۃ لو ترکت لاحرقت اھل الجمع۔ (ابن مردویہ) جب یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں تو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حال متغیر ہو گیا ایسا کہ اس کے آثار چہرۂ مبارک سے نمایاں تھے۔ صحابۂ کرام نے آپ کا یہ حال دیکھا تو ان پر گراں گزرا۔ اس موقع پر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے عرض کیا کہ کیا بات ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ

جبرئیل آئے اور مجھے یہ آیات پڑھائیں (کلا اذا دکت سے وجائ یومئذ بجھنم تک) پھر عرض کیا گیا کہ جہنم کو کیسے لایا جائے گا تو ارشاد ہوا کہ اس کو ستر ہزار فرشتے کھینچ لائیں گے۔ اس کی ستر ہزار باگیں پکڑ کر۔ اسی اثناء میں جہنم ایک دفعہ ان کے ہاتھوں سے چھوٹ جائے گی۔ (پھر وہ فوراً اس کو تھام لیں گے) اگر وہ (ذرا سی دیر کے لئے چھوٹی ہوئی رہتی تو) تمام اہل محشر کو جلا کر خاکستر کر دیتی۔" اسی مضمون کی اور بھی روایات کتب احادیث شریفہ میں دیگر صحابہؓ کبار سے مروی ہیں۔

یومئذ یتذکر کی تفسیر | یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى

اس دن انسان سوچتا رہیگا مگر اب اس کو سوچنے کا کیا موقع ہے؟" قیامت کی ہولناکی کا یہ منظر جب کافروں کے سامنے درپیش ہوگا تو وہ غور و فکر میں ڈوب جائیں گے۔ لیکن اب غور و فکر سے کیا فائدہ ہوگا کیونکہ اس کا مقام تو دار دنیا تھا جو دار العمل بنایا گیا تھا۔ اور کافی مدت تک وہاں ٹھہرنے کا موقع دیا گیا تھا۔ اور اس کی یاددہی کے لئے کتابیں اتاری گئی تھیں اور پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ انھوں نے عمر بھر کفار کو سمجھانے کی سعی بلیغ کی اور بہتیرا سمجھایا مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ دنیا ختم ہوگئی مگر نصیحت کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اب آخرت کا

میدان دیکھ کر پیغمبروں کی نصیحتیں یاد آرہی ہیں اور ایک ایک امر کی تصدیق ہوتی جارہی ہے اور ہر ایک کافر پچھتاتے ہوئے یوں کہتا جاتا ہے :۔

یالیتنی قدمت کی تفسیر یٰلَیۡتَنِیۡ قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِیۡ ۔ اے کاش! میں اپنی دوروزہ دنیوی زندگی ہی میں اپنے عمل کا کچھ سرمایہ آخرت کی دائمی حیات میں کارآمد ہونے کے لئے پہلے ہی بھیج دیا ہوتا تو وہ آج میرے لئے کارآمد ہوتا" حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ علم واللہ انہ صادق وھناك حیاۃ طویلۃ لاموت فیھا احسن مما علیہ ۔ (ابن ابی شیبہ) کافر جو منکر قیامت تھا آج جان لیگا کہ مرکر اٹھنا حق ہے ۔ وہاں طویل زندگی ہے ایسی کہ اس میں موت نہیں اور یہ اخروی زندگی' اس دنیوی زندگی سے کہیں بہتر ہے " حضرت ضحاک فرماتے ہیں :۔ قولہ یتذکر الانسان قال یرید التوبۃ ۔ وفی قولہ یالیتنی قدمت لحیاتی عملت فی الدنیا لحیاتی فی الآخرۃ ۔ (ابن ابی حاتم) یعنی ایک ایک کافر قیامت کو دیکھ کر توبہ کرنے کا ارادہ کرے گا (مگر توبہ کا موقع اب کہاں رہا جب اس سے مایوس ہوا تو پچھتانا شروع کرے گا اور کہیگا کہ اے کاش! کہ دنیا میں رہ کر آخرت کا کچھ سامان کر لیا ہوتا " مگر ایسے بعد از وقت پچھتاوے سے بھی اس کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے ؟ اس کی یہ تمام کاوش بے سود ہوگی ۔

مومن صالح کی حسرت حضرت محمد بن ابی عمیرہؓ فرماتے ہیں:۔ لو ان عبدا جر علی وجھہ من یوم ولد الی ان یموت ھرما فی طاعۃ اللّٰہ الی یوم القیامۃ لودّ انہ رد الی الدنیا کیما یزداد من الاجر والثواب (امام احمدؒ، بخاری فی التاریخ، طبرانی) اگر کوئی بندہ پیدا ہونے کے دن سے بوڑھا ہو کر مرنے تک بلکہ قیامت کا دن آنے تک اللہ سبحانہ کی طاعت میں منہ کے بل کھینچا جاتا رہے تو پھر بھی اس کو آرزو ہوگی کہ کاش اس کو دنیا میں دوبارہ واپس بھیج دیا جاتا۔ تاکہ اس طرح طاعت میں لگا رہ کر اس سے زیادہ اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے" مطلب یہ ہے کہ دنیا چونکہ مزرعۃ الآخرہ ہے اس لئے نیکوکار مومن کو بھی دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو ہوگی تاکہ خوب نیکیاں کما کر زیادہ اجر و ثواب حاصل کرے۔ دنیا میں آنے کی آرزو صرف کافر ہی کو نہیں بلکہ مومن کو بھی ہوگی۔ لہٰذا افسوس ہے ان پر جن کو ایمان لانے اور نیکیوں کے حاصل کرنے کا موقع حاصل ہے پھر بھی وہ اس سے گریز کرتے ہیں بلکہ کفر و فسق میں پڑے ہوئے ہیں۔

عذابِ الٰہی کی شدت فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۔ پس اس دن ایسا عذاب دیگا کہ اس جیسا عذاب کوئی نہ دے سکے گا۔ اور اس کو گرفتار کر کے) ایسا باندھا جائے گا ایسا باندھنا

کسی سے ممکن نہ ہوگا" حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں فرماتے ہیں: لا یعذب بعذابہ احد ولا یوثق وثاق اللہ احد۔ (ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ کے عذاب کی طرح دوسرا کوئی ایسا عذاب نہ دے سکیگا اور نہ اللہ سبحانہ کے بندھن کی طرح دوسرا کوئی اس کو باندھ سکتا ہے" یعنی یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ سزا کے بھی مدارج ہیں۔ ایک سزا وہ ہے جو زبانیہ (دوزخ کے فرشتوں) کے ذریعہ دی جاتی ہے اور دوسری وہ جو منتقم حقیقی خود ہی دوسروں کے واسطے کے بغیر سزا دے تو ظاہر ہے کہ منتقم حقیقی کی سزا کے برابر کسی اور کی سزا کب ہوسکتی ہے۔ یہ علامت اس امر کی ہے کہ مکذبین یعنی کتاب اللہ اور اسکے پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کی سزا راست طور پر بلا واسطہ احدے دی جائے گی اور یہ اللہ سبحانہ کے کمال غضب کی دلیل ہے۔ اللّٰھم نخشیٰ عذابك ان عذابك بالكفار ملحق۔ الٰہی! ہم آپ کے عذاب سے ڈرتے ہیں یقیناً آپ کا عذاب کافروں کو لاحق ہوگا"

9-26 یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً
9-27 9-28 مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ اے باطمینان رہنے
9-29 8-30 والی!! پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی، پھر شامل ہو میرے
بندوں میں، اور داخل ہو میری جنت میں"

نفس مطمئنہ کا اعزاز کفار و مکذبین کا حال بیان کرنے کے بعد مومنین مصدقین
کے احوال شریفہ کا بیان فرمایا جا رہا ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ کفار کا بیان سننے کے بعد
سوال پیدا ہوتا تھا کہ کفار کو تو آخرت میں پچھتاوا رہیگا یٰلَیۡتَنِیۡ قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِیۡ
اے کاش! کہ میں آخرت کی زندگی کے لئے حسن عمل کا کچھ توشہ آیا بھیجا ہوتا" اور یہ
پچھتاوا ان کو کوئی نفع نہ دے گا۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے
ان کے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مومنین صالحین کا حال
کیا پوچھئے ہوان کے نفوس تو نفوس مطمئنہ تھے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔
آگاہ رہو کہ اللہ سبحانہ کی یاد سے دل سکون و اطمینان پاتے ہیں" وہ جب تک دنیا
میں تھے اللہ سبحانہ کی یاد کے بغیر ان کو چین ہی نہیں پڑتا تھا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے
کھاتے پیتے، سوتے جاگتے اللہ سبحانہ کی دھیان میں رہتے تھے۔ ان کو خطاب الٰہی
ہوگا:۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً
اے چین پکڑنے والی جان! رجوع ہو اپنے پرورد گار کی طرف، اس حال میں کہ تو اس سے
راضی وہ تجھ سے راضی" اس سے راضی ہونے کی صورت یہ تھی کہ یہ کلمہ اسکی رگ و پے
میں سرایت کیا ہوا تھا:۔ رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ
علیہ وسلم نبیا و رسولا۔ و بالقرآن اماما و بالکعبۃ قبلۃ و بالمومنین

کلھم اخوانا۔ ہم دل وجان سے خوش ہیں کہ اللہ سبحانہ ہمارا رب ہے اور اسلام ہمارا دین ہے، اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نبی و رسول ہیں اور قرآن کریم ہمارا امام و پیشوا ہے اور کعبۃ اللہ شریف ہمارا قبلۂ توجہ ہے اور تمام اہل ایمان ہمارے بھائی ہیں" اور اللہ سبحانہ ان سے راضی وخوشنود اس طرح کہ بندے کی رضا، رب کی رضا کی موجب ہے۔ بلکہ حقیقت یوں ہے کہ بندے کی رضا اللہ سبحانہٗ کی رضا کا اثر اور نتیجہ ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بار بار ارشاد ربانی فرمایا گیا ہے:۔ رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ۔ اللہ ان سے رضامند ہوا اور وہ بھی اس سے رضامند ہوئے"

نفس مطمئنہ کی تفسیر نفس مطمئنہ سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ المؤمنۃ۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ضیاء مقدسی) مومن کامل کا نفس مراد ہے" اور دوسرے موقع پر فرمایا:۔ المصدّقۃ۔ (ابن جریر، ابن المنذر) اللہ سبحانہٗ کی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تصدیق کرنے والا" اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا:۔ التی ایقنت بان اللّٰہ ربّھا۔ (سعید بن منصور، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) نفس مطمئنہ وہ ہے جس کو یقین کامل حاصل ہو کہ اللہ سبحانہ تعالٰی ہی اس کا رب ہے" یعنی اللہ سبحانہ تعالٰی کی ذات ہی اس کی کارساز ہے۔ اسی سے

اس کو چین پڑتا ہے۔ اس کے بغیر اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مومن کو اللہ سبحانہ کی ربوبیت پر ایسا اعتماد و دل بستگی حاصل ہو جیسی کہ مچھلی کو پانی سے اور پرندے کو ہوا سے دل بستگی ہوتی ہے۔ اور یہ صفت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ نفس امّارہ رذائل سے پاک اور فضائل سے بہرہ کامل رکھتا ہو۔ اور یہ ممکن نہیں تاآنکہ تجلیات رحمانی کے ذریعہ اس کو فنافی اللہ اور بقا باللہ میسر ہو۔ یعنی نفس امارہ بالکلیہ فنا ہو کر نفس لوامہ کے درجہ سے گزر کر نفس مطمئنہ کی صفت اختیار کرلے۔ نفس امّارہ کا بیان سورۂ یوسفؑ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ المستعان۔

نفس لوامہ کا بیان

نفس کی ایک صفت نفس لوامہ کی ہوتی ہے۔ اس کا درجہ نفس امّارہ سے بالاتر اور نفس مطمئنہ کے تحت ہے۔ نفس لوّامہ رذائل سے بالکلیہ پاک تو نہیں ہوتا لیکن جب کبھی اس سے کوئی قابل ملامت حرکت صادر ہوتی ہے تو وہ اس حرکت پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو لوّامہ کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اذا سرّتك حسنتك وساءتك سيئتك فانت مؤمن۔ جب تم کو اپنی نیکی بھلی معلوم ہو اور اپنی برائی بری دکھائی دے تو اس حالت میں بھی تم صاحب ایمان ہو۔" لیکن کوئی انسان برائی کرے اور اپنی برائی اس کو بری دکھائی نہ دے بلکہ اس کو بھلی معلوم ہو تو یہ صورت بہت ہی خطرناک ہے۔

العیاذ باللہ۔ نفس لوامہ کی تفسیر سورۂ قیامہ کی ابتدا میں گزر چکی۔ وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

ارجعی الی ربك کی تفسیر اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ (اے اطمینان والی جان!) اپنے پروردگار کارساز کی طرف لوٹ جا۔ (جہاں سے تو آئی تھی) درحالیکہ تو اس سے راضی اور خوشنود اور وہ تجھ سے راضی اور خوشنود۔ تو دنیا میں جب تک تھی اسی تگ و دو میں لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح اپنے رب کی رضا و خوشنودی حاصل کروں اور یہاں وہ کام کرتی رہوں جس سے میرا رب راضی رہے۔ اب یہاں سے چلنے کی ٹھہری ہے تو تیرے رب نے جو تمام عالمین کا بھی رب ہے تیرے لئے وہ تمام انتظامات کر رکھے ہیں جن کو دیکھ کر قدم قدم پر تجھے خوشی اور مسرت حاصل ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی منقبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ نزلت هذه الآية وابوبكر جالس فقال يا رسول الله ما احسن هذا فقال اما انه سيقال لك هذا۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ضیا، مقدسی)

یہ آیہ کریمہ جس وقت نازل ہوئی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی وہاں حاضر تھے۔ اس کو سن کر عرض کیا کہ اللہ کے اے پیارے رسول! یہ کیا ہی بہتر خطاب ہے (جو پروردگار عالمین کی طرف سے اس کے بندوں کو فرمایا جارہا ہے) اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ (ابوبکر!) آگاہ رہو کہ عنقریب تمھیں بھی اس خطاب سے

مخاطب فرمایا جائے گا۔ اسی مضمون کی روایات حضرت سعید بن جبیرؓ سلیم بن ابی عامرؓ اور خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہیں جن کو عبد بن حمیدؒ ابن جریرؒ ابن ابی حاتمؒ ابن مردویہؒ ابونعیمؒ اور حکیم ترمذی نے اپنی کتب احادیث شریفہ میں نقل کیا ہے۔

حضرت ذوالنورینؓ کی فضیلت

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من یشتری بئر رومۃ نستعذب بھا غفر اللہ لہ فاشتراھا عثمان فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل لک ان تجعلھا سقایۃ للناس قال نعم فانزل اللہ فی عثمان یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ (ابن ابی حاتم) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو بئر رومہ کو خرید لے۔ ("بئر رومہ" مدینہ منورہ کے ایک کنویں کا نام ہے جس کا پانی اور باؤلیوں سے شیریں تر ہے) ہم اس کے میٹھے پانی سے مستفید ہوں گے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اس خریدار کو (اپنی رحمت کاملہ سے) بخش دیگا۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خرید لیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے ارشاد فرمایا کیا تم سب لوگوں کے لئے اس سے مستفید ہونے کا

موقع دیتے ہو؟ تو انھوں نے عرض کیا میں خوشی سے اس پر راضی ہوں۔ اس موقع پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں'' یہ تو شان نزول ہوا۔

رجوع کی کیفیت اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ تردّ الارواح یوم القیامۃ فی الاجساد۔ (ابن جریر) قیامت کے دن تمام روحیں (اپنے اپنے) اجسام میں داخل ہوں گی'' اور حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں:۔ یسیل وادمن اصل العرش فتنبت فیہ کل دابۃ علی وجہ الارض ثم تطیر الارواح فتؤمران تدخل الاجساد فھو قولہ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیہ۔ (ابن ابی حاتم) عرش اعظم کی اصل سے ایک ندی بہتی جائے گی جس کے بہاؤ سے روئے زمین کی ہر جان دار چیز از سر نو اُگ جائے گی پھر روحیں اڑ اڑ کر آئیں گی ان کو حکم ہوگا کہ وہ اپنے اپنے جسد میں داخل ہوں ارشاد باری تعالیٰ ارجعی الی ربك سے یہی مراد ہے''

تفسیر حضرت حسن بصریؒ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ان اللہ اذا اراد قبض عبدہ المؤمن اطمأنت النفس الیہ واطمأن الیھا ورضیت عن اللہ ورضی اللہ عنھا امر بقبضھا فادخلھا الجنۃ وجعلھا من عبادہ الصالحین (ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کو جب منظور ہوتا ہے کہ اپنے بندۂ مومن کی روح قبض

فرمائے تو بندے کا نفس اللہ سبحانہ کے حضور میں حاضری سے مطمئن ہوتا اور اللہ سبحانہ اس بندے سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ اس سے رضا مند ہو جاتے ہیں۔ اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کو جنت میں داخل کرتے اور اس کا شمار اپنے صالحین بندوں میں فرما دیتے ہیں۔"

تفسیر حضرت ابو صالحؒ حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں:۔ هذا عند الموت رجوعها الى ربها خروجها من الدنيا فاذا كان يوم القيامة قيل لها فادخلى فى عبادى وادخلى جنتى۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) ارجعی الی ربک کا یہ خطاب بندے کو اس کی وفات کے وقت فرمایا جاتا ہے۔ بندے کا اپنے رب کی طرف رجوع ہونا اس کا دنیا سے نکل جاتا ہے (جہاں وہ دنیا سے نکلا رب کی طرف رخ کیا) پھر جب قیامت کا دن ہو گا تو اس نفس سے کہا جائے گا (جو خوشی خوشی اپنے رب کی طرف رجوع ہوا تھا) میرے (مخلص) بندوں میں شامل ہو اور میری (پیدا کی ہوئی) جنت میں جا داخل ہو۔"

سوال منکر و نکیر کے وقت روح جسد میں رہتی ہے حضرت محمد بن کعب قرظیؒ نے فرمایا:۔ ان المؤمن اذا مات رأى منزله من الجنة فيقول تبارك وتعالى يا ايتها النفس المطمئنة ارجعى الى

جسدك الذی خرجت منہ راضیۃ ما رأیت من ثوابی مرضیا عنك حتی یسأ لك منکر ونکیر۔ (ابن المنذر) مومن اپنی وفات کے ساتھ ہی جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے اسوقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے اطمینان والی جان! اپنے جسد کی طرف لوٹ جا جس سے تو نکل آئی تھی۔ تو میرا ثواب دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی جا۔ تجھ سے ہم خوش ہوتے رہینگے۔ (اپنے جسد میں اسوقت تک ٹھہری رہ) تا آنکہ تجھ سے منکر ونکیر سوال کرلیں۔" اسکے بعد اپنے رب کی طرف رجوع ہونا ہوگا۔

مومن کو تین دفعہ خوشخبری حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں:۔ بشرت بالجنۃ عند الموت وعند البعث ویوم الجمع۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) نفوس مطمئنہ کو تین دفعہ جنت کی خوشخبری دیجاتی ہے۔ ایک تو اسکی وفات کے وقت، دوسری اسکے قبر سے زندہ ہوکر اٹھنے کے وقت اور تیسری تمام لوگوں کے ایک جگہ محشر میں جمع ہونے کے وقت۔" نفس مطمئنہ کو اسطرح جب تین دفعہ خوشخبری دیجاتی ہے تو یہ اس قابل ہے کہ اللہ سبحانہ سے اسکی درخواست کی جائے۔

نفس مطمئنہ کے حصول کیلئے دعا چنانچہ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل قل اللّٰھم انی اسئلك نفسا مطمئنۃ تؤمن بلقائك وترضی بقضائك وتقنع بعطائك۔ (طبرانی، ابن عساکر) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا تعلیم فرمائی یوں کہو کہ اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایسے اطمینان وچین والی جان مرحمت فرمایئے جو آپ سے ملنے کا یقین رکھتی ہو۔ اور آپکے حکم اور

فیصلے سے خوش اور رضامند ہے اور آپ کے دئے ہوئے پر قناعت کرے۔" یہ تین صفات جب کسی انسان میں جمع ہو جائیں تو اس کا نفس بھی نفوس مطمئنہ میں شامل ہوگا۔ اور یہ اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے کچھ بعید نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی وفات کا عجیب واقعہ

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: مات ابن عباس رضی اللہ عنہما بالطائف فجاء طیر لم یر علی خلقتہ فدخل نعشہ ثم لم یر خارجا منہ فلما دفن تلیت ھذہ الآیۃ علی شفیر القبر لا یدری من تلاھا یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ (ابن ابی حاتم، طبرانی)

طائف شریف میں حضرت حبر الامۃ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات ہوئی تو ایک عجیب پرندہ آیا جس کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا (کہ ایسا بھی کوئی خوبصورت پرندہ ہوتا ہے) اور آپ کے جنازے میں گھس گیا۔ پھر اس کو باہر آتا ہوا کسی نے نہیں دیکھا۔ جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو قبر کے کنارے پر یہ آیات کریمہ پڑھی گئیں مگر معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے پڑھیں۔ وہ سورۂ والفجر کی یہی آخری آیات ہیں: یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ "اے چین و سکون والی جان! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا درحالیکہ تو اس سے خوش ہے اور وہ تجھ سے رضامند ہے پھر میرے نیک بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو۔"

الحمد للہ کہ سورۂ والفجر کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

90 Balad Makky Verses 20

(۹۰)

سورۂ بلد

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور اس میں بیس آیتیں ہیں

سورۂ ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا ماقبل سے ربط و مناسبت اس طرح ہے کہ سورت ماقبل میں مال کی محبت کرنے والے اور بلالحاظ استحقاق وراثت یعنی مُردوں کا مال کھا جانے کی دھن رکھنے والے اور مسکین کے کھانے کے لئے دوسروں کو توجہ تک نہ دلانے والے کی مذمت بیان فرمائی گئی تھی۔ اب اس سورت شریفہ میں یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ دولت مندوں اور مالداروں کو کن اوصاف وخصائل کا حامل ہونا چاہیئے تاکہ وہی مال جو آخرت میں وبال جان بن رہا تھا ذریعہ نجات بن سکے۔ نیز سورت ماقبل کے اخیر میں نفس مطمئنہ کا بیان ہوا تھا۔ یہاں ان امور کا ذکر فرمایا جارہا ہے جس سے اطمینان نفس حاصل ہو۔ وباللہ التوفیق۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

90-1
90-2
لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ

90-3
90-4
وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ؕ مجھے قسم ہے اس شہر کی کہ آپ فروکش ہیں اس شہر میں اور قسم ہے جننے باپ کی اور قسم ہے اسکی اولاد کی بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو مشقت میں رہتا۔

ھذا البلد کی تفسیر ھذا البلد سے بلد الحرام حرمت والا شہر مکہ معظمہ مراد ہے اس مبارک و مقدس شہر کی قسم اس بنا پر ہے کہ آپ کے جد اعلیٰ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی دعا کے مطابق اللہ سبحانہ نے اس کو حرم آمن بنایا جہاں انسان تو انسان بلکہ جمادات نباتات اور حیوانات بھی مامون و مصئون ہیں۔ جہاں آپ کے جد امجد حضرت سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی نشو و نما ہوئی اور قیامت تک کے لئے وہیں آرام فرما ہیں۔ جہاں اللہ سبحانہ کا گھر ہے جو اہل مشرق و مغرب اور ساری دنیائے اسلام کا قبلہ و کعبہ ہے۔ عظیم الشان رکن اسلام حج وہیں ادا ہوتا ہے جس سے عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور یہاں کی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر اور ایک برائی بھی ایک لاکھ برائیوں کے برابر ہے۔ اور آسمان پر بیت المعمور اسی کے محاذ پر واقع ہے جس کا طواف روزانہ ستر ہزار فرشتے کرتے ہیں اور جب ایک دفعہ طواف کر لیتے ہیں تو دوبارہ طواف کی نوبت نہیں آنے پاتی۔ بلکہ دوسرے ہی فرشتے آتے ہیں۔ نیز وہاں صفا، مروہ، زمزم، مقام ابراہیم

حجر اسود وغیرہ آیات بینات اور شعائر اللہ ہیں۔ غور کرو کہ بلد الحرام کی اللہ سبحانہٗ کے نزدیک کیسی فضیلت ومنزلت ہے؟ یہ وہ مبارک مقامات ہیں جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

انت حِلّ کی تفسیر وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۔ درحالیکہ آپ فروکش ہیں اور رونق افروز ہیں اس شہر ہیں" یعنی اصل یہ ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ازل سے یہاں مقدر تھی اور آپ کی پاک زندگی کے (۵۳) سال یہیں بسر ہوئے۔ جس میں ولادت، رضاعت، طفولیت، شباب اور کہولت کے منازل طے کرتے ہوئے شیخوخت میں قدم رکھ چکے۔ مکہ مکرمہ کو شرف ذاتی جو حاصل تھا وہ تو تھا ہی اس پر مستزاد یہ کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم کا شرف بھی اس کو حاصل رہا تو اس کی فضیلت کا کیا ٹھکانا اور اس کی عظمت کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس بلد الحرام کی نہ صرف قسم کھائی گئی بلکہ قسم کی وجہ بھی ظاہر فرما دی گئی ہے کہ آپ کا نزول اجلال دراصل باعث ہے اس قسم کا اور ایسی موکہ قسم کے ذریعہ اس مقدس شہر کا اعزاز بڑھانے کا۔ ؎

اے کعبہ را زیُمنِ قدومِ تو صد شرف ۔۔۔ وے مروہ را ز مقدمِ پاکِ تو صد صفا

بطحا ز نورِ طلعتِ تو یافتہ فروغ ۔۔۔ یثرب ز خاکِ پائے تو با رونق و نوا

کفارِ مکہ پر طنز و تعریض نیز قریش مکہ کے حال پر اس ضمن میں تعریض اور طنز فرمایا جارہا ہے کہ اس مقدس شہر میں جہاں جمادات، نباتات، حیوانات کا احترام قائم ہے۔ اور ہر چیز مامون و مصئون ہے تعجب ہے کہ آپ کی ذات اقدس کے ساتھ ہر طرح کی ایذا رسانی روا رکھی جارہی ہے۔ یعنی حرمت تو رہی درکنار، بلکہ آپ کے ساتھ ہر قسم کی بدسلوکی اور ایذا رسانی کو حلال قرار دے رکھا ہے۔ اس مقدس شہر کو آپ کے وجود باجود سے جو شرف حاصل ہے اس کا اقتضا تو یہ تھا کہ آپ کی قدر کی جاتی مگر ان جاہلوں کو یہ کیا سوجھی ہے کہ آپ کو یہاں سے نکالنے یا معاذ اللہ قتل کر دینے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت شرجیل بن سعد اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: — یحرمون ان یقتلوا بھا الصید و یعضدوا بھا شجرۃ و یستحلّون اخراجك و قتالك۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر) ان کفار مکہ کو دیکھئے کہ وہ شکار کی جان لینے اور درخت کے کاٹ ڈالنے کو تو حرام مانتے ہیں اور اے نبی اکرم! آپ کو یہاں سے جلاوطن کرنے بلکہ قتل کر ڈالنے تک کو حلال جانتے ہیں۔" یہ تفسیر اس بنا پر ہے کہ انت حلّ سے خواہ حلول بمعنی نزول مراد لیا جائے یا حِلّ بمعنی حلال قرار دیا جائے جو حرام کی ضد ہے۔

حِلّ کی دوسری تفسیر دوسری تفسیر وہ ہے جو جمہور مفسرین سے منقول ہے کہ

حِلٌّ سے مراد یہ ہے کہ آپ اس بلد حرام کو حلال قرار دینے والے ہیں۔ یعنی حکم الہٰی سے ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ ان کفار مکہ کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے بلد حرام کو حلال قرار دیا جائے گا اور اس کے احترام کے احکام تھوڑی دیر کے لئے برخاست کر دئے جائیں گے۔ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں :۔

ان اللہ حرّم مکۃ یوم خلق السموات والارض فھی حرام الی ان تقوم الساعۃ لم تحلّ لبشر الا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساعۃ من نھار ولا یختلی خلاھا ولا یعضد عضاھا ولا ینفر صیدھا ولا تحلّ لقطتھا الّا لمعرّف۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو اسی دن سے قابلِ احترام قرار دیا جس دن کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا لہٰذا وہ تا ساعت قیامت قابل احترام ہے۔ کسی فرد بشر کے لئے اس کی پابندی برخاست نہیں کی گئی سوائے حضرت رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ دن کی ایک گھڑی کی حد تک آپ کے لئے اس کا احترام برخاست کیا گیا اور حلال قرار دیا گیا (کہ اس ایک ساعت میں آپ جو چاہیں کریں مکہ مکرمہ کا احترام یہ ہے کہ وہاں کی ایک سبز بوٹی بھی نہ توڑی جائے اور نہ ترو تازہ شاخ کاٹ لیجائے

اور نہ وہاں کے کسی شکار کو چھیڑا جائے اور نہ وہاں کی کوئی گری پڑی چیز اٹھائی جائے مگر تشہیر کرنے والے کے لئے اٹھانا جائز ہے۔ (تاکہ اس کے مالک تک اس کو پہنچا دیا جائے) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔ یکرہ نقل تراب الحرم واخراج الحجارۃ منہ لتعلق حرمۃ الحرم بھا ولا یکرہ نقل ماء زمزم للتبرک۔ حرم شریف کی خاک کو وہاں سے کسی اور جگہ منتقل کرنا اور وہاں کے پتھر کو نکال کر باہر لیجانا بھی مکروہ و ناجائز ہے کیونکہ حرم شریف کی حرمت وہاں کی خاک پاک اور پتھروں سے بھی متعلق ہے۔ ہاں آب زمزم کو تبرکاً منتقل کیا جا سکتا ہے۔"

حضور انور کی ایک خصوصیت بہر حال وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ کے ذریعہ حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبل از قبل یہ اطلاع فرما دی گئی کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ گھڑی بھر کے لئے مکہ مکرمہ کی حرمت اور یہ پابندیاں آپ کی خاطر برخاست کر دی جائیں گی۔ اس ساعت میں آپ جو چاہیں عمل فرمائیں آپ کے لئے حلال قطعی ہے چنانچہ یہ پیشین گوئی ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر پوری ہوئی۔ بلد الحرام میں معمولی سی خونریزی ہوی۔ اور ابن خطل نامی اشد کافر جو مسلمان ہو کر مرتد ہو چکا تھا اور بارگاہ رسالت میں گستاخانہ طرز اختیار کیا ہوا تھا کعبۃ اللہ شریف کے پردے میں لپٹا ہوا پایا گیا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم اقدس سے اسی حالت میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد پھر سے سابقہ احترام قیامت تک کے لئے قائم ہو گیا۔ اب کسی کے لئے احترام شکنی جائز نہیں ہو سکتی۔

ووالد وما ولد کی تفسیر وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۔ اور قسم ہے جنے باپ کی اور قسم ہے اس اولاد کی جس کو اس نے جنا" مفسرین کرام نے یہاں وَوَالِدٍ سے حضرت ابو البشر آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام اور وَمَا وَلَدَ سے آپ کی ذریت مراد لی ہے۔ اور بعضوں نے حضرت آدم ثانی نوح اور ان کی اولاد اور بعض نے حضرت ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپکی تمام اولاد یا مخصوص اولاد یعنی انبیاء علیہم السلام

یا اخص اولاد بلا واسطہ حضرت اسماعیل علیہ السلام یا بالواسطہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد لی ہے۔ اس اعتبار سے حضورؐ کی ذات اقدس کی قسم اس سورت شریفہ میں دو جگہ وارد ہوئی ہے جس سے مزید تشریف کا اظہار مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والد سے ہر جننے والا باپ اور ما ولد سے اس کی اولاد مراد لی جائے اور اس کو خطاب عام تصور کیا جائے۔

فی کبد کی تفسیر لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ۔ بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو مشقت میں۔" یہ آیہ کریمہ مذکورۃ الصدر تمام قسموں کا جواب ہے۔ گویا مذکورہ قسموں سے اس جواب قسم کی اہمیت کا اظہار مقصود ہے۔ حضرت حبر الامۃ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ فی شدۃ حملہ وولادتہ ورضاعتہ وفطامہ ومعاشہ وحیاتہ وموتہ۔ (مظہری) بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا تکلیف میں اس کے حمل کے اور ولادت کے، اور ایام رضاعت کے، اور اس کی دودھ چھڑائی کے۔ اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے، اور اس کے جینے اور مرنے کے۔" انسان کی آفرینش سے لے کر اس کے یہاں سے رخصت ہونے تک کے احوال پر نظر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ زندگی کے ہر دور میں ایک نہ ایک شدت، اور ایک نہ ایک مشقت سے سابقہ رہتا ہے۔ ۔

اگر دنیا نباشد دردمندیم دگر باشد بفکرش پائے بندیم

بچے کو ایک ایک دانت نکلتا ہے تو کیسی تکلیف رہتی ہے۔ پھر بڑھاپے میں جب وہی دانت گرنے لگتے ہیں تو کیا رنگ دکھاتے ہیں۔ اسی پر ہر تغیر کو قیاس کر لیجئے۔

کبد کی دوسری تفسیر صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ بار امانت مراد لینا چاہئے جس کے تحمل سے آسمان و زمین اور بڑے بڑے پہاڑوں نے انکار کیا تھا۔ او ظلوم وجہول انسان نے اس بار عظیم کو اٹھا لیا۔ اب اس تحمل امانت کے بموجب اس عہد کو پورا کیا تو کامیاب رہا اور اگر اس میثاق کو توڑ دیا تو اس کی زندگی ناکام رہی۔ رہے زندگی بھر کے تکالیف جو اوپر مذکور ہوئے' ان میں حیوانات بھی شریک ہیں۔ کچھ انسان کے ساتھ ان کی خصوصیت نہیں۔ البتہ یوں توجیہ کی جا سکتی ہے کہ حیوانات کو عقل نہیں اور انسان عاقل ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کو متوجہ کیا گیا۔ بہرحال اس آیہ کریمہ میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ احکام الٰہی کی تبلیغ میں جو تکالیف شاقہ آپ برداشت فرما رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں انسان دنیا میں آیا ہے تو ایسی مشقتوں سے اس کو سابقہ رہیگا۔ نبوت و رسالت کا بار نہ ہوتا تو بار امانت جس کا نوع انسان نے تحمل کیا ہے اس سلسلہ میں کوئی نہ کوئی مشقت برداشت کرنی پڑتی۔ اسی امر کے مدنظر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فرمایا کرتے :۔ نحن معاشر الانبیآء اشدّ الناس بلآء الامثل فالامثل۔
ہم گروہ انبیا ہیں۔ سب لوگوں کے مقابلہ میں ہمارا امتحان سخت تر ہے پھر جو امتحانات
اور آزمائشوں میں ہم سے جتنی جتنی مماثلت رکھتا ہے وہ اتنا ہی ہم سے قریب تر
اور مماثل تر ہے۔"

الانسان کی تفسیر بعض مفسرین کرام نے الانسان سے ابوالاشدین اسید بن
کلدہ مراد لیا ہے جو کفار مکہ میں بڑا پہلوان مانا جاتا تھا جس کا کچھ ذکر سورۂ قیامہ
کی تفسیر میں آیہ کریمہ علیہا تسعۃ عشر کے تحت آچکا ہے اس کی طاقت کا یہ حال
تھا کہ وہ ایک چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دوسروں سے کہتا کہ یہ چمڑا میرے پاؤں تلے
سے نکال لو۔ بڑے بڑے طاقتور اس چمڑے کو کھینچتے مگر اسید بن کلدہ کو اپنی جگہ سے
نہ ہٹا سکتے اور نہ چمڑے کو اس کے پاؤں کے نیچے سے نکال سکتے۔ شدت کشمکش سے
وہ چمڑا پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا مگر جو حصہ اس کے پاؤں کے نیچے رہتا وہ اس طرح
برقرار و قائم رہتا۔ اس صورت میں تفسیر یہ ہوگی کہ اس شخص کو جو رات دن جسمانی
ورزش اور تن پروری میں لگا ہوا ہے ہم نے ایسی ہی بے نتیجہ محنت میں ڈال رکھا ہے
تجربہ شاہد ہے کہ جب وقت آن پڑتا ہے تو عامۃ الناس ہی کچھ کام کر دکھاتے ہیں۔ رہے
یہ تن پرور جو سیروں دودھ پی جاتے اور کئی آدمیوں کی غذا اکیلے چٹ کر جاتے ہیں

دوسرے ان کی صورت ہی دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

فی کبد کی تیسری تفسیر

حضرت ابن عباسؓ سے فی کبد کی تفسیر یہ بھی مروی ہے:۔ فی اعتدال وانتصاب۔ (ابن جریرؒ طبرانی) یعنی ہم نے انسان کو معتدل الاعضاء اور سیدھا کھڑا ہونے والا بنایا ہے" دوسرے جاندار جھکے ہوئے بنائے گئے ہیں، تمام حیوانات میں ایک انسان ہی ایسا ہے جو راست قامت ہے۔ یہ اشارہ ہے اس جانب کہ اس کو ہر کام میں راستی اختیار کرنی چاہیئے کہ یہی شیوۂ انسانیت ہے۔ اس اعتبار سے یہ آیۂ کریمہ ارشاد باری تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کے ہم معنی ہوگی کہ ہم نے انسان کو بہترین قامت اور ٹھیک انداز پر پیدا کیا ہے"۔

90-5 أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۝ يَقُولُ أَهْلَكْتُ
90-6
90-7 مَالًا لُّبَدًا ۝ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۝ کیا وہ انسان خیال
کرتا ہے کہ قابو نہ پا سکیگا اس پر کوئی، کہتا ہے کہ برباد کیا میں نے مال ڈھیروں کیا
وہ خیال کرتا ہے کہ نہ دیکھ سکا اس کو کوئی بھی؟

زور آور کا پندار اور مالدار کا گھمنڈ

یعنی انسان جب طرح طرح کی مشقتوں میں گھرا ہوا ہے اور اس احاطہ سے نکل نہیں سکتا تو اس کا اقتضا یہ تھا کہ وہ اپنی

زندگی کا محتاط طریقہ اختیار کرتا۔ ہر امر میں سمجھ بوجھ سے کام لیتا مطیع و فرماں بردار بنا رہتا، نافرمانی اور سرکشی سے دور رہتا، نیکی کی راہ دکھائی جاتی یا نصیحت کا کلمہ سُن پاتا تو اس کی قدر کرتا۔ مگر مشاہدہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ کوئی زور آور ہے تو اس کا پندار یہ ہے کہ اس کا مدمقابل کوئی نہیں اور نہ اس پر کسی کا بس چل سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ جس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان اور ساری کائنات کی زمام ہے اس کے آگے کسی انسان ضعیف البنیان پر قابو پانا کیا مشکل ہے؟ اور کوئی مالدار ہے تو اپنے تمول کے گھمنڈ میں یہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال برباد کر دیا۔

ولید بن مغیرہ اور حارث بن نوفل کے احوال

ولید بن مغیرہ قریش میں بہت مالدار شخص تھا۔ تھا تو بخیل، مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو سخت عداوت تھی۔ اس عداوت کے جوش میں بہت کچھ خرچ کر دیتا۔ اور فخریہ بیان کرتا کہ میں نے اتنا روپیہ ان کی وجہ سے برباد کر دیا ہے اور ایسی لاف زنی کو اپنا بڑا کارنامہ بتلاتا تھا۔ اسی طرح حارث بن نوفل نامی ایک مالدار شخص تھا۔ کچھ غلطیاں سرزد ہوتیں تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتا اور اپنی غلطیوں کو پیش کرتا، آپ اس کا کچھ کفارہ تجویز فرماتے۔ وہ

آپ کی ہدایت کے مطابق کفارہ دے دیا کرتا۔ اور آخر پر کہتا کہ ان کے پیچھے میں نے بہت کچھ برباد کیا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اسی قماش کے اور بھی لوگ تھے جو بڑے مبالغہ کے ساتھ شیخی بازی کیا کرتے۔ ممکن ہے کہ یہ آیات کریمہ ان تمام لوگوں کے جواب میں نازل ہوئی ہوں جن میں ارشاد باری ہو رہا ہے کہ انسان کا کیا یہ خیال ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟ اس جواب کے کئی پہلو ہیں مثلاً کسی نے خرچ ہی نہیں کیا یا تھوڑا خرچ کیا اور بہت خرچ کرنا بیان کیا۔ یا یہ کہ حضور اکرم کی مخالفت میں خرچ کیا اور انکار کیا کہ خرچ نہیں کیا۔ ان سب کا جواب یوں دیا جا رہا ہے کہ انسان کیا یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں؟ اللہ سبحانہ اسکو خوب دیکھتا اور جانتا ہے۔ اس کی نظر سے کوئی چھپ نہیں سکتا۔ پھر اس کی مزید وضاحت آگے آ رہی ہے۔

(البلد ۹۰: ۸ تا ۱۰)
90-8
90-9
90-10

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ‏ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ‏ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ‏ ”کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کی دو آنکھیں، اور زبان اور دو ہونٹ، اور دکھلا دیں اس کو دو راہیں۔“

المْ نجعل له عينين کی تفسیر

ارشاد ہو رہا ہے: اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ۔ کیا ہم نے اس انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟

یعنی ضرور بنائی ہیں۔ جب اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو دو آنکھیں دی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ گرد و پیش کی چیزوں کو دیکھ سکے تو اس سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آ گئی کہ دوسروں کو بینا بنانے والا خود بھی خوب دیکھنے والا ہے۔ ایسا دیکھنے والا کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ہمارے دیکھنے کا حال یہ ہے کہ ہماری آنکھ کھلی ہوئی ہو۔ اور دکھائی دینے والی چیز ہماری آنکھوں کے سامنے ہو، درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ آنکھ کی روشنی کے علاوہ دیکھی جانے والی چیز بھی روشنی میں ہو۔ تاریکی میں ہو تو پھر وہ چیز نظر نہیں آ سکتی۔ اللہ سبحانہ کو ان تمام چیزوں کی ضرورت ہی نہیں نہ اس کو ہماری طرح آنکھ کی ضرورت ہے۔ نہ اس کے کھلے رہنے کی، نہ دکھائی دینے والی چیز سامنے ہونے کی ضرورت ہے نہ اس کی نظر کے درمیان کوئی شئے حائل ہو سکتی ہے۔ نہ تاریکی اس کے لئے مانع ہو سکتی ہے۔

ولسانا و شفتین کی تفسیر

وَلِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ ۔ اور (کیا نہیں بنائی ہم نے اس کے بولنے کے لئے) زبان اور دو ہونٹ "۔ یعنی بے شک زبان بھی بنائی اور دو ہونٹ بھی دئے۔ بولنے اور کھانے پینے میں ان دونوں اعضاء سے بڑی مدد ملتی ہے۔ بولنے کا دارومدار اگرچہ زبان پر ہے مگر ہونٹوں کی مدد کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ رہا کھانا پینا اس کی تکمیل بھی زبان اور ہونٹوں کی

مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ان کی مدد لازمی ہے۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ حضور رسالتمآب
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یقول اللہ یا ابن آدم قد انعمت
علیک نعما عظاما لا تحصی عدھا ولا تطیق شکرھا وان مما انعمت
علیک ان جعلت لک عینین تنظر بھما وجعلت لھما غطاء فانظر
بعینیک فیما احللت لک فان رأیت ما حرمت علیک فاطبق علیھما
غطاء ھما وجعلت لک لسانا وجعلت لہ غلافا فانطق بما امرتک
واحللت لک فان عرض لک ما حرمت علیک فاغلق علیک
لسانک ...... ابن آدم انک لا تحمل سخطی ولا تستطیع انتقامی۔
(ابن عساکر) اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم! میں نے تجھے بڑی بڑی
نعمتوں سے سرفراز کیا ہے جن کو تو شمار تک نہیں کر سکتا اور نہ ان کا شکر بجالانے کی
تو طاقت رکھ سکتا ہے۔ منجملہ ان کے میں نے تجھے دو آنکھیں دی ہیں جن سے تو دیکھتا
ہے اور ان دونوں پر ایک ایک اوٹ لگا دیا ہے لہذا ان آنکھوں سے ان
چیزوں کو دیکھا کر جن کا دیکھنا میں نے تیرے حق میں حلال قرار دیا ہے۔ اور
اگر کبھی ایسی چیز کے دیکھنے کی نوبت آئے جس کو میں نے حرام ٹھہرایا ہے تو آنکھوں
کو اوٹ سے بند کر لے۔ اسی طرح میں نے تجھے زبان دی ہے اور اس پر بھی ایک

غلاف چڑھا دیا ہے۔ لہٰذا زبان سے وہی بول جس کا میں نے تجھے حکم دیا ہے یا جس کا بولنا حلال قرار دیا ہے۔ اور اگر کبھی حرام بات چیت کی نوبت آن پہنچے تو (ہونٹوں کا) غلاف اس پر چڑھا دیا کر۔ (تاکہ حرام سے تو محفوظ رہ سکے) اے ابن آدم! تو میرے غضب کا بار برداشت نہیں کر سکتا۔ اور نہ میرے انتقام کی تاب لا سکتا ہے"

ھدینٰہ النجدین کی تفسیر

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ اور ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھا دیں" یعنی خیر و شر یا ہدایت و ضلالت کی راہ دکھا دی۔ اور تمیز کرادی کہ اس میں اے انسان! تیری بھلائی ہے اور اگر تو دوسری راہ اختیار کریگا تو وہ تیرے حق میں برا ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وھدینٰہ النجدین کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ سبیل الخیر والشر۔ (عبدالرزاق، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ) راہ خیر کی اور شر کی۔ یعنی بھلائی کی اور برائی کی" اور حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الھدیٰ والضلالۃ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی یہ ہدایت کا راستہ ہے اور وہ گمراہی کا" یہ رہنمائی اجمالی طور پر ہر انسان کو نور عقل و فہم کی بدولت حاصل ہوتی ہے اور فطرتِ انسانی خود اس جانب رہبری کرتی ہے۔ پھر آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کی تعلیمات کے ذریعہ تفصیلی علم کرایا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ذکر لنا ان النبی

صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول ایھا الناس انما ھما نجدان نجد الخیر ونجد الشر فما جعل نجد الشر احب الیکم من نجد الخیر۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن مردویہ) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آیہ کریمہ وھدینٰہ النجدین کی تفسیر میں) اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! وہ صرف دو ہی راستے ہیں۔ ایک راستہ خیر کا اور دوسرا راستہ شر کا۔ کچھ شر کے راستے کو تمہارے نزدیک خیر کے راستہ سے زیادہ ترمحبوب اور پسندیدہ نہیں بنایا ہے" کہ خواہ مخواہ خیر کی راہ چھوڑ کر شر کی راہ اختیار کرو بلکہ دونوں کو مساوی اور بلکہ خیر کا پلہ جھکا ہوا ہی دکھایا گیا ہے تاکہ خیر کی طرف مائل رہو اور شر سے دور رہو۔

نجدین کی دوسری تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے نجدین کی تفسیر ایک اور بھی مروی ہے۔ چنانچہ آپ نے ھدینٰہ النجدین کی تفسیر میں فرمایا:۔ الثدیین۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) اس روایت کی رو سے تفسیر یوں ہوگی کہ ہم نے انسان کو اپنی ماں کی پستان سے دودھ پینے کی راہ سجھائی" نومولود کو اس کے قیام و بقا اور تحصیل غذا کی یہ صورت دکھانا بھی اللہ سبحانہ کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ ہمارے سوا ایسی ننھی سی جان کو دودھ پینے کا طریقہ سمجھانا اور کس کا کام ہو سکتا ہے؟ اور یہ حالت ہر کس و ناکس پر گزر چکی ہے تو

اے انسان! کیا ہمارے اس احسان کو بھی یاد نہیں رکھتا اور ہماری قدرت کا قائل نہیں ہوتا؟

0-13 90-9 فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ 90-11 90-12
0-15 رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ 90-14
أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ پھر کیوں نہیں گھس پڑا گھاٹی میں، اور آپ کو کیا معلوم 90-16
کہ گھاٹی کیا ہے، چھڑانا ہے گردن کا یا کھلانا ہے بھوک کے دن میں یتیم کو جو قرابت والا ہے
یا محتاج کو جو خاک پر پڑا ہوا ہے۔

عقبہ کی تفسیر یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے پیدا کیا، صاحب اولاد بنایا، قوی اور زور آور بنایا، دولت سے مالا مال کیا، ہر طرح کا امن و چین نصیب فرمایا آنکھیں دیں، بولنے کے لئے زبان دی، ہونٹ دئے۔ ہر نوع کی صلاحیتیں بخشیں تو ان تمام نعمتوں سے سرفراز ہو کر آخرت کی گھاٹی اور دشوار گزار مقامات کو طے کرنا چاہئے تھا۔ ان نعمتوں کے ذریعہ یہ مرحلہ بآسانی طے ہو سکتا تھا اس کو طے کرنے کی فکر کرنی چاہئے تھی۔ وہ گھاٹی کیا ہے۔ ہم اس کی وضاحت بھی کئے دیتے ہیں۔ وہ دو اور صرف دو باتیں ہیں۔ اتنی زیادہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے بتائے ہوئے یہ دو کام کر لینے چنداں دشوار نہیں۔ اگر وہ دو کام یا ان میں سے ایک کو بھی انجام دیا

جاننا تو تمہارا نام ان لوگوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا جو ان سب نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے ہیں۔ ایک کام یہ کہ کسی کی گردن کسی کی غلامی میں پھنسی ہوئی ہے تو اس کو غلامی سے چھڑا کر اس کی فطری آزادی کو بحال کر دینا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من اعتق رقبة مومنة اعتق الله بكل عضو منها عضوا منه من النار (ابن ابی شیبہ، امام احمد، بخاری، مسلم، ابن مردویہ) جس کسی نے ایک مسلمان کی گردن غلامی سے آزاد کرادی تو اللہ سبحانہ اسکے ہر عضو کے بدلے آزاد کنندہ کے ہر عضو کو دوزخ سے آزادی بخشتا ہے۔ فی زماننا اگر غلامی باقی نہیں رہی تو اگر کوئی کسی کا مدیون ہوگا اور ادائے دین اسکی طاقت سے باہر ہوگا آپ اسکی کلی یا جزوی مدد کر دیتے۔ یا کسی کے ذمہ جرمانہ یا ڈنڈ یا اور کسی نوع کی بھرپائی عاید ہو تو اس سے اسکو نجات دلا دیتے۔ خواہ کچھ مال دیکر، یا اپنی سعی و سفارش کے ذریعہ یا اپنی قوت بازو اور ہاتھ پاؤں کی مدد سے اس کا کام آپ انجام دیتے تو ہم آپ سے خوش ہو جاتے اور ہماری خوشنودی تمہاری نجات کی ضامن ہوتی۔ دوسرا کام یہ کسی محتاج کو کم از کم کھانا ہی کھلا دیتے ایسے دنوں میں جبکہ قحط سالی یا شدت گرانی یا بے روزگاری وغیرہ عام ہو۔ وہ محتاج خواہ کوئی آپ کے خاندان یا قرابت والوں کا یتیم ہو جس کی نابالغی ہی کے زمانہ میں اس کے باپ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ چکا ہو یا کوئی اور نادار ہو جو بے سہارا ہو کر بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو کر مٹی پر پڑا ہوا ہو

یا غریب الوطن مسافر ہو۔ اس میں طالبان علوم دینیہ بھی داخل ہیں جو تحصیل علم دین کیلئے اپنے وطن چھوڑ کر پردیس میں علم حاصل کر رہے ہوں۔ یہ دوسری صورت پہلی کے مقابلے میں سہل اور بہت ہی آسان ہے۔ اگر تم یتیم پر ترس کھاکر یا محتاج پر رحم کرکے اس کے کھانے کی سہولت پیدا کردیتے خواہ مستقل یا عارضی یا اس کو روزگار ہی سے لگا دیتے تو اس ذریعہ سے بھی ہماری خوشنودی حاصل کرسکتے تھے اور یہی تمہاری نجات کا ذریعہ ہوتی۔ اتنا معمولی سا کام تمہارے لئے کچھ دشوار نہ تھا۔ ایسا کیوں نہ کیا؟ یا کم از کم اس کو دلاسا دیدیتے اور آئندہ کی امید دلاتے مثلاً یوں کہتے کہ تم تنخواہ پر ہم سے ملنا۔ یا فصل وغیرہ کے موقع پر آنا۔

17 ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝
18 أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ پھر ہوتا وہ ایمان والوں میں جو تاکید کرتے ہیں آپس
میں صبر کی اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی' وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے۔"

قبولیت عمل کیلئے ایمان شرط ہے ہاں اس گھاٹی کو طے کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اللہ سبحانہ پر اور اسکی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاتا تو اس کا بیڑا پار ہوتا کیونکہ اعمال صالحہ کی قبولیت موقوف و منحصر ہے ایمان پر۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں کافر دنیا میں رہ کر کتنے ہی اعمال صالحہ کرتا ہے اس کے اعمال کا کوئی وزن نہیں کیوں کہ کافر خدا کا باغی ہے۔ اور باغی کے اچھے کام کی کوئی قدر و قیمت نہیں مقبولیت اس کے

نصیب ہی میں نہیں جب تک کہ وہ بغاوت سے توبہ نہ کرلے۔ ایمان والوں کی صفت یہ ہے کہ وہ طاعات کی بجاآوری اور معصیت سے دور رہنے میں جو مشکلات انسان کو درپیش ہوتے ہیں ان پر صبر و تحمل سے کام لینے کی آپس میں تاکید کرتے رہتے ہیں اور ہر قوی و توانا اپنے ضعفاء اور ناتوانوں پر رحم کھانے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بڑے میمون و مبارک ہیں۔ جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیے جائیں گے اور جن کو قیامت میں عرش اعظم کی داہنی جانب اسکے سایہ میں جگہ دیجائیگی۔ اللھم اجعلنا منھم آمین

0-19 وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ
0-20 مُّؤْصَدَةٌ ۝ع اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے وہ ہیں کم بختی والے، مسلط ہے ان پر دوزخ، جسکے دروازے (ہر طرف سے) بند ہوں گے۔"

ع ۲۰ ۱۵

جواہر البیان (۱۹ تا ۲۰)

کفار کا انجام رہا دوسرا گروہ جو اللہ سبحانہ کی مذکورہ نعمتوں سے متمتع ہوکر بھی ان کا شکر ادا نہ کیا یعنی ان کی طاقت و توانائی، مال و دولت، آنکھ، زبان، ہونٹ اور دیگر صلاحیتوں کو مخلوق خدا، جو عیال اللہ ہیں اور وہ خود انھیں کے بنی نوع ہیں اور ان میں بھی بعض ان کے اہل قرابت ہیں، ان کی کسی طرح دستگیری کرکے نہ قرابت کا حق ادا کیا اور نہ کسی مسکین، مسافر، محتاج و نادار، طالب علم کی خدمت کرکے اللہ سبحانہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا بلکہ اللہ سبحانہ اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں اور بھیجے ہوئے

رسولوں کا منکر بنا رہا تو ایسے لوگ در اصل نہایت ہی کم بخت اور بد نصیب ہیں جو دو روزہ دنیا کی فانی نعمتوں پر اتراتے رہے۔ درحالیکہ وہ ان نعمتوں کے ذریعہ ابدالآباد قائم و برقرار رہنے والی بے شمار نعمتوں کے حق دار ہو سکتے تھے تو اس سے بڑھ کر بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے؟ قیامت کے دن نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ جو علامت ہوگی اس امر کی کہ ان پر دوزخ کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلط ہو چکا ہے۔ ان کو دوزخ میں جھونک کر اس کے دروازے ہر سمت سے بند کر دئے جائیں گے تاکہ وہ اس سے کبھی نکل نہ سکیں اور وہ اسی میں دم بخت ہو کر اپنے کئے کی سزا بھگتتے رہیں۔ کبھی بھی ان کو دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ وہ اس میں واویلا کرتے رہیں گے مگر ان کی کچھ بھی شنوائی نہ ہوگی جیسا کہ اللہ سبحانہ کے احکام اس کی آیات اور اس کے رسولوں کی ہدایات اور نصیحتوں کو ماننے سے مدۃ العمر دنیا میں منکر بنے ہوئے تھے۔ العیاذ باللہ والحفیظ الامان۔

الحمد للہ والمنۃ کہ سورۂ بلد کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد سید المرسلین وعلی آلہ و اصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

91 Shams Makky Verses 15

(۹۱)

سُورۂ شمس

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اور اس میں پندرہ آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کو ماقبل سورت کے ساتھ کئی طرح سے مناسبت ہے۔ ایک یہ کہ سورت ماقبل کا آغاز چند عظیم الشان قسموں کے ذریعہ ہوا تھا۔ اس سورت شریفہ کا آغاز بھی چند قسموں کے ذریعہ فرمایا جارہا ہے جو بجائے خود مہتم بالشان ہیں۔ دیگر یہ کہ ماقبل سورت کو اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کے بیان پر ختم کیا گیا تھا۔ اس سورت شریفہ میں قد افلح من زکاھا وقد خاب من دسّاھا کے ذریعہ فریقین کا بیان فرمایا جارہا ہے۔ نیز سورۂ ماقبل میں فھدیناہ النجدین ارشاد ہوا تھا۔ یہاں اسی کے ہم معنی فالھمھا فجورھا وتقواھا ارشاد ہورہا ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ ماقبل کا اختتام کفار کے احوال آخرت کے بیان پر ہوا تھا اس سورت شریفہ کا اختتام کفار کے احوال دنیا کے بیان پر ہورہا ہے۔ واللہ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

91-3 وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا 91-1 91-2
91-6 جَلّٰهَا ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝ وَالْاَرْضِ 91-4 91-5
91-7 وَمَا طَحٰهَا ۝ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ 91-8
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ قسم ہے سورج کی 91-9 91-10
اور اس کی دھوپ چڑھنے کی، اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے، اور دن کی جب
اس کو چمکائے، اور رات کی جب اس کو ڈھانک لے، اور آسمان کی اور جیسا کہ
اس کو بنایا، اور زمین کی اور جیسا کہ اس کو پھیلایا، اور جان کی اور جیسا کہ اس کو
ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی اس کو اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری کی، بیشک
مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا، اور تحقیق نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملایا۔

والشمس وضحاھا کی تفسیر عالم علوی کی سب سے بڑی آیت، (اللہ سبحانہ کی قدرت کی نشانی) جس کو کائنات ارضی کی ہر چھوٹی بڑی مخلوق روزانہ محسوس و مشاہدہ کرتی رہتی ہے یعنی آفتاب عالمتاب کی قسم دی جا رہی ہے اور اس کو آگے آنے والے دعوے کا گواہ ٹھہرایا جا رہا ہے اور ارشاد ہو رہا ہے: ـــــ

والشمس وضحاھا۔ قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ چڑھنے کی۔ کہ جب آفتاب، آسمان کے کنارے سے طلوع ہوتا دکھائی دیتا ہے اور شدہ شدہ اس کی

دھوپ چڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ چاشت کا وقت آجاتا ہے تو ہر کوئی اس کو دیکھنے لگتا ہے اور اس کی دھوپ اور روشنی کو محسوس کرتا اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ آفتاب گواہ ہے اور اس کی چڑھتی ہوئی دھوپ بھی گواہ ہے۔

والقمر اذا تلاھا کی تفسیر | وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰھَا۔ اسی طرح عالم علوی کی دوسری آیت (چاند) جو اگرچہ سورج سے حجم میں کم لیکن عالم علوی کی دوسری آیات محسوسہ سے وہ بھی بہت بڑی ہے۔ یعنی چاند کی بھی قسم ہے جبکہ وہ آفتاب کے غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتا اور اس کے پیچھے پیچھے رواں ہوتا ہے۔ وہ بھی گواہ ہے آئندہ آنے والے دعوے کی صداقت کا۔ چاند کا آفتاب کے غروب ہونے کے بعد آسمان پر نمودار ہونا' ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے چودہ تاریخ تک ہمیشہ محسوس و مشاہد ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ہلال سے بدر کامل ہونے تک کا یہ سلسلہ نصف مہینے تک برابر جاری رہتا ہے۔ اور چاند کی یہ روشنی نور آفتاب ہی کا عکس ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے :۔ نور القمر مستفاد من نور الشمس۔ چاند کی یہ روشنی آفتاب ہی کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے" غرض سورج اور چاند عالم علوی کے دو بڑے گواہ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ سورج میں جلالی شان ہے اور چاند میں جمالی۔

والنھار اذا جلاھا کی تفسیر | وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰھَا۔ اور قسم ہے دن کی

جب کہ وہ آفتاب کو چمکائے" یعنی طلوع آفتاب کے ساتھ جیسا جیسا دن چڑھتا جاتا ہے تو آفتاب کی چمک دمک بڑھتی جاتی ہے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ آفتاب پر آنکھ نہیں ٹھہر سکتی۔ دھوپ کی تمازت اور روشنی کی شدت سے آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ روز روشن بھی ہمارے آنے والے دعوے کا بیّن ثبوت ہے۔ جس میں انکار کی گنجایش ہی نہیں۔

والیل اذا یغشٰھا کی تفسیر وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشَاھَا۔ اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ آفتاب کو چھپا دیتی ہے" یعنی ادھر روز روشن ختم ہوا ادھر رات نمودار ہوئی۔ اور رات نے آفتاب پر اور اس کی پوری روشنی پر تاریکی اور ظلمت کی سیاہ چادر اُڑھا دی۔ اب نہ وہ روشنی ہے اور نہ وہ حرارت و تمازت، بلکہ جس قدر چیزیں اس کی روشنی میں نمودار ہوی تھیں وہ سب سمٹ کر اپنی اپنی جگہ پہنچ گئیں۔ اب شب دیجور کا ایک سناٹا ہے۔ کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ یہ رات جو روز روشن کی ضد اور اس کی سلبی صورت ہے یہ بھی ہمارے آگے آنے والے دعوے کے ثبوت کی شاہد ہے۔

والسماء وما بناھا کی تفسیر وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنَاھَا۔ اور قسم ہے آسمان کی اور جیسا کہ اس کو بنایا اس کی بھی قسم ہے" آفتاب اور چاند عالم علوی کی سب سے بڑی آیات محسوسہ و مشاہدہ کے علاوہ، آسمان بھی اسی عالم کی ان دونوں آیات سے

کھلی بڑی آیت ہے جو خداوند تعالیٰ شانہ کی قدرت کی زبردست نشانی ہے جس کا مشاہدہ آنکھ کھلنے کے ساتھ ہی ہر فرد بشر کو ہوتا ہے اور جس میں سورج اور چاند کی روانی ہے۔ اور جس میں ایسے کروڑوں چاند سورج سما سکتے ہیں۔ یہ آسمان بھی ہمارے آنیوالے دعوے کی سچائی کا گواہ ہے۔ نیز اس آسمان کی بناوٹ بھی گواہ ہے۔ آسمان کی بناوٹ کیسی ہوی اس کا بیان قرآن کریم میں دوسری جگہ آیا ہے ارشاد ہے:۔ انّ السموات والارض کانتا رتقا ففتقنا ھما۔ آسمان اور زمین ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے پھر ہم نے ان کو چیر کر الگ کیا“ عالم علوی کا نام آسمان اور سفلی کا نام زمین قرار پایا۔ ان دونوں میں لاکھوں کروڑوں میل کا فصل پیدا ہو گیا۔ پھر رفع السموات بغیر عمدٍ ترونھا۔ آسمانوں کو کسی ستون کے بغیر بلند کر دیا جس کو تم میں کا ہر شخص دیکھ رہا ہے۔ ویمسک السموات ان تقع علی الارض۔ اور آسمانوں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے روکے ہوئے ہے کہ مبادا کہیں زمین پر گر پڑے“ یہ ہے آسمان کی بناوٹ جو وہ بھی مستقل طور پر ایک گواہ ہے۔

والارض وما طحاھا کی تفسیر | وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا۔ اور قسم ہے زمین کی اور جیسا کہ اس کو پھیلایا“ یعنی زمین جس کا تعلق عالم سفلی سے ہے جس پر ہم سب

رہتے بستے، چلتے پھرتے، بیٹھتے لیٹتے، سوتے جاگتے اور سارے کاروبار کرتے ہیں۔ یہ بھی ہمارے دعوے کی کھلی شہادت زبان حال سے دے رہی ہے۔ پھر جیسا کہ اس کو بنانے والے نے بنایا پھر اس کو شرقاً غرباً شمالاً جنوباً ہر طرف پھیلا دیا ہے اس کا کچھ حصہ ارض معمور کہلاتا ہے اور اسی میں ہفت اقلیم کی تقسیم ہے اور بہت کچھ حصہ زیر آب ہے جس کو ارض مغمور کہتے ہیں۔ سمندروں سے لگا ہوا اور پانی میں ڈوبا ہوا۔ یہ بھی ایک مستقل گواہ ہے۔

ونفس وما سواها کی تفسیر وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا۔ اور قسم ہے جان اور جی کی۔ جس کی بدولت جیتا جاگتا انسان، چلتا پھرتا، کام کاج کرتا اور اپنی زندگی امن و چین کے ساتھ گزار رہا ہے۔ اور اسی کی خاطر یہ تمام کائنات ارضی و سماوی بنائی گئی ہے تاکہ اس کی ہر ہر چیز سے انسان فائدہ اٹھائے اور باری تعالیٰ شانہٗ کا شکر بجالائے۔ نیز جیسا کہ بنانے والے نے اس نفس کو ٹھیک طور پر بنایا۔ کہ ماتریٰ فی خلق الرحمان من تفاوت رحمٰن نے خلق کی تخلیق بغیر کسی نمونے اور مثال کے کچھ اس طرح فرمائی کہ تم کو اس میں کسی نوع کی کوئی خرابی یا خلل دکھائی نہیں دیگا۔"

آخری تین آیات کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے ان آخری تین آیات کریمہ یعنی والسمآء وما بناھا، والارض وما طحاھا

ونفس وما سوّاھا میں کلمۂ ما کو من کے معنی میں لیا ہے اس اعتبار سے ان کے معانی یہ ہوں گے کہ قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بنایا اور قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو پھیلایا اور قسم ہے جان اور جی کی اور اس ذات کی جس نے اس کو ٹھیک طور پر درست کیا" اور مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کو بنانے والا اور زمین کو پھیلانے والا اور نفس کو ٹھیک طرح درست کرنے والا جو حق سبحانہ تعالیٰ ہی ہے اس کی قسم۔ یہ معنی اور تفسیر بھی بجائے خود درست ہے واللہ اعلم۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ پھر سمجھ دی اس کو اس کی بدکاری کی اور اس کی پرہیزگاری کی" یعنی عقل و فہم دے کر انسان کو نیکی و بدی کا اجمالی علم کرا دیا۔ پھر رسولوں کو بھیجکر اور کتابیں نازل کرکے نیکی و بدی کا تفصیلی علم کرایا۔ اب انسان کا کام ہے کہ اپنی زندگی کے ہر مرحلہ میں نورِ عقل و فہم سے استفادہ کرے۔ نیز پیغمبروں کی ہدایات اور آسمانی کتابوں کی تعلیمات سے سبق حاصل کرتا جائے اور نفس امارہ کی خامیوں کو دور کرتا جائے۔ تا آنکہ اس کا نفس ہر قسم کی گندگی اور پلیدی سے پاک ہوکر نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کے درجہ پر فائز ہو۔

حضور اکرم کی ایک مناجات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :—

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فالھمھا فجورھا وتقواھا قال اللّٰھُمَّ آتِ نَفْسِی تَقْوَاھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکَّاھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا قال وھو فی الصلاۃ۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) ہیں نے حضرت نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ آیہ کریمہ فالھمھا فجورھا کی تلاوت فرماتے اور ساتھ ہی یہ دعا فرمایا کرتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ الٰہی! میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری مرحمت فرمائیے اور اس کا تزکیہ کیجئے کیونکہ آپ ہی سب سے بہتر اس کا تزکیہ فرمانے والے ہیں۔ اور آپ ہی اس کے حقیقی دوست اور اس کے آقا ہیں" حضرت حبر الامۃ ابن عباس اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے اور ان کی روایات مصنف ابن ابی شیبہ، مسند امام احمد رحمہ، صحیح مسلم، نسائی، طبرانی، ابن المنذر، ابن مردویہ میں مسطور ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی نے یہ بھی فرمایا کہ یہ مناجات حضور اکرم نے نماز ہی میں فرمائی" یہاں نماز سے رات کی نفل نماز (تہجد، اوابین وغیرہ) مراد ہے۔

قد افلح من زکاھا کی تفسیر

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ بے شک مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا" یعنی جو کوئی شخص نور عقل وفہم سے کام لے کر اور حضور انور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات، اور قرآن کریم کی تعلیمات سے سبق حاصل کر کے اپنے نفس کو برائیوں سے دور رکھا اور نیکیوں میں حصہ لیتا رہا تو اس کا نفس پاک ہوتا گیا اور وقتاً فوقتاً بلکہ آناً فاناً سنورتا گیا یہاں تک کہ وہ پوری طرح مزکّٰی و مصفّٰی ہو گیا اور جب اس طرح اس کے نفس کا تصفیہ و تزکیہ ہو چکا تو اس کی کامیابی میں کیا کلام رہا یقیناً وہ اپنی مراد کو پہنچا اور کامیاب ہوا۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ تزکیۂ نفس اور فلاحِ آخرت کا نمونہ اور مثال اگر دیکھنا چاہو تو اہلبیتؑ کرام و امہاتؓ المومنین کی سیرت طیبہ کو پیش نظر رکھو جن کی شان میں آیۂ تطہیر انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً نازل ہوئی کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ارادت ہی اے اہل بیت! تمہارے متعلق یہ ہے کہ تم سے ہر اس چیز کو دور کر دے جو تمہارے شایان شان نہیں اور تم کو خوب اچھی طرح طاہر و مطہر بنا دے۔" اور جن کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح من رکبھا نجا و من تخلف عنھا ھلک۔ میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے کہ اس میں جو کوئی سوار ہوا نجات پائی اور جو کوئی اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک و برباد ہوا۔" اسی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے

جن کی شان میں حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ۔ اللہ سبحانہ ان سے خوشنود اور وہ اللہ پاک سے راضی " اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :- اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم ۔ میرے اصحاب آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں یعنی یہ نجوم الارض (زمین کے تارے) ہیں ۔ ان میں سے تم جس کسی کی پیروی کروگے راہ راست پر رہوگے " اللھم ارزقنا حبّھم واقتداءھم ۔ آمین

من دساھا کی تفسیر | وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا ۔ اور بہ تحقیق نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملایا " یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے نور عقل وفہم سے ہر نفس کو بہرہ ور فرمایا تھا ۔ نیز پیغمبروں کی ہدایات اور کتاب اللہ کی تعلیمات سب کے لئے درس عبرت تھیں ۔ اگر چاہتے تو اپنی ذاتی صلاحیتوں اور حق سبحانہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی اور نازل کی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاکر اپنے نفس کو سنوار سکتے تھے لیکن بدبختی کو کیا کیا جائے کہ انھوں نے اپنی ساری صلاحیتوں اور استعداد کو خاک میں ملادیا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے دکھاتے اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں خائب وخاسر اور نامراد بنایا آگے ایسے نامراد افراد کی ایک مثال اور نمونۂ عبرت کے لئے دکھایا جارہا ہے ۔

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا

جواب قسم ہے ان تمام قسموں کا جو اوپر بیان ہوئیں۔ اور یہی وہ دعویٰ ہے جس کا وعدہ دیا گیا اور جس کی صداقت ظاہر کرنے اور اس کا ثبوت دینے کے لئے مذکورہ قسموں کے ذریعہ بیش از بیش اہتمام بلیغ فرمایا گیا ہے۔ یعنی آفتاب کی وہ شان جلالی' اور ماہتاب کی یہ شان جمالی' دن کی روشنی اور رات کی تاریکی' آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی' جس طرح ایک دوسرے کی ضد ہیں اسی طرح نفس انسانی میں نیکی کا رجحان اور بدی کا میلان' دونوں جمع ہیں اور نیکی و بدی بھی باہم متضاد کیفیات اور احوال ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

آدمی زادہ' طرفہ معجون است　　از فرشتہ سرشتہ' و ز حیواں

گر کند میل ایں' شود بداز یں　　ور کند شوق آں' شود بہ ازاں

انسان اگر اپنی خواہشات و اہواء کو عقل و فہم کا تابع نہیں بناتا اور جو جی میں آئے کرتا جاتا ہے تو یہ اپنے نفس کا بندہ بنا ہوا ہے۔ اس کا انجام جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ اور اس کا مقام اسفل سافلین ہوتا ہے اور اگر اپنی خواہشات و اہواء کو تابع عقل و فہم بناتا اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی پیروی کرتا جاتا ہے تو ملائکہ کرام کے درجہ سے بھی ترقی کرتا اور اعلیٰ علیین اس کا مقام قرار پاتا ہے۔ بس یہی ایک نکتہ ہے جس کو ذہن نشین کرانے کے لئے یہ تمہید اٹھائی گئی اور متعدد

متضاد قسموں کے ذریعہ یہ اہتمام فرمایا گیا ہے۔ آگے عبرت کے لئے ایک قوم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو تم سے پہلے بھی ایک قوم دنیا میں بستی تھی۔ دنیوی اعتبار سے بہت کچھ ترقی یافتہ بھی تھی۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک برگزیدہ رسول کو بھیجا تھا مگر قوم کی بدبختی کہ ان کی ہدایات کو نہ مانا پھر اس کا انجام کیا ہوا؟

91-11 91-12 كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰهَآ ۝ إِذِ انۢبَعَثَ أَشْقٰهَا ۝ فَقَالَ
91-13 لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ جھٹلایا ثمود نے اپنی سرکشی سے
جبکہ اٹھ کھڑا ہوا ان میں کا سب سے زیادہ بدبخت، پھر کہا ان کو اللہ کے رسول نے
کہ خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کے پانی پینے کی باری سے۔"

كذبت ثمود کی تفسیر قوم ثمود کا واقعہ کئی دفعہ گزر چکا ہے کہ یہ ایک شریر
91-8 اور سرکش قوم تھی۔ ان کی ہدایت کے لئے ان ہی کی برادری سے پیغمبر بھیجے گئے تھے
91-9
1-10 جب انھوں نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا اور خدائے واحد کو ماننے اور آخرت
کی یاددہانی کے لئے نصیحت کرنے لگے تو جواب دیا کہ انما انت من المسحرين
ما انت الا بشر مثلنا فأت بآية ان كنت من الصادقين آپ پر
جادو چڑھ گیا ہے۔ آپ تو ہم جیسے بشر ہیں۔ اگر آپ سچے رسول ہیں تو کوئی معجزہ

لائیے" اور مطالبہ کیا کہ فلاں چٹان سے ایک گابھن اونٹنی برآمد ہو جس کے حمل کی مدت پورے دس ماہ کی ہو اور وہ برآمد ہوتے ہی اپنے برابر بچہ دے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے روز روشن میں پوری قوم کے دیکھتے دیکھتے چٹان سے اونٹنی برآمد ہوی اور ساتھ ہی اپنی برابر بچہ دیا۔ پھر وہ اونٹنی وہاں کا تمام پانی پی گئی۔ قوم نے جب پانی کی شکایت کی تو آپ نے باری مقرر فرما دی کہ ایک دن اونٹنی پانی پیا کرے گی اور ایک دن ساری قوم سیراب ہوا کرے۔ قوم نے بدعہدی کرنا چاہی اور اس کے اشارے سے قدار بن سالف نامی جو سب سے زیادہ بدبخت تھا اونٹنی کے قتل کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو اللہ کے رسول جو حضرت صالح علیہ السلام تھے آگاہ فرما دیا کہ خبردار! اللہ کی اونٹنی سے تعرض نہ کیا جائے اور باری کے دن اس کو پانی پینے کا موقع دیا جائے۔ ورنہ اللہ کا عذاب آئے گا۔

ناقۃ اللہ کی وجہ تسمیہ اونٹنی کو ناقۃ اللہ یعنی اللہ سبحانہ کی اونٹنی اسلئے فرمایا کہ وہ اللہ کے حکم سے بطور معجزہ ظاہر ہوی ہے یوں تو کائنات کی ہر چیز اللہ کی ہے لیکن اللہ سبحانہ کی طرف اس کو خصوصیت کے ساتھ منسوب کرنا اونٹنی کی شان بڑھانے اور قوم کی نظر میں اس کی عظمت و وقعت قائم کرنا منظور تھا۔ جیسے بیت اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کا گھر تاکہ دوسرے گھروں پر اس کا شرف واضح

ہو جائے ۔ اور اللہ کے گھر کا ادب و احترام قائم ہے ۔

اشقی ثمود کون ہے حضرت عبد اللہ بن زمعہؓ فرماتے ہیں : خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر الناقۃ والذی عقرھا فقال اذا انبعث اشقاھا قال انبعث لھا رجل عارم عزیز منیع فی رھطہ مثل ابی زمعۃ ۔ (سعید بن منصور، امام احمدؒ، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ) حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں ناقۂ ثمود اور اس کو کاٹنے والے کا ذکر فرمایا چنانچہ آپ نے آیۂ اذا انبعث اشقاھا کی تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ ایک شریر خبیث تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا (کہ میں اس اونٹنی کا کام تمام کرتا ہوں) یہ شخص اپنی جماعت میں باعزت و شوکت تھا ۔ جیسا کہ قریش میں ابو زمعہ تھا ۔“ کہتے ہیں کہ قدار بن سالف کا رنگ سرخی و سیاہی ملا ہوا تھا اس کی آنکھیں نیلی اور کوتاہ قامت تھا ۔ ایسے لوگ غیر معمولی طور پر خبیث اور شریر ہوتے ہیں ۔

اس امت کا سب سے زیادہ شقی حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : —

یا علیّ اتدری من اشقی الاوّلین قال اللہ و رسولہ اعلم قال عاقر الناقۃ

قال اندری من اشقی الآخرین قال اللہ ورسولہ اعلم قال قاتلك ۔
(روح البیان) علی! کچھ جانتے ہو کہ اگلے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی کون تھا۔ آپ نے
عرض کیا کہ اللہ اور اس کے پیارے رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ
ناقہ ثمود کا قاتل۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ پچھلے لوگوں میں سب سے بڑا شقی کون
ہوگا؟ عرض کیا کہ اللہ اور اس کے پیارے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ
تمہارا قاتل ہے۔ ایک روایت حضرت عمار ابن یاسرؓ کی نسبت بھی اسی مضمون کی
آئی ہے جس کی ابن ابی حاتم ابن مردویہ بغوی اور ابونعیم نے روایت کی ہے۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دونوں پیشین گوئیاں تیس سال بعد من و
عن ظاہر ہوئیں۔ حضرت عمار ابن یاسرؓ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ اور حضرت
شاہ ولایتؓ کو ابن ملجم خارجی نے شہید کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ 91-14
فَسَوَّاهَا ۙ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ع پھر انہوں نے رسول اللہ کو جھٹلایا اور 91-15
اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں، پھر الٹ مارا ان پر ان کے پروردگار نے ان کے گناہ
کی وجہ سے پھر برابر کر دیا سب کو، اور وہ ڈرتا نہیں اس کے انجام سے۔"

قوم ثمود کا تکذیب کرنا اور اس کا انجام یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی

قوم کو خبردار کیا کہ اونٹنی تمھاری فرمائش پر آئی ہے گویا وہ تمھاری مہمان ہے۔ مہمان کی خاطرداری ضروری ہے لہذا اس کو نہ چھیڑو اور نہ اس کے پانی پینے کی باری میں مزاحمت کرو ورنہ تم پر اللہ کا عذاب آئے گا۔ اس بدبخت قوم نے پیغمبر کی پیشینگوئی کو جھٹلایا اور اشقی ثمود قدار بن سالف نے اپنے چند ساتھیوں کو لے کر اونٹنی کو گھیرا اور اس کی کوچیں کاٹ دیں یعنی پاؤں کے ٹانچے کاٹ ڈالے۔ پھر کیا تھا کہ غضب الٰہی جوش میں آیا اور اس قوم پر عذاب استیصال مسلط ہو گیا۔ جبرئیل علیہ السلام حکم الٰہی سے آئے اور ایک زور کی چیخ لگائی کہ **موتوا**۔ سب کے سب مرجاؤ" یہ آواز کیا تھی ایک زبردست دھاکہ تھا جس کے سنتے ہی دماغ پاش پاش ہو گئے اور سب کے سب ہلاک و برباد ہو گئے چھوٹا بڑا، مرد عورت، کوئی بھی بچ نہ سکا۔ سب کے سب زمین کے برابر ہو گئے۔

ایک سوال اور اس کا جواب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اونٹنی کو ہلاک کرنے والا صرف ایک شخص قدار بن سالف تھا یا اسکے چند رفقاء تھے۔ پھر اللہ سبحانہ کا عذاب ساری قوم پر کیوں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص یا جماعت کے کام سے تمام قوم متفق تھی اور اس حرکت سے سب کے سب خوش تھے۔ اصول یہ ہے: من احبّ قوماً فھو منھم۔ جس نے جس کسی قوم سے محبت رکھی اور انکے کام سے خوش ہوا اس کا شمار بھی اسی قوم میں ہوتا ہے۔" نیک لوگوں کی محبت سے اس کا شمار نیکوں میں ہوتا ہے اور بروں کی محبت سے وہ بھی برا سمجھا جاتا ہے۔ اسلئے ساری قوم ثمود اس پاداش میں گرفتار اور ہلاک و برباد ہوئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ولا یخاف عقباھا کی تفسیر وَلَا یَخَافُ عُقْبٰھَا۔ اور وہ ڈرتا نہیں اس کے انجام سے" اس آیۂ کریمہ کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے۔ ایک وہ جو حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔۔۔ ذالک ربنا لا یخاف منھم تبعۃ بما صنع بھم۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) (لا یخاف سے ہمارا پروردگار تعالیٰ مراد ہے کہ اس قوم کے ساتھ اللہ سبحانہ نے جو سلوک فرمایا کہ ان پر عذاب استیصال بھیج دیا اس لئے کہ اس کو اس قوم کے پیچھا اٹھانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ یعنی اگر اللہ سبحانہ ساری قوم کو برباد کر ڈالنے کا حکم دے تو قوم اللہ سبحانہٗ کا نہ کچھ بگاڑ سکتی ہے اور نہ اس کے حکم کو روک سکتی ہے۔ دنیا کے بادشاہوں اور حاکموں کا یہ حال ہے کہ اگر وہ کسی ملک یا قوم یا کسی بڑی جماعت کو سزا دینا چاہیں تو ان کو اندیشہ لگا رہتا ہے کہ سب مل کر حکومت کے خلاف کوئی شورش برپا کریں یا بغاوت پھیلا دیں۔ یہ اندیشہ اللہ سبحانہٗ کو نہیں ہو سکتا۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت سُدّی اور ضحاک سے مروی ہے۔ سُدّی فرماتے ہیں:۔۔۔ لم یخف الذی عقرھا عاقبۃ ما صنع۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) جس شخص نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں

اس نے اپنے کرتوت کے انجام کا اندیشہ نہیں کیا۔" اور حضرت ضحاک فرماتے ہیں:— لم یخف الذی عقرھا عقباھا۔ "کوچیں کاٹنے والے نے اپنے کیے کے انجام کا خوف نہ کیا۔" ان حضرات نے لا یخاف کا فاعل قدار بن سالف کو قرار دیا ہے اور حضرت حسنؒ بصری نے اللہ سبحانہ کو لا یخاف کا فاعل ٹھہرایا۔ ہر دو تفسیریں بجائے خود درست ہیں۔ واللہ اعلم۔

سورۂ والشمس کی فضیلت

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:— ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی صلاۃ العشاء بالشمس وضحاھا واشباھھا من السور (امام احمدؒ، ترمذی بروایت حسن، نسائی) حضرت رسول دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشا کی نماز میں والشمس وضحاھا اور اس جیسی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:— ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یقرأ فی صلاۃ الصبح بالیل اذا یغشی والشمس وضحاھا۔ (طبرانی) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ صبح کی نماز میں واللیل اذا یغشی اور والشمس وضحاھا پڑھا کریں۔" حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں:— امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نصلی رکعتی الضحی بسورتیھما

بالشمس وضحاها والضحیٰ (بیہقی) حضرت رسول دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم چاشت کی دو رکعتیں پڑھا کریں اور ان میں والشمس اور والضحیٰ پڑھا کریں جن میں چاشت کا بیان ہے۔" حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی العیدین سبح اسم ربك الاعلی والشمس وضحاها۔ (طبرانی) حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین کی نمازوں میں سبح اسم ربك الاعلی اور والشمس وضحاها تلاوت فرمایا

ع۔ دکن کے ہم مسلمانوں میں قدیم سے یہ دستور رہا ہے کہ ان کے ہاں شادی ہوتی ہے تو اپنے معتقد علیہ بزرگ سے تبرکاً سورت شریفہ والشمس جہراً پڑھوا کر دولہا دلہن پر دم کراتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ شمس (دولہا) اور قمر (دلہن) نہار (دن کے کاروبار) اور لیل (رات کی یکجائی) آسمان سے (دولہا کی علو مرتبت) زمین سے (دلہن کی اطاعت) اور نفس سے (دولہا دلہن کے نفوس اور ان کے خیر و شر کی استعداد اور ہر ایک کے انجام سے آگاہی)۔ پھر ناقۂ ثمود کے ساتھ دلہن کی شباہت کہ دولہا والوں کے پیام دینے پر وہ بیاہی گئی جو صاحب اولاد بھی ہوگی۔ اس کا اور اسکے بچوں کا کھانا پینا دولہا والوں پر بار نہ گزرنا چاہئے کیونکہ یہ خواندہ مہمان کے سے ہیں انکی خاطر ضروری ہے اگر اپنی فلاح منظور رہے تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہیں۔ مبادا کہ انکو اذیت پہنچے پھر اسکے انجام کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ الغرض اسمیں سمجھ بوجھ والوں کیلئے پوری پوری نصیحت ہے اور یوں بھی قرآن کریم کا ہر حصہ موجب خیر و برکت ہے واللہ الموفق۔

کرتے تھے"۔ اس سے سورۂ والشمس کی فضیلت ثابت ہے۔
الحمد للہ کہ سورہ شمس کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبنا سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

93 Lail Makky Verses 21 (۹۲)

سورۂ لیل

مکۂ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں اکیس آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کی مناسبت، ماقبل سورت سے اس طرح ہے کہ دونوں سورتوں کی ابتدا قسموں کے ذریعہ ہوئی ہے۔ اور دونوں میں اتقی اور اشقی کا بیان آیا ہے۔ نیز لیل و نہار کا ذکر بھی دونوں میں موجود ہے اور آخرت کی فلاح و کامیابی اور ناکامی کا بیان بھی دونوں میں ہے۔ اس لحاظ و اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ما بعد والی سورت، ماقبل سورت کا تتمہ و تکملہ ہے فرق اس قدر ہے کہ سورت ماقبل کی ابتدا والشمس سے ہوئی تھی جو ظہور نہار کا موجب ہے اور اس سورت شریفہ کی ابتدا واللیل سے ہو رہی ہے جس کا وجود

ع سورۂ لیل کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ شریفہ مکیہ ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ یہ سورت مدنیہ ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اس کا کچھ حصہ مکہ مکرمہ میں اور کچھ مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ یہ اختلاف اس کے شان نزول پر مبنی ہے جس کی تفصیل بہ ضمن تفسیر آئے گی۔

غروب شمس کے بعد ہوتا ہے۔ نیز ماقبل سورت کا خاتمہ ناکام کی ناکامی پر ہوا تھا اور اس کا خاتمہ کامیاب کی کامیابی پر ہو رہا ہے۔ وللہ الحمد۔

شانِ نزول جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورت شریفہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ بلکہ اس پر اجماع بھی منقول ہے بعض روایات یہ ہیں کہ یہ سورت حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ اور اس کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک منافق کے گھر میں ایک درخت خرما تھا۔ اس کے بازو والے مکان میں یتیم بچے رہتے تھے۔ یہ درخت یتیموں کے گھر کی طرف جھکا ہوا تھا ہوا سے کچھ کھجوریں دار الیتامیٰ میں ٹپک پڑتیں اور یتیم بچے ان کو اٹھا لیتے۔ منافق کو یہ صورت بہت ناگوار گزرتی، اس نے دربار رسالت میں شکایت کی، حضور اکرمؐ نے جواباً یہ مشورہ دیا کہ یہ درخت یتیموں کے لئے ہبہ کردو۔ ہم تم کو جنت میں ایک درخت خرما دلا دیتے ہیں جو ہمیشہ بار آور رہیگا اور تم اس سے مستفید ہوتے رہوگے۔ منافق کو یہ مشورہ پسند نہ آیا۔ آخر ابوالدحداح انصاریؓ نے اس کو خرید لیا اور ان یتیموں کے لئے ہبہ کر دیا۔ اس پر یہ سورت شریفہ نازل ہوئی۔ یہ واقعہ ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ کا ہے اور اسی بنا پر اس سورت کو مدنیہ کہا گیا ہے مگر قول اول ہی کو ترجیح ہے جو قول جمہور ہے۔ وجہ ترجیح کا بیان

تفسیر کے ضمن میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔ 92-1

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ وَمَا خَلَقَ 92-2
92-3
الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۙ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۗ قسم ہے رات کی جب وہ 92-4
چھا جائے، اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو، اور قسم ہے اس کی جس نے پیدا
کیے نر و مادہ، بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔

جیسی سعی ویسا ثمرہ یعنی رات جو ہر چیز پر اپنی تاریکی کی سیاہ چادر ڈال کر سب پر چھا جاتی اور سب کو چھپا دیتی ہے جس کے نتیجہ میں ہر متحرک جاندار اپنے اپنے ٹھکانے پر آکر ساکن ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بے جان مگر متحرک مشنریاں جو دن بھر کام کرتی رہتی ہیں وہ بھی رات کو غیر متحرک اور ساکن ہو جاتی ہیں، یہ رات گواہ ہے ہمارے آنے والے دعوے کی صداقت پر۔ نیز دن جب وہ روشن ہو جائے اور اس کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل جائے تو سکون پذیر اجسام میں پھر جوش حرکت پیدا ہو جاتا ہے اور انگڑائی لے کر ہر متنفس جاگ اٹھتا اور اپنے مقصد کی طرف حرکت کرنے والا ہو جاتا ہے۔ یہ روز روشن بھی گواہ ہے۔ اسی طرح جس

ذات عظیم القدرت نے متضاد کیفیات والے رات دن بنائے نر و مادہ بھی پیدا کئے۔ یہ نر و مادہ بھی متضاد اوصاف و کمالات کے حامل ہیں۔ خواہ وہ عام مرد اور عورت ہوں یا خاص آدم و حوا علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام خواہ اس میں حیوانات نر و مادہ کو بھی شریک کر لیا جائے بلکہ نر و مادہ درختوں تک اس کو وسعت دی جائے یا جمادات میں سے کنجی و قفل اور نر و مادہ جو مختلف اشیاء کی صورت میں بنائے جاتے ہیں ان میں بھی جو متضاد اوصاف ہوتے ہیں ان سب کو مراد لیا جائے چونکہ ان سب کی تخلیق اللہ سبحانہ کی قدرت اور اس کی توفیق کی بنا پر ہے لہذا خالق عظیم القدرۃ کی قسم ہے اور وہ ذات قدسی صفات بھی گواہ ہے اس پر کہ اے اولاد آدم! تمھاری کوششیں مختلف النوع ہیں۔ اور باہم متضاد۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ چند آدمی ایک ہی کام کر رہے ہوں خواہ دنیا کا جیسے کسی کارخانے کے کاریگر، خواہ عقبی کا جیسے نماز باجماعت۔ پھر بھی ان کی دلچسپی یا نیتوں کے لحاظ سے ان کے کام مختلف ہوں گے۔ پھر ظاہر ہے کہ اس کے نتائج اور ثمرات بھی یکساں نہیں ہوسکتے۔ ضرور ان میں اختلاف رہیگا۔ اسی طرح جزائے اعمال بھی مختلف ہوگی۔ انّ سعیکم لشتی جواب قسم ہے اور اسی کو ذہن نشین کرنے کے لئے مذکورہ قسمیں بیان ہوئی ہیں اور ہر ایک مقسم بہ کو یعنی جس کی قسم دی گئی گواہ قرار

دیا گیا ہے۔ حضرت ابو مالک اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ کل الناس یغدو فبائع نفسہ فمعتقھا اوموبقھا (بغوی) ہر شخص صبح روانہ ہوتا ہے پھر اپنے آپ کو بیچتا ہے کوئی اپنے آپ کو آزاد کراتا ہے (راہ خدا میں بیچ کر) اور کوئی خود کو ہلاک کرتا ہے (نفس وشیطان کی راہ میں فروخت کر کے)۔"

رات کی اہمیت رہے خاصان خدا و مقبولان بارگاہ۔ ان کی شان ہی اور ہے۔ صاحب کشف الاسرار ان آیات کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ شب را مرتبتے و شرفے داد کہ آں را در قرآن مجید محل قسم خود گردانید، و ایں شرف ازاں یافت کہ شب درآید دوستان خدا تنہا در مناجات شوند، ہمہ شب شراب صفامی نوشند، و خلعت رضا می پوشند، و عتاب محبوب مے بنوشند، و چوں وقت سحر باشد کہ فرمان رسد، تا درہائے ایں قبۂ پیروزہ باز کشایند، و دامن ہائے سرادقات عرش مجید برانداز ند، و مقربان حضرت بامر حق خاموش شوند، آنگہ جبار کائنات در علو و کبریائی خود خطاب کند کہ الا قد خلا کل حبیب بحبیبہٖ فاین احبّائی۔ یعنی ہر دوستے با دوست خود

درخلوت وشادی آمدند؛ دوستان من کجا اند؟

92-5 فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ
92-6
92-7 لِلْيُسْرٰى ۗ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ
92-8
92-9 فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۗ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۗ
92-10
92-11 پھر جس کسی نے دیا اور پرہیزگاری اختیار کی، اور سچ جانا بھلی بات کو، تو ہم آہستہ

آہستہ پہنچادیں گے اس کو انتہائی آسانی میں، اور وہ جس نے نہ دیا اور بے پروا بنا

رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو، تو اس کو آہستہ آہستہ پہنچادیں گے انتہائی سختی

میں اور کام نہ آئے گا اس کے اس کا مال جب وہ گڑھے میں گریگا"

حضرت بلالؓ کی آزادی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

ان ابا بکر الصدیقؓ اشتری بلالاً من امیة بن خلف وابی بن

خلف ببردة وعشر اواق فاعتقه لله فانزل الله ان سعیکم

لشتی سعی ابی بکر وامیة وابی الی قوله وکذب بالحسنی (ابن ابی حاتم،

ابوالشیخ، ابن عساکر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال

رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف اور اس کے بھائی اُبی بن خلف سے ایک بردیمانی

اور دس اوقیہ دے کر خرید کیا۔ پھر ان کو راہ خدا میں آزاد کردیا تو یہ

آیات کریمہ ان سعیکم لشتی سے وکذب بالحسنی تک نازل ہوئیں جن میں حضرت ابوبکرؓ کی سعی اور کوشش نیز امیہ اور اُبی کی مساعی اور کوششوں کا فرق ظاہر فرمایا گیا۔" دوسری روایت میں ہے کہ نسطاش نامی غلام جس کی قیمت میں ہزار دینار تھی اس کو دے کر حضرت بلالؓ کو خرید فرمایا۔ ایک روایت یہ ہے کہ آدھ سیر سونا دیکر خرید فرمایا۔

حضرت بلالؓ کا اسلام | حضرت بلالؓ، امیہ اور اُبی کے غلام تھے۔ مسلمان ہو گئے تھے۔ اس پر امیہ ناراض ہو کر حضرت بلالؓ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتا تاکہ آپ دین اسلام سے نعوذ باللہ پھر جائیں۔ مگر اسلام کی صداقت و محبت حضرت بلالؓ کے دل میں کچھ اس طرح جاگزیں ہو چکی تھی کہ آپ ہر طرح کی تکالیف برداشت کرتے مگر ہمیشہ کلمہ حق آپ کی زبان پر جاری رہتا۔ ایک دن حضرت صدیق اکبرؓ نے دیکھا کہ امیہ نے حضرت بلالؓ کو عین دوپہر کے وقت گرم ریت پر لٹا دیا ہے اور آپ پر ایک گرم وزنی پتھر رکھ دیا ہے اور مارتا جا رہا ہے مگر اس حالت میں بھی آپ احد احد فرماتے جا رہے ہیں یعنی اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے امیہ سے کہا کہ محض مسلمان ہو جانے کی بنا پر ان کو ایسی تکلیف کیوں دے رہا ہے جو کسی سے دیکھی نہیں جاتی اس نے

کہا کہ اگر تکلیف دیکھ نہیں سکتے ہو تو خرید لو۔ حضرت صدیقؓ نے ان کو فوراً گراں قیمت پر خرید لیا اور ساتھ ہی آزاد بھی کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت صدیقؓ کی کوشش یہ تھی کہ ایک بندۂ خدا کو سہولت نصیب ہو اور اللہ سبحانہ کی خوشنودی حاصل ہو اور امیہؓ ابی کی کوشش یہ تھی کہ ایک حق گو کو حق سے ہٹا دے۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آگے ہر ایک کی تفصیل آ رہی ہے۔

فسنیسرہ للیسریٰ کی تفسیر

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى۔ جو کوئی راہ خدا میں دیتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اسی خوف خدا اور تقویٰ و پرہیزگاری کی بنا پر وہ کام کرتا ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان کاموں سے بچتا ہے جن سے اس نے منع فرمایا ہے نیز ہر اچھی سے اچھی چیز کو بھلی سمجھتا اور اس کی طرف ہمیشہ مائل رہتا ہے تو اللہ سبحانہ کی مدد اسکے شامل حال رہتی ہے۔ نیکی کی راہ پر چلنا اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ اس پر چل چل کر انتہائی سہولت کا مقام جو جنت ہے اس میں پہنچ جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ یا دوسری روایت کے لحاظ سے حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ۔ اور کچھ ان ہی مخصوص حضرات پر موقوف نہیں بلکہ ہر مسلمان جو ایسا طریقہ زندگی اختیار کرے وہ ان آیات کریمہ کا مصداق قرار

پا سکتا ہے۔ گو یہ آیات ان حضرات کی فضیلت و منقبت میں آئی ہیں مگر حکم عام ہے۔

فسنیسرہ للعسریٰ کی تفسیر اسی طرح اس کے برعکس وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰی۔ اور جو کوئی (راہ خدا میں دینے سے) بخل کیا اور اس کے انجام سے بے پروا بنا رہا اور اچھی سے اچھی باتوں کو جھٹلاتا رہا تو ہم اس کو آہستہ آہستہ (اسی کی مرضی کے مطابق) تنگی اور سختی کی راہ ہموار کرتے رہیں گے (تا آنکہ وہ انتہائی تنگی اور سختی کے مقام پر پہنچ جائے گا جو دوزخ ہے۔ اور جب وہ ہلاک ہو کر قبر کے گڑھے میں ڈھکیل دیا جائے گا تو اس کا مال جو دنیا میں اس کو حاصل تھا اس کے کچھ بھی کام نہ آسکیگا" حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اس مال و دولت سے دنیا میں بھی فائدہ اٹھاتا اور آخرت کی فوز و فلاح بھی حاصل کر سکتا تھا۔ مگر بخل نے یہ راہ بند کر دی۔ یہ اُمیہ بن خلف اور اُبی بن خلف کا حال ہے نیز ان لوگوں کا حال بھی جو ایسی بد روش اختیار کریں۔

مسئلہ تقدیر اور اس کا حل حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں:-

ان سراقۃ بن مالک قال یا رسول اللہ فی ای شیئ نعمل افی شیئ تثبت فیہ المقادیر وجرت فیہ الاقلام ام فی شیئ

نستقبل فیه العمل قال بل فی شیئ تثبت فیه المقادیر وجرت فیه الاقلام قال سراقۃ ففیم العمل اذن یارسول اللّٰہ قال اعملوا فکل میسرلما خُلق له وقرأ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم هذہ الآیۃ فامامن اعطی واتقی الی قوله فسنیسرہ للعسرٰی۔ (امام احمدؒ مسلم، ابن حبان، طبرانی، ابن مردویہ) حضرت سراقہ بن مالکؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللّٰہ! ہم روزانہ جو کچھ کرتے ہیں اس کا شمار کس میں ہے؟ کیا اس اعمال نامے میں جس میں تقدیریں روز ازل سے درج ہیں اور قلم اس کے مطابق لکھ چکے ہیں؟ یا کسی ایسے اعمال نامے میں جس میں مستقبل (یعنی آئندہ) کے اعمال لکھے جاتے رہتے ہیں؟؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ اس اعمال نامے میں جس میں تقدیریں روز ازل سے درج ہیں اور قلم اس کے مطابق لکھ چکے ہیں۔ پھر سراقہ نے عرض کیا (جب ازل سے لکھا جا چکا ہے تو) یارسول اللّٰہ! ایسی حالت میں آئندہ کے عمل کا کیا ٹھکانا؟ اس پر حضورؐ انور نے فرمایا (ازل سے کیا لکھا ہوا ہے تمھیں کیا معلوم) تم اپنا عمل جاری رکھو اور اپنا کام کیا کرو۔ کیونکہ ہر شخص اسی کام کو سہل سمجھتا ہے جس کے کرنے کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ پھر رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات کریمہ فامامن اعطی واتقی سے فسنیسرہ للعسرٰی تک تلاوت

فرمائیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ مسئلہ تقدیر جو اہل علم کے نزدیک دشوار گزار مسئلہ بنا ہوا ہے اس کو حضور روحی فداہ نے باتوں باتوں میں حل فرما دیا اور ہر شخص کی سمجھ میں آ گیا کہ مسئلہ تقدیر کا تعلق علم الٰہی سے ہے اس کو کوئی جان نہیں سکتا۔ البتہ میدان عمل ہر شخص کے سامنے ہے۔ اپنا عمل جاری رکھے۔ اگر کوئی جنت کے لئے پیدا ہوا ہے تو اہل جنت کے اعمال اس کو سہل تر دکھائی دیں گے وہ جنتی کام کر کے جنت میں جا داخل ہوگا۔ اور اگر کوئی کسی اور مقام کے لئے پیدا ہوا ہے تو وہ اسی کے ساتھ مناسبت رکھنے والے کام کر کے اپنی جگہ پہنچ جائے گا۔ علم الٰہی جو قدیم او ازلی ہے کسی کی راہ عمل میں حائل نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے کام کو سہل جان کر اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا اور اس کا ثمرہ پاتا ہے۔

92-12
إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۝ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۝ 92-13

بے شک ہمارا ذمہ ہے راہ سجھانا، اور ہمارے ہی ہاتھ میں ہے آخرت اور دنیا۔"

ان علینا للھدی کی تفسیر البتہ راہ راست کی سمجھ بوجھ دینا اور اس کو واضح کر کے بتانا ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی حق و باطل کی تمیز کرانا، حق کو ثابت کرنے اور باطل کے ابطال کے لئے دلائل قائم کرنا، اور احکام بیان کرنا، حلال

حرام کا فرق ظاہر کرنا ہمارے ذمے ہے۔ چنانچہ رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے یہ سہولت پیدا کر دی گئی۔ اور آخر پر نبی آخر الزماں روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کر کے اور قرآن کریم (جو آسمانی کتابوں میں سب سے آخری کتاب ہے اس کو نازل کر دیا گیا ہے اب قیامت تک تمام عالم کے لئے سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت قائم اور قرآن کریم کے احکام برقرار رہیں گے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کر کے اور قرآن حکیم کے حکیمانہ احکام کی تعمیل کر کے آخرت کی راہ درست کی جا سکتی اور بے کھٹکے آخرت کی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کو چھوڑ کر کوئی نہ آخرت میں فوز و فلاح پا سکتا ہے اور نہ اپنی دنیا ہی سدھار سکتا ہے۔ کیونکہ آخرت بھی ہمارے ہاتھ ہے اور دنیا بھی۔

هدى کے معنی و مراد | حضرت قتادہؓ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

علی اللہ البیان بیان حلالہ وحرامہ وطاعتہ ومعصیتہ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) ہر چیز کی وضاحت اور دعوے کو دلیل کے ساتھ بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ اس کے حلال و حرام اور طاعت و معصیت ہر ایک کی توضیح ہم کر دیں گے۔" رہا اس پر قائم رہنا اور اس کے مطابق عمل کرنا وہ تمہارا کام ہے۔ کسی پر زیادتی اور دباؤ نہیں ڈالا جائے گا۔ جبر و اکراہ ہمارا

کام نہیں۔ جو کچھ کرنا ہو اپنے ارادے اور اپنے ہی اختیار سے کیے جاؤ۔ اور اس کی
جزا کے مستحق ٹھہرو۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ الَّذِيْ 92-14 92-15
كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۗ پس میں نے تمہیں ڈراؤنی خبر سنادی آگ کی جو بھڑک رہی ہے 92-16

نہیں گرے گا اس میں مگر وہی جو بڑا ہی بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔"

شقی کون ہے

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے ارشاد فرمایا:۔ لا يدخل النار الا الشقي قيل ومن الشقي قال الذي لا يعمل لله بطاعة ولا يترك لله معصية (امام احمدؒ ابن مردویہ) دوزخ میں نہ جائے گا مگر وہی جو بدبخت ہے عرض کیا گیا کہ بدبخت کون ہے؟ فرمایا جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طاعت کا کوئی کام نہیں کرتا اور نہ اللہ سبحانہ کی نافرمانی کے کاموں میں سے کسی کام کو چھوڑتا ہے۔" حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ لتدخلن الجنة الا من يابي قالوا ومن يابي ان يدخل الجنة فقرأ الذي كذب وتولى۔ (ابن جریر) تم سب کے سب جنت میں داخل ہوگے مگر وہ شخص جو انکار کرے۔ لوگوں نے کہا بھلا جنت میں جانے سے کون انکار کریگا تو آپ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ (انکار وہی کریگا) جو جھٹلائے اور منہ

پھیرلے" یہ تو حدیث مرسل ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے :۔

حضورؐ کا مطیع سعید اور منکر شقی ہے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :۔ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ کلّ امّتی یدخل الجنّۃ یوم القیامۃ الامن ابی قالوا ومن یابی یا رسول اللہ ! قال من اطاعنی دخل الجنّۃ ومن عصانی فقد ابیٰ ۔ (امام احمدؒ بخاری) میرا ہر ایک امتی قیامت کے دن جنت میں جائے گا مگر جو انکار کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ وہ کون ہو گا جو انکار کرے گا۔ فرمایا جس نے میری نافرمانی کی بس وہی منکر ہے" یہاں نافرمان سے منکر مراد ہے۔ حضرت ابوامامہؓ کی روایت میں اس سے زیادہ وضاحت ہے۔ فرماتے ہیں (کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا)۔ لا یبقی احد من ھذہ الامّۃ الاّ ادخلہ اللہ الجنّۃ الامن شرد علی اللہ کما یشرد البعیر السوء علی اھلہ فمن لم یصدّقنی فانّ اللہ تعالیٰ یقول لا یصلاھا الاّ الاشقی الذی کذّب وتولّی یقول لا یصلاھا الاّ الاشقی الذی کذّب بما جاء بہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم وتولّی عنہ ۔ (سعید بن منصورؒ ابن ابی حاتمؒ ابن المنذرؒ طبرانیؒ ابن مردویہ) اس امت سے کوئی بھی ایسا نہیں رہیگا مگر اللہ سبحانہ اس کو جنت میں لیجا داخل فرمائیگا

مگر وہ جو رجوع الی اللہ سے بھاگ جانا چاہے جیسا کہ شریر اونٹ اپنے مالک کے پاس سے بھاگ جانا چاہتا ہے۔ پس جس کسی نے میری تصدیق نہیں کی تو اس کی نسبت اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے لا یصلاھا الّا الاشقی الذی کذب وتولّی۔ نہیں گرتا ہے آگ میں مگر وہی جو سب سے زیادہ بدبخت ہے جو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو جھٹلاتا اور اس سے منہ پھیر لیتا ہے " یہ اشارہ ہے امیہ بن خلف اور ابی بن خلف' اور ان جیسے کفار کی طرف' جو دین اسلام کی تکذیب اور اہل اسلام کو تکلیف پہنچانے میں لگے ہوئے تھے۔

عرض فقیر اس آیۂ کریمہ اور احادیث شریفہ سے پایا جاتا ہے کہ تمام صحابہ کرام جنتی ہیں ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔ تمام امت کا اجماع ہے کہ جملہ صحابہ کرام عادل ہیں محدثین کے پاس ان پر جرح و تعدیل نہیں ان کی روایات مقبول ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالٰی نے ان کی شان میں فرمایا: ۔ وکلًّا وعد اللہ الحسنٰی۔ ہر ایک سے اللہ نے وعدہ فرمالیا ہے بہترین بھلائی (یعنی جنت) کا " اور فرمایا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ۔(تم اے جماعت صحابہ!) امت کے بہترین لوگ ہو جو تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے وجود میں لائے گئے ہو" اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ۔ لا تمس النار مسلما رأنی۔ (ترمذی عن جابرؓ) کسی مسلمان کو جس نے مجھے

مجھے دیکھا آگ کبھی نہ چھو سکے گی" یہ بھی فرمایا: ۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم
اھتدیتم۔ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں ان میں تم جس کسی کی بھی اقتدا کروگے راہِ
راست پر رہوگے" یہ بھی ارشاد ہوا۔ ھم قوم لا یشقی جلیسھم ولا یخاب انیسھم
(صحیحین) یہ ایسی قوم ہے جن کی صحبت میں رہنے والا شقی نہیں ہوسکتا اور ان سے محبت
اور انس رکھنے والا نقصان اور گھاٹے میں نہیں رہ سکتا" یہ ارشاد صلحائے امت
کے باب میں ہے پھر جو سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف رکھتے ہوں
ان کا کیا کہنا۔ فایاکم وایاھم۔ خبردار ان کی شان میں کلام کرنے سے اپنے آپ کو
بچائے رکھنا" واللہ الموفق۔ 92-17

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۙ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۚ اور بچا 92-18
لیا جائے گا اس سے سب سے زیادہ پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو"

اتقیٰ کی تفسیر یعنی نار دوزخ سے محفوظ رکھا جائے گا پرہیزگاروں کو جن کا مال
راہ خدا میں خرچ ہوتا رہتا ہے اور اس سے ان کا مقصد تزکیۂ نفس ہے۔ جس کیلئے
انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی۔ مفسرین کرام کا اتفاق ہے کہ یہ آیۂ کریمہ حضرت
صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ اور یہاں "الاتقیٰ" سے حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔

التقی کی صفت الذی یؤتی مالہ یتزکی ۔ جو دیا کرتا ہے اپنا مال دل کی صفائی اور تزکیہ کے لئے ۔" حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں: ۔ ان ابابکر الصدیق اعتق سبعۃ کلھم یعذب فی اللہ بلال و عامر بن فھیرۃ و النھدیۃ و ابنتھا و زنیرۃ و ام عیسی و امۃ بنی مؤمل ۔ فنزلت وسیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی ۔ (ابن ابی حاتم) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سات آدمیوں کو (خرید کر) آزاد کیا جن میں سے ہر ایک کو محض مسلمان ہو جانے کی بنا پر مبتلائے عذاب رکھا گیا تھا۔ وہ سات نفوس یہ ہیں: ۔ حضرت بلالؓ حضرت عامر بن فہیرہؓ، نہدیہؓ اور ان کی دخترؓ، زنیرہؓ، ام عیسیٰؓ اور بنی مومل کی ایک کنیزؓ اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں: ۔ وسیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی ۔ یہاں کلمہ یؤتی فعل مضارع تکرار فعل پر دلالت کرتا ہے کہ اپنا مال تزکیۂ نفس کی خاطر خرچ کرتے رہتے ہیں ۔" حضرت ابوالدحداحؓ نے ایک دفعہ خرچ کیا تھا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ حضرت صدیقؓ نے صرف حضرت بلالؓ ہی کو آزاد نہیں کرایا بلکہ یہ عادت شریفہ جاری رہی تا آنکہ عادت ثانیہ ہوگئی اور نص قطعی سے اس کو قرار و دوام بخشا گیا۔ حضرت عروہؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے اور بھی آگے بیان کیا جائے گا۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ
الْاَعْلٰى ۚ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۧ اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے
صرف رضا کی خواستگاری ہے اپنے رب کی جو سب سے برتر ہے، اور بے شک قریب 92-19
ہے کہ وہ راضی ہوگا۔" 92-20 92-21

شان نزول | مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب حضرت بلالؓ کو خرید کر آزاد فرمایا اور گراں تر قیمت ادا کی تو مشرکین کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے کہ ابوبکرؓ پر بلالؓ کا کوئی زبردست احسان ہوگا جبھی تو اتنی گراں قیمت ادا کر کے اپنے پر سے اس احسان کو اتارنا چاہا ہے۔ اس پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں کہ ابوبکر پر نہ بلال کا اور نہ کسی کا کوئی احسان ہے جس کا بدلہ ابوبکر دیتے۔ بلکہ بلال کو جو آزاد کیا ہے اس سے محض اپنے پروردگار بزرگ و برتر کی خوشنودی مطلوب ہے اور محض رضائے الٰہی حاصل ہونے کے لئے انھوں نے یہ عظیم الشان خدمت دین اسلام کی انجام دی ہے۔ اور عنقریب رضائے الٰہی ان کو حاصل ہوگی۔ اور ان کا رب ان سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمائیگا۔ اس واقعہ کی تائید روایت ذیل سے بھی ہوتی ہے:۔

مضمون بالا کی تائید | حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں:۔ قال ابو قحافة لابی بکر اراك تعتق رقابا ضعافا فلو انك اذ فعلت ما فعلت اعتقت

رقابا جلدا یمنعونك ویقومون دونك فقال یا ابت انما ارید وجه اللّٰہ فنزلت ھذہ الآیات فیه (حاکم بروایت صحیحہ) حضرت ابو قحافہؓ نے (اپنے فرزند) ابوبکر صدیقؓ سے کہا میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم ضعیف و ناتواں کمزور غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرتے ہو تمھیں جو کچھ کرنا ہے وہ کرتے وقت اگر طاقتور قوی توانا غلاموں کو آزاد کیا کرتے تو وہ (دشمنوں سے) تمھاری حفاظت کرتے (کیونکہ تمھارے دشمن بہت ہیں) اور جب تم موجود نہ رہو تو وہ تمھارے کام انجام دیتے اور تمھاری مدد کیا کرتے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا:۔ باباجان! میں اس عمل سے صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہوں (اور کوئی صلہ غلاموں سے نہیں چاہتا) اس پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى کا وعدہ جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا ہے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے:۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دیگا کہ آپ بھی خوش ہوجاؤ گے۔" حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے:۔ ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر (تاریخ الخلفاء) کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچایا'

جتنا کہ مجھے ابوبکر کے مال نے نفع پہنچایا" اور یہ فرماتے کہ جس کسی نے میرے ساتھ حسن سلوک کیا
میں نے اسکی مکافات کردی ہے مگر ابوبکرؓ کے خدمات کی میں مکافات نہ کرسکا۔ اللہ سبحانہ
اس کی مکافات فرمائے گا۔

صدیق اکبرؓ کا آغاز اور انجام کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ جس وقت مشرف باسلام ہوئے
چالیس ہزار دینار کے مالک تھے۔ اور جب وفات کا وقت آ پہنچا تو آپ کے پاس کچھ نہ تھا
وصیت فرمائی کہ دو چادریں جو اس وقت میں پہنا ہوا ہوں انھیں میں میری تجہیز و تکفین
کی جائے۔ نئے کپڑوں کی احتیاج زندوں کو زیادہ رہتی ہے۔ مرنے والے کا حال یہ ہے کہ
اگر وہ نیک ہوگا تو اللہ سبحانہ اس سے کہیں بہتر حلہ بہشت پہنائیگا۔ اور اگر وہ نیک
نہیں ہے تو جو لباس میت کو پہنایا گیا ہے وہ بھی اتار لیا جائے گا۔ ان روایات سے
ظاہر ہے کہ چالیس ہزار دینار اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف ہوئے جنکی شہادت
حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے مل رہی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

الحمد للہ کہ سورۂ لیل کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالی وسلم علی خیر خلقہ سیدنا
محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔